اشاعة السنة النبوية

على صاحبها الصلوة والتحية

نمبر یکم لغایت دوازدہم — جلد ہفدہم

بابت سنہ ١٣١٢ و ١٣١٣ ہجری مقدس مطابق سنہ ١٨٩٤ء

شش ۶ قیمت

یہ رسالہ عموماً بعوض ۶ رسالانہ قیمت پر دیا جاتا ہے۔ خاص (رؤسا) اہل اسلام بنظر اعانت للہ عوض ۱۰ عنایت فرماتے ہیں بعض اشخاص جنکی آمدنی للعہ ماہوار سے زیادہ نہیں رعایتاً عللے رکھیجاتے ہیں۔ جنکی آمدنی عہ سے زیادہ نہیں ہے یا جو عہ ماہوار بھی آمدنی نہیں رکھتے پر تعلق علمی رکھتے ہیں اور رسالکی اشاعت کرتے ہیں۔ اون کو بلا قیمت دیا جاتا ہے۔ خط وکتابت وارسال زر قیمت کے پورے نام سے بٹالہ ضلع گورداسپور کے پتہ سے ہونی چاہیئے اور ارسال زر بذریعہ منی آرڈر ✽ ابو سعید محمد حسین مہتمم اشاعة السنة

بشارت وہدایت

اس جلد اشاعت میں جو دو مضمون (عصمت انبیاء وخطبہ متضمن اثبات نبوت) درج ہوئے ہیں۔ وہ اللہ تعالی کے محض فضل وانعام سے ایسے لکھے گئے ہیں کہ اون کو بغور وتکرار ملاحظہ کرنے اور اعتقاد وعمل کو اوسکے موافق بنانے سے خواص علماء وعوام صلحاء کو ایمان کی قوت اور عبادت کی حلاوت حاصل ہونیکی امید قوی ہے۔ ان میں اسرار قرآنیہ وبرکات روحانیہ ودلایل عقلیہ بقصص صحیحہ ورقاق سنیہ ایسے درج ہوئے ہیں جن پر اعتقاد وعمل ایمان کی تازگی وقوت واخلاق وعبادات کی درستی وصحت کا موجب ہو سکتا ہے۔ وعلاوہ ان میں انبیاء کے دشمنوں اور مخالفوں اور اسلام کے نادان دوستوں سے مجادلہ اور اون کے خیالات باطلہ واعتراضات عاطلہ کا مقابلہ اس خوبی وخوش اسلوبی سے ہوا ہے کہ وہ آیت وجادلهم بالتي هي احسن کا پورا مصداق ہے ناظرین توجہ سے ان مضامین کو پڑھیں گے تو امید ہے کہ رسالکی دیر سے نکلنےکی شکایت کو بھول جاینگے انشاء اللہ تعالی۔

مرزا غلام احمد کے جواب وخطاب میں ایک نئی طرز صواب کا خروج ہوا

ہم تو مرزا جی کو رسالہ البشر جلد ۱۶ میں چھوڑ دینے کا شرطیہ وعدہ دیچکے تھے کہ وہ آیندہ ہمکو مخاطب نہ کریں تو ہم بھی انکو مخاطب نہ کرینگے مگر وہ ہمکو نہیں چھوڑتے۔ حال میں انہوں نے چار رسائل انجام آتھم وغیرہ شائع کئے ہیں جنمیں ہم کو اور تمام قوم علماء کو مخاطب کرکے بدگوئی ودشنام دہی کو آخری حد تک پہنچا دیا ہے۔ ان رسائل کے جواب اور مرزا جی کے آیندہ خطاب میں خدا تعالی نے ہمکو ایسے نئی ملائمانہ طرز صواب کا القا کیا ہے۔ جس سے مرزا جی آیندہ کا لیاں دینا چھوڑ دینگے۔ اور اگر وہ نہ چھوڑینگے تو انکو علاوہ مطابق اتمام حجت دہوکہ میں آکر اونکے پیرو حامی بنے ہوئے ہیں اونکو چھوڑ دینگے۔ اور اشاعة السنة کی ہیبت کا رعب دکا بن جائیگا اور اسکی سابق سخت گیری کی دگو واقعہ میں وہ جایز اور واجبی تھی مگر اونکو ناپسند تھی شکایت زائل ہو کر دیکھے انشاء اللہ تبارک جاہلال تو ہوا مرزا جی سے واجبی سختی سے مقابلہ رہا اب ملائمانہ مکالمہ بھی ناظرین سنیں اور اسکا نتیجہ دیکھیں۔ بحول اللہ وقوتہ ✽

مطبع اسلامیہ پریس لاہور میں چھپا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

عصمت انبیاء

اور

عیسائیوں کا اون پر ظلم وافتراء

یہ مسئلہ (عصمت انبیاء) اسوقت کے مسلمانان ہندوستان میں اتفاق کے ساتھ کسی کو انکے تسلیم میں کلام و نزاع نہیں ہے۔ ومع ہذا اس مسئلہ میں بسط و تفصیل سے کرنے کی اسلئے ضرورت ہوئی کہ عیسائیوں نے اس مسئلہ میں ظلم و افترا اختیار کیا ہے۔ کہ تمام انبیاء کو گنہگار اور صرف حضرت مسیح کو عصمت شعار قرار دیا ہے۔ اور اس قول کاسد و زعم فاسد پر ان آیات قرآن و احادیث سے استشہاد کیا ہے جنمیں بعض انبیاء کے نسیان و خطاؤں کا ذکر کیا ہے۔ یا اونہوں نے کسر نفسی و فروتنی سے اپنے افعال خلاف اولی کو گناہ یا اپنے حسنات کو سیئات کہا ہے۔

وازانجملہ ایک توحیدی عیسائی مسٹر اکبر مسیح تحصیلدار عدالت باندہ نے تو یہ غضب ڈھایا ہے کہ حضرت مسیح کو تو ایک غلط و خود تجویزی معنے عصمت میں تمام انبیاء بلکہ ملائکہ سے بڑھا چڑھا کر باوجود قائل نہ ہونے الوہیت مسیح کے خدائی کے درجہ سے جا ملایا ہے۔ اور باقی حضرات انبیاء کو قدیم عیسائیوں کی تقلید سے گنہگار قرار دیکر یہ بھی جتایا ہے کہ صاحب اشاعت السنۃ بھی کسی نبی یا فرشتہ کو معصوم نہیں جانتا۔

انکی اس مضمون کی تحریرات ایک عیسائی رسالہ کشف الحقایق بمبئی بابت
سنہ ۱۸۹۰ء لغایت اکتوبر سنہ ۱۸۹۶ء میں شایع ہوئے ہیں۔ جس سے بجائے کشف اس مسئلہ اور
اسکے متعلق خیالات حقہ کا اخفاء والتباس عمل میں آیا ہے۔

اس ظلم وافترا والتباس واخفاء پر عیسائیوں کو جرأت کرنے کی ایک وجہ یہ
بھی ہوئی اور ایک قسم کی اون کو سند ونظیر ملگئی۔ بدقسمتی سے بعض گمراہ فرقے مسلمانوں
کے کسی قدر عیسائیوں کے ہم ضمیر ہوئے ہیں۔ عام انبیاء کو گنہگار کہنے میں خارجی انکے ساتھ
ہیں اور صرف حضرت مسیح کو سہو وخطا سے معصوم کہتے ہیں۔ رافضی انکی نظیر ہیں جو انبیاء
کے علاوہ اہلبیت کو بھی سہو وخطا سے معصوم کہتے ہیں۔ عیسائیوں نے ان دونوں مذہبوں
میں اپنی کتر بیونت کرکے ایک تیسرا مذہب مرکب رفض وخروج سے پیدا کیا۔ حضرت مسیح
کے سوائے تمام نبیوں کو گنہگار بنایا۔ اور باقی نبیوں کو چھوڑکر صرف حضرت مسیح کو خطا ونسیان
وغیرہ سے معصوم قرار دیا۔ اور اس ترکیب وتلفیق مذہبین سے مسلمانوں کو دھوکا دینا چاہا
اگر کسی نے انبیاء کو گنہگا کہنے پر وحشت کھا کر اعتراض کیا۔ تو خارجیوں کا مذہب وقوا پیش
کر دیا۔ اور اگر منجملہ تمام انبیاء صرف حضرت مسیح کو معصوم سمجھنے پر تعجب کرکے اعتراض کیا۔ تو
رافضیوں کا قول سنا دیا۔ گو درحقیقت وہ اس مذہب مرکب وملفق میں نہ خارجیوں کے
پورے موافق ہیں۔ کیونکہ وہ مسیح کو گنہگار نہیں سمجھتے۔ اور نہ رافضیوں کے پورے موافق
کیونکہ وہ حضرت مسیح کے سوا اور پیغمبروں کو معصوم نہیں جانتے۔

اس ظلم وافترا والتباس واخفا سے عیسائیوں کی غرض یہ ہے کہ وہ یہ
کہیں کہ حضرت آدم سے لیکر آنحضرت صلعم تک جتنے نبی آئے وہ سب گنہگار تھے
نیکوکار وعصمت شعار صرف حضرت مسیح تھے۔ ولہذا شفیع اور منجی صرف وہی ہو سکتے
ہیں نہ کوئی اور نبی۔ اہل اسلام کو دین اسلام سے اور دیگر اہل ادیان کو انکے ادیان سے
ہٹا دیں۔ اور ان کو عیسائی بنا دیں۔

اسی غرض سے مسٹر اکبر مسیح نے اس خاکسار خادم المسلمین کو بحث عصمت مسیح میں اپنا مخاطب کیا۔ اور در صورت ثابت ہوجانے عصمت مسیح کے عیسائیت کیطرف مدعو کیا ہے۔ چنانچہ اس غرض کا اظہار اُنہوں نے اپنے خط ۱۱۔ اکتوبر ۱۸۹۵ء میں کیا ہے جو کشف نمبر ۲ جلد ۲ میں بصفحہ ۴۶ وغیرہ درج ہوا ہے۔

لہٰذا ضرورت پیش آئی کہ اس مسئلہ کی حقیقت عیسائیوں اور اُن ناواقف مسلمانوں پر جو اُن تحریرات کو دیکھ کر دھوکہ کھا چکے ہیں کھولی جائے۔ اور اس سے اُن پر منکشف ہو کہ عصمت انبیاء کی حقیقت اور صحیح معنے کیا ہیں اور ان معنے کر سبھی انبیاء معصوم ہیں اور ان معنے عصمت انبیاء کے تسلیم کرنے میں اسوقت کے کسی مسلمان ہندوستان کو کلام نہیں ہے۔ اور جن آیات واحادیث سے مسٹر اکبر مسیح و دیگر عیسائی دوسرے نبیوں کا گنہگار رہونا نکالتے ہیں۔ ان سے انکا گنہگار رہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اور حضرت مسیح کو معنے صحیح عصمت سے کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ اسمیں خصوصیت و ترجیح کی طرف نظر کیجاتی ہے اور قرآن مجید و موجودہ انجیل کی شہادت لیجاتی ہے تو حضرت سیّد الاوّلین والآخرین ختم المرسلین کو حضرت مسیح پر ترجیح ثابت ہوتی ہے۔ وبس۔

ایک امر اس مضمون کے لکھنے کا باعث و محرک یہ بھی ہے کہ عنقریب ہم مضمون اثبات نبوت جو سنہ ۸۱ وغیرہ سے ناتمام چلا آتا ہے پورا کرنا چاہتے ہیں۔ اس مضمون میں اس بحث عصمت انبیاء کی سخت ضرورت ہے۔ لہٰذا اس بحث کو ہم یہاں پوری کرینگے تو گویا ایک بڑی جزء مضمون اثبات نبوت سے فارغ ہوجائینگے وباللہ التوفیق۔

اس مسئلہ کی تحقیق و تفصیل پرانی اسلامی کتب عقائد و کلام (فقہ اکبر امام الاعظم حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ۔ شرح مواقف و شرح مقاصد و کتب تفاسیر (تفسیر کبیر وغیرہ) میں بخوبی ہو چکی ہے۔ اسمقام میں ہم اُن ہی کتابوں کا خلاصہ مطالب بیان کرنا کافی سمجھتے ہیں تاکہ ناظرین کشف الحقائق کو جو تحریرات مسٹر اکبر مسیح کو دیکھ کر

دہوکا کھا چکے ہیں معلوم ہو کہ اس مسئلہ میں جو صاحب اشاعت السنۃ کا خیال [illegible]
ہے وہ قدیم اہل اسلام کا خیال ہے۔ اور اس بات میں رد مقالات عیسائیوں کے لئے صاحب
اشاعت السنۃ کو از خود کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو کچھ عیسائیوں وغیرہ مخالفین نے
عصمت انبیاء کے برخلاف کہا ہے اوس کو اہل اسلام قدیم رد کر چکے ہیں۔

قبل از بیان اقوال موافقین و مخالفین و رد اقوال و دلائل مخالفین ایک تمہید
ضروری ہے جسمیں حقیقت و معنے صحیح عصمت کا بیان ہو اور اہل تحقیق نکتہ رس پر اس سے
منکشف ہو کہ صحیح معنے عصمت کے وہی ہیں جو ہم اہل اسلام بیان کرتے ہیں نہ وہ جو عیسائی
گھڑتے اور حضرت مسیح کی نسبت اسکا ادعا کرتے ہیں۔

شرح مواقف میں ہے۔ کہ چھٹا مقصد کتاب حقیقت عصمت کے بیان میں ہے

المقصد السادس فی حقیقۃ العصمۃ و
ھی عندنا علی ما یقتضیہ اصلنا من استناد الاشیاء
کلھا الی الفاعل المختار ان لا یخلق
اللہ فیھم ذنبا وھی عند الحکماء بناء
علی ما ذھبوا الیہ من القول با
لایجاب واعتبار استعداد القوابل
ملکۃ تمنع الفجور وتحصل ھذہ الصفۃ
ابتداء بالعلم بمثالب المعاصی ومناقب
الطاعات فانہ الزاجر عن المعصیۃ و
الداعی الی الطاعۃ وتتاکد ویترسخ
ھذہ الصفۃ بتتابع الوحی الیھم
بالاوامر الداعیۃ الی ما ینبغی والنواھی

وہ ہم اہل اسلام کے نزدیک جو تمام چیزوں کے فاعل بالاختیار
کے سے سرزد ہونیکے قایل ہیں یہ ہے کہ خدا تعالے انمیں گناہ
پیدا نہ کرے یعنے سرزد نہونے دے۔ اور حکماء و فلاسفہ
کے نزدیک جو اشیاء کا فاعل سے
سرزد ہونا بسبب استعداد و تقاضا
محل ضروری غیر اختیاری سمجھتے
ہیں عصمت کی حقیقت یہ ہے۔
کہ معصوم میں ایک قدرتی طاقت
ہوتی ہے۔ جو نافرمانی سے روکتی
ہے یہ صفت ابتدا میں تو گناہ کی برائی اور
فرمانبرداری کی تعریف سنکر ایک حالت سی
ہوتی ہے مگر وہ وحی کی (جو امر ونہی لاتی ہے)

[illegible] رد الاعتراض على ما
يصدر عنهم من الصغائر سهوًا او عمدًا
عند من يجوز تعمدها ومن ترك الاولى
والافضل فان الصفات النفسانية
تكون في ابتداء حصولها احوالا اى
غير راسخة ثم تصير ملكات اى راسخة
في محلها بالتدريج وقال قوم العصمة
تكون خاصية في نفس الشخص او في بدنه
يمتنع بسببها صدور الذنب عنه وبكذبهم
اى هذا القول انه لو كان صدور الذنب
كذلك اى ممتنعًا لما استحق المدح بذلك
اى بترك الذنب اذ لا مدح ولا ثواب
بترك ما هو ممتنع لانه ليس مقدورًا داخلا
تحت الاختيار۔

وايضًا فالاجماع منعقد على انهم
اى الانبياء مكلفون بترك الذنوب
مثابون بالطاعة ولو كان الذنب
ممتنعًا لما كان الامر كذلك اذ لا تكليف
بترك الممتنع ولا ثواب عليه

وايضًا قوله انما انا بشر مثلكم
يوحى الي يدل على مماثلتهم لسائر

پے درپے آنے سے اور جو اُن حضرات سے
بھول چوک ہو جائے یا بقول بعض عمدًا
چھوٹے گناہ سرزد ہوں یا امور افضل و اولیٰ
ترک ہو جائیں ان پر اعتراض وارد ہونے
سے پختہ و مستحکم طاقت ہو جاتی ہے۔

ایک قوم (یعنی حکماء) حقیقت عصمت
یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ کسی شخص کی ذات
یا بدن میں ایک ایسی طاقت ہے جسکی وجہ
سے وہ گناہ پر قادر ہی نہیں ہوتا۔ اور صدور
گناہ اس سے محال و ناممکن ہوتا ہے جیسے
ہیجڑے یا مخنث کا ہم بستری عورت پر قادر
نہ ہونا۔ اس قول کو یہ امر جھٹلا رہا ہے کہ اگر
معصوم سے گناہ کا سرزد ہونا محال ہوتا
اور وہ اس پر قادر ہی نہ ہوتا تو وہ گناہ کو ترک
کرنے کے سبب تعریف کا مستحق نہ ہوتا۔ کیونکہ
جو امر کسی کی قدرت میں داخل نہیں ہوتا اسکا
ترک کرنا اسکے لئے موجب تعریف نہیں ہوتا
حالانکہ انبیاء علیہم السلام باتفاق اہل ملل
ترک گناہ پر مستحق تعریف و اجر ہیں اور اس امر
سے وہ مامور و مکلف ہیں اور نیز یہ قول خداوندی
کہ اے رسول تو کہدے کہ میں تمہاری مثل بشر ہوں

الناس فیما یرجع الی البشریة والامتیاز بالوحی لا غیر فلا یمتنع صدور الذنب عن سائر البشر ۔ (شرح مواقف ص ۶۹۵ مطبع لکھنو)

فرق صرف یہ ہے کہ میری طرف ... کہ انبیاء بشری امور غلط و نسیان وغیرہ میں ... مانتے ہیں۔ انکو امتیاز صرف وحی الہی کر ہے ناموس بشری میں لہذا کسی بشر سے گناہ سرزد ہونا محال نہیں ہے۔

اور شرح فقہ اکبر میں ہے لوگوں نے حقیقت عصمت کے بیان میں اختلاف کیا ہے بعض لوگوں (حکماء وغیرہ گمراہ مراد ہیں) کا قول ہے کہ وہ محض فضل خدا وندی ہے جس میں

اختلف الناس فی کیفیة العصمة فقال بعضهم هی محض فضل الله تعالٰی بحیث لا اختیار للعبد فیه وذلک اما بخلقهم علی طبع یخالف غیرهم بحیث لا یمیلون الی المعصیة ولا ینفرون عن الطاعة کطبع الملائکة او بصرف همتهم عن السیئات وجذبهم الی الطاعات جبرا من الله بعد ان اودع فی طبائعهم ما فی طبائع البشر وقال بعضهم العصمة فضل من الله ولطفه ولکن علی وجه یبقی اختیارهم بعد العصمة فی الاقدام علی الطاعة والامتناع عن المعصیة ۔ والیه مال الشیخ ابو المنصور الماتریدی حیث قال العصمة لا تزیل

بندہ کا کچھ دخل و اختیار نہیں ہے۔ اون کے نزدیک اوسکی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ خدا نے انکی طبیعت ہی عام لوگوں کے برخلاف ایسی بنائی ہے کہ وہ گناہ کی طرف رغبت اور طاعت سے نفرت ہی نہیں کرتے جیسے ملائکہ کی طبیعت ہی (دوسری صورت) یہ ہے کہ انکی طبیعت تو عام لوگوں کی طرح گناہ کی طرف میلان کرتی ہے۔ مگر خدا تعالے انکو جبرا بغیر انکے اختیار کے گناہ سے روک لیتا ہے۔ ایک قوم (اہلسنت مسلمان) کہتے ہیں کہ عصمت بیشک خدا کا فضل و لطف ہے مگر نہ مجبور کرکے۔ بلکہ ایسے طور پر کہ بعد اوس فضل و لطف کے بندوں کا اختیار بھی ہے کہ وہ اپنے ارادہ و مرضی سے طاعت کی طرف متوجہ ہوئے اور گناہ سے رک جائیں۔ اسی قول کی طرف

[illegible] الابتلاء والامتحان [illegible] لا تجبره على الطاعة ولا تعجزه عن المعصية بل هي لطف من الله يحمله على فعل الخير ويزجره عن الشر مع بقاء الاختيار (شرح فقہ اکبر ص۲۲ طبع دہلی)

شیخ ابو المنصور ماتریدی مائل ہوئے ہیں جنانچہ وہ فرماگئے ہیں کہ عصمت امتحان و آزمائش کو دور نہیں کرتی نیز وہ طاعت پر مجبور اور گناہ سے عاجز نہیں کرتی بلکہ وہ ایسا لطف و فضل خداوندی ہے کہ وہ خیر کی رغبت اور برائی سے نفرت دلاتا ہے۔ باوجودیکہ انکا اختیار باقی رہتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کتاب حجۃ اللہ البالغہ* میں فرماتے ہیں۔ عصمت کے

والعصمة لها اسباب ثلثة ان يخلق الانسان نقيا عن الشهوات الرذيلة سيما لاسيما فيما يرجع الى محافظت الحدود الشرعية وان يوحى اليه حسن الحسن وقبح القبيح ومآل هما وان يحول الله بينه وبينما يريد من الشهوات الرذيلة (حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۸۷)

تین ذریعہ و وسیلہ ہیں (یعنے جن تینوں سے کسی ایک سے عصمت حاصل ہوتی ہے) ایک یہ کہ انکی فطرت ہی رذیل خواہشوں سے صاف رکھی ہو کوئی اسکو خواہش پیدا ہو تو وہ حوصلہ کرے اور سنبھل جائے خاصکر ان امور میں جو محافظت حدود شرعیہ کے متعلق ہو۔ دوسری وحی الٰہی جس سے اُسکو حسن و قبح معلوم ہو تیسری توفیق الٰہی و فضل غیبی جو بُری خواہشوں میں جو بمقتضائے بشریت پیدا ہوں آڑ ہو جاوے

اس بیان حقیقت عصمت کو جو عقل سلیم اور قرآن کریم سے مستند ہے۔ اہل اسلام تو مان لینگے اور اس سے وہ یہ سمجھ جائیں گے۔ کہ نبیوں کے معصوم ہونے کے صحیح معنے یہی ہیں کہ وہ خدا کی تائید غیبی سے اور اس فضل وہبی کی مدد سے (جسکو وحی کہا جاتا ہے) دیدہ دانستہ گناہ کے مرتکب نہیں ہوتے تھے۔ اور اگر اون کے دل میں گناہ کا خیال یا خطرہ وارد ہوتا تھا۔ تو وہ خدا کے فضل اور وحی کی مدد سے اس خطرہ کو دور کرکے اس گناہ

* یہ ایک نادر کتاب ہے۔ مسائل پر خوب عقلی بحث کی ہے۔ اسکا مکمل اردو ترجمہ مطبع ... میں طبع ہو رہا ہے جو پانچسو صفحہ کلاں سے زیادہ ہوگا۔ قیمت ۴ درخواستیں مہتمم مطبع کے پاس بھیجی جائیں۔

سے رُک جاتے تھے۔ اور یہہ خطور خیال گناہ اون کی عصمت [illegible] واقعہ ہونا اور اُن حضرات کا اوسکو مٹا دینا عین موید و محقق معنے عصمت [illegible] اون سے بتقاضائے بشریت بھول چوک ہوجاتی تھی تو وہ اُسپر فوراً آگاہ کئے جاتے تھے۔ [illegible] بھول پر نہ خود قایم رہتے تھے اور نہ اُن کے پیرو اوس بھول میں اُنکی پیروی کرتے تھے۔ اور جو مخلوق اس قسم کا دل یا بناوٹ و طبیعت رکھتے ہیں کہ گناہ کا اُسمیں خطور رہی نہ ہو اور طاعت انکے لئے ایک فطرتی و قدرتی و غیر اختیاری امر ہو جیسے ملائکہ وہ اس اصطلاح علمار کے رو سے معصوم کہلانے کے مستحق نہیں۔ گو عرف عام میں اُن کو اُن کی ظاہری و غیر اختیاری فرمانبرداری کی نظر سے جو فرمانبرداری نبی معصوم کی صورت میں مشابہ ہے معصوم کہا جاتا ہے۔

عیسائی بھی عقل و انصاف سے کچھ کام لیں اور اپنے اصول مسلمہ کیطرف فہم و انصاف سے رجوع کریں۔ تو اُنکو بھی یہہ حقیقت و معنے عصمت ماننے پڑیں۔

تثلیثی عیسائیوں کے یہہ اصول مسلمہ* ہیں کہ حضرت عیسٰی مسیح باوجود خدا ہونے کے ایک انسان تھے۔ اور تمام انسانوں کی مانند لوازم بشریت دکھانا۔ پینا۔ سونا۔ تھکنا۔ بول براز کرنا۔ عاجز ہونا۔ دماغی اور ذہنی قوے و طاقتوں میں اور انسانوں کی طرح اکتساب و ترقی کرنا وغیرہ انمیں موجود تھے۔ اور ان لوازم بشریت کا یہہ لازمہ ہے کہ حضرت مسیح سے بھی عمد و خطا ممکن تھا۔ اور اُنکے دل و دماغ میں برائی کا خطور ہوتا ہوگا۔ جسکو اُنہوں نے محض فضل خدا سے رفع کیا۔ اور اگر اُنکے دل و دماغ کی بناوٹ ہی ایسی تھی جسمیں برائی کا خطور ممکن نہ تھا (جیسے ملائکہ کا حال ہے) تو پھر کیوں اُنکو انسانی لوازم کا محل تسلیم کیا جاتا ہے۔

---

* عیسائیوں کا قول ہے کہ مسیح ہماری مثل چھوٹے سے بڑا ہوا۔ اُسنے قوائے ذہنی و جسمانی میں مثل ہماری ترقی کی جو ہماری مثل سوتا تھا۔ کھاتا تھا۔ تھکتا تھا۔ وہ قوائے دماغی اور بدنی کے لحاظ سے نوع انسانی سے الگ نہ تھا (عیسائیوں کا رسالہ کشف نمبر (۹) جلد (۲) صفحہ ۱۳۱)

[illegible] مسیح وغیرہ توصاف مان چکے ہیں کہ مسیح میں عصیان [illegible] امکان کی نظر سے صدور خطا و نسیان حضرت مسیح سے بلحاظ ان کی [illegible] جائز ہوا۔ بجز فضل الٰہی اور روح کی مدد و برکت سے اس سے بچ جانا اور در صورت صدور خطا اسکا تدارک (متنبہ کیا جانا) عمل میں آنا ضرور تھا۔ اور یہی حقیقت عصمت ہے جس کی نظر سے جملہ انبیا معصوم تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اور یہی معنے عصمت کے ہم اپنی تحریرات میں (کشف نمبر ۷ جلد ۲ صفحہ ۶۰) اپنی مشتہر ہوئی ہیں بیان کرچکے ہیں۔

عیسائی (تثلیثی خواہ توحیدی) جو اس امر ممکن کے مسیح سے نفی کرتے ہیں۔ اور یہ دعوے کرتے ہیں کہ حضرت مسیح سے کوئی خطا سرزد نہیں ہوئی۔ تو وہ باوجودیکہ اس نفی و دعوے میں اپنے اصول و اقوال مسلمہ مذکورہ بالا کا خلاف کرتے ہیں۔ اس دعوے کو کسی دلیل سے ثابت نہیں کرتے۔ اور کوئی دلیل نقلی (قرآن یا انجیل سے) یا عقلی ایسی پیش نہیں کرتے جسکو اہل عقل تسلیم کریں۔ تثلیثی عیسائی تو صرف ایک یہ وہمی و خیالی دلیل پیش کرتے ہیں* کہ مسیح میں جو انسانیت کے علاوہ الوہیت تھی وہ اسکی انسانیت کی خطا سے

بچ امکان گناہ و نافرمانی کا ہر دو (مسیح و آدم) کیلئے ممکن تھا۔ فعل مختار ہر دو تھے۔ دو نو معصوم رہ سکتے تھے۔ دونو عاصی ہو سکتے تھے۔ مگر ایک نافرمان ہوگیا دوسرا نہیں ایک کو اللہ نے قربت سے دور کیا۔ اور کہا اِهْبِطَا مِنْهَا۔ ایک کو اپنے تقرب میں لے لیا۔ اور کہا رَافِعُكَ إِلَيَّ۔ (خط مسٹر اکبر مسیح مرقومہ، جنوری ۱۸۹۶ء مندرجہ نمبر ۲ ج ۲ صفحہ ۸۵ کشف) اس اقتباس میں مسٹر اکبر مسیح نے حضرت آدم پر ظلم کیا۔ انکی حالت مابعد کا جسکا آیت ثم اجتباہ (ربہ فتاب علیہ وھدے) میں ذکر ہے لحاظ کرکے اوس کی نقل کرنے سے اغماض کیا۔

* ایک عیسائی [illegible] کرتا ہے کہ دل پر گناہ محسوس نہیں ہوا۔ اوسکے دل میں گناہ کا جذبہ ورثہ نہ تھا۔ پس مسیح کے دماغ اور مسیح کے دل میں کونسی چیز تھی جس نے اسکی انسانیت کو گناہوں سے پاک رکھا۔ کیا اسکی عقل نے؟ نہیں۔ کیا اوسکی خاندانی تعلیم اور تربیت نے؟ نہیں۔ کیا فیض الٰہی نے؟ نہیں کیا۔ اسکی بقیہ مشمولہ صفحہ ۱۱

محافظ ہوئی - اون کے اس خیالی دلیل پر ایک یہ سخت
ہوتا ہے - ثبت العرش ثم النقش پہلے چھت بنا و پھر اوس پر نقش نگار
یعنے پہلے حضرت مسیح کا جو بقول تمہارے کھاتا - پیتا - بول و براز کرتا تھا - خدا ہونا ثابت
پھر اوس کی خدائی کے محافظ خطا ہونے کا دعوے کرو - اور یہ امر نہ آجتک صدہا برس سے ہوا
اور نہ آئندہ ہوگا - اہل اسلام کو نہ سہی اپنے عیسائی بھائیوں یونی ٹیرین (توحیدی عیسائیوں)
مسٹر الکس - مسیح وغیرہ کو ہی مسیح کا خدا ہونا سمجھا دو - اور مسٹر البر - مسیح کے رسالہ تنقیح الوہیت
مسیح وغیرہ کا جواب لکھو - پھر اس خیالی دلیل کو کسی مسلمان کے سامنے پیش کرو -

دوسرا اعتراض یہ کہ وہ فرضی خدائی مسیح کی ایک وصف انسانی خطا سے
اوس کی محافظ ہوئی - ہائے اوصاف انسانی کھانے پینے دشمن کے ہاتھ میں پکڑے جانے و
بقول نصاریٰ صلیب پر مارے جانے سے جسکو وہ دل سے نہ چاہتا تھا اور ایلی ایلی لما سبقتنی
پکارتا ہوا مارا گیا، محافظ کیوں نہ ہوئے تاکہ وہ بلا مزاحمت و اشتباہ خدا تسلیم کیا جاتا -

اسکے جواب میں اگر کہو کہ کھانا - پینا - وغیرہ صفات انسانی کمال ہیں - نہ عیب اور صلیب
پر مسیح کا مارا جانا تو عین حکمت اور عدل و رحمت خداوندی کی مقتضیٰ بخلاف خطاء انسانی کہ
وہ عیب موجب مذمت ہے - لہذا اس خطا سے مسیح کی محافظت ضروری تھی - نہ کھانے پینے یا
صلیب پر مارے جانے سے تو اوس پر دو سخت اعتراض وارد ہوتے ہیں -

بقیہ حاشیہ صفحہ (۱۰) انسانیت میں الوہیت نے حلول کیا تھا - ؟ نہیں اسکی انسانیت کی سطح کے نیچے اسکی الوہیت
تھی جس سے وہ گناہوں سے پاک رہا (عیسائیوں کا رسالہ کشف نمبر ۹ جلد ۲ صفحہ ۱۳۱) یہاں مؤلف کشف پر یہ امر منکشف
نہوا کہ جس حلول اوس سے پہلے فقرہ سابق میں اُنہوں نے نفی کی تھی - فقرہ لاحق اور آخری میں اسیکا اثبات کر دیا ہے فرق
تو صرف یہ ہے کہ پہلے حلول نفی میں حلول سریانی مراد رکھا ہوگا - جیسا کہ گلاب کے پھول میں رنگ حلول ہوتا ہے دوسری حلول
مثبت میں حلول طریانی جیسا کہ نیچے والی چیز اوپر والی کے سطح میں ہوتا ہے - اور خدا تعالیٰ کی نسبت جیسا حلول سریانی
محال ہے ویسا ہی طریانی محال - الحق یہ لوگ معقولات میں دخل تو دیتے ہیں مگر حقیقتاً دخل نہیں رکھتے .

... انسان بغیر کھانے پینے کے جیئے اور نشو و نما پائے تو زیادہ ...
... مطالب معجز کہلاوے* ۔

دوم ۔ خطا تو ایسا عیب ہے کہ اگر اُسپر قیام و اصرار نہ ہو ۔ اور اوس سے توبہ و رجوع عمل میں آوے تو قابل معافی ہے ۔ اور اُسپر کوئی مواخذہ و ملامت نہیں ۔ اور گناہ ہونے سزا پانا تو سخت عیب ہے ۔ جو گناہوں کا عطر اور پھل و نتیجہ ہے خصوصاً وہ سزا جو اصل گنہگار کو چھوڑ کر بجائے اُسکے کسی ناکردہ گناہ کو ملجائے اسمیں حکمت اور عدل و رحمت کی جمعیت متصور نہیں بلکہ سفاہت ہے ۔ اور عدل و رحمت دونوں کی مخالفت ہے عدل کی مخالفت تو اسلئے ہے کہ اصل گنہگار بلا انتقام و سزا چھوڑا گیا ۔ رحمت کی مخالفت اسلئے ہے کہ گنہگار کے بدلے ایک بے گناہ و بلا جرم پکڑا گیا ۔ اور وہ مقولہ صادق آیا کہ "کرے مونچھوں والا پکڑا جائے ڈاہڑی والا" اس اجمال کی تفصیل دیکھنی ہو تو ہمارا مضمون قرآن کی اخلاقی تعلیم بمقابلہ انجیل اشاعۃ السنۃ نمبر ۱ جلد ۶ میں ملاحظہ کرو ۔ اور حضرت مسیح کا گنہگاروں کے بدلے سزا بھگتنا تو اس ناانصافی و بے رحمی و سختی سے بیان ہوا ہے ۔ کہ وہ اُنکی شان نبوت و عصمت کے برخلاف ہے ۔ چہ جائے الوہیت بس کمال تعجب ہے ۔ کہ آپکی الوہیت ایسی بری سزا سے انکی محافظ نہ بنی اور صرف ایسے خطا سے جسکی کوئی سزا نہ ہو محافظ ہونے کو دوڑی اور اس مثل عربی کی مصداق ٹھیری فرمن المطر وقام تحت المیزاب توحیدی عیسائی مسٹر ابسر مسیح وغیرہ مسیح کو خدا نہیں کہتے صرف انسان مانتے ہیں ۔ اسلئے وہ اس خیالی دلیل عیسائیوں سے ہاتھ نہیں مار سکے ۔ بلکہ بجائے کسی دلیل پیش کرنے کے وہ صرف دعاوی خمسہ مفصلہ ذیل کے مدعی اور اُسپر مکتفی ہوئے ہیں ۔

اوّل عصمت انسان کا فطرتی خاصہ ہے جسکے واسطے انسان بنایا گیا ہے ۔ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (سورۃ تین) دوم ۔ یہ عصمت انسان کا

* جیسے اہل اسلام کے نزدیک حضرت عزیر کا سو برس زندہ رہنا اور اصحاب کہف کا تین سو برس ۔

کمال نوعی ہے ان اللہ اراد بہ ان یصیر خلیفۃ فی الارض ... النوعی۔ (تاویل الاحادیث شاہ ولی اللہ صاحب) **سوم** - یہ کمال نوعی اول حضرت آدم کو ان کی ابتدائی حالت میں حاصل ہوا۔ تو خدا تعالے نے اونکو اپنا خلیفہ بنایا - اور فرشتوں کو اوسکی طرف سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَہ - فاذا سوّیتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ ساجدین - اسوقت تک آدم سے خطا و نسیان کا مرتکب نہوا تھا۔ **چہارم** - ایکے بعد نافرمان ہوا تو وہ کمال نوعی اس سے چھینا گیا۔ پھر اوسکی نسل کے تمام انبیاء میں مفقود و مسلوب چلا آیا - **پنجم** آخر وہ کمال نوعی حضرت مسیح کو دیا گیا جو آدم ثانی تھا - اور وہ اس کمال نوعی پر پہنچنے کے لئے پیدا کیا گیا تھا -

یہ مسٹر اکبر مسیح کی اس کلام کا خلاصہ معہ تشریح ہے جو خط ۷ - جنوری ۱۸۹۶ء میں اونہوں نے کہا ہے - اور وہ کشف نمبر ۶ جلد ۲ کے صفحہ ۸۶ - ۸۷ میں مشتہر ہوا ہے - اور اس پہلے خط ۲۸ - نومبر ۱۸۹۵ء میں (جو کشف نمبر ۵ جلد ۲ کے صفحہ ۲۷ میں درج ہوا ہے) انہوں نے مسیح کی عصمت کی یہ غلط اور خود تجویزی معنے بیان کئے ہیں - کہ ان سے نہ خطا ہوئی نہ نسیان نہ وہ کسی ذنب کے مرتکب ہوئے نہ زلل اون کی ہر ایک لغزش سے وہ پاک تھے -

ان دعاوی خمسہ میں سے دعوے اول لغایت سوم میں جنہیں وہ قرآن اور قرآن والوں کے اقوال سے مقتبس و متمسک ہوئے ہیں - اسی قرآن کی برکات سے ثابت قدم ہے - اور ٹھیک ہوئے - مگر دعوے چہارم و پنجم میں جو عیسائیت پر مبنی وہ اس سے ماخوذ تھی وہ اسی عیسائیت کی تاثیر سے لغزش کھا گئے - وہ دعوے چہارم و پنجم کے وقت اس امر کو بھول گئے - کہ وہ حضرت آدم کے لئے اس کمال نوعی کا حصول تسلیم کرکے ان کو خلیفہ بنا چکے اور اسپر قرآن کی آیت اور شاہ ولی اللہ صاحب کا قول سند لا چکے ہیں پھر اسکے برخلاف کیونکر کہہ سکتے ہیں - کہ جس کمال نوعی پر پہنچنے کے لئے انسان پیدا کیا گیا تھا

[illegible] رت مسیح پہنچا۔ اور یہ بات بھی وہ بھول گئے کہ اس کمال نوعی تک حضرت آدم کا پہنچ جانا اور اسوجہ سے خلیفہ و مسجود ملائکہ ہو جانا وہ مان چکے ہیں۔ اور صرف شجرہ ممنوعہ سے کھا لینے کے سبب اس کمال نوعی کا اُن سے چھینا جانا۔ اور منصب خلافت و پیغمبری سے اُنکا اتارا جانا نہ بیبل میں مذکور ہے نہ قرآن میں مسطور۔ پھر وہ کس سند و دلیل سے دعوے پیش کرتے ہیں کہ اس خطا کے سبب جو اُنسے ہوئے وہ کمال نوعی اُن سے چھینا گیا۔ اور ان کی اسامی پر اُن کی تمام اولاد سے آخر مسیح تک آپ (بھرتی) ہوا۔

یہ بات بھی وہ خیال میں نہیں لاسکے کہ شجرہ ممنوعہ سے کھا لینا اُنکے نزدیک ایسا ہی گناہ کبیرہ و جرم سنگین ناقابل معافی و نالائق ضمانت و شفاعت ہے کہ اوس کے سبب وہ کمال نوعی آدم اور اوسکے تمام ذریات سے نسلاً بعد نسل و بطناً بعد بطن سلوب چلا آیا۔ اور اوسکا اثر نسل آدم میں موروث ہوگیا۔ کوئی بھی نسل آدم سے اسکے اثر بد سے بچ نہ سکا تو پھر حضرت مسیح جو بقول مسٹر اکبر مسیح صرف ابن آدم تھے نہ خدا اوس بلائی ورثہ اور جرم موروث کے اثر جو جد امجد حضرت مسیح یعنے حضرت داؤد تک متوارث چلا آیا تھا کیونکر بچ گئے۔ اور خطاءِ آدم[1] مخطاءت ذریت کے احاطہ میں کیوں شامل نہوئے

آن اعتراضات و مواخذہ کے جواب میں شاید مسٹر اکبر مسیح یہ کہیں کہ حضرت آدم اور اُنکے ذریات نے اس کمال نوعی سے معزول و محروم و صرف حضرت مسیح کو وارث ہونیکا سِرّ عقلی اور علم فلسفی ہم نہیں جانتے اور نہ بتا سکتے ہیں۔ ہم صرف نقلی شہادت قرآن اور انجیل سے یہ دعوے کرتے اور اعتقاد رکھتے ہیں۔ چنانچہ آیات قرآن و احادیث جو مضمون ناطق ہیں ہم اپنے خط ۷ جنوری ۱۸۹۶ء میں نقل کر چکے ہیں اور آیات انجیل پیش کرنے کو حاضر دیتا رہیں۔ تو اوسکا جواب یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں تو آپ کے اعتقاد کا نام و نشان نہیں۔ انکا ایک لفظ ایک حرف اسپر شاہد و ناطق نہیں۔ چنانچہ آپ کو اور ناظرین کو عنقریب ہماری ابحاث آئندہ سے روز روشن کی طرح معلوم ہو جائیگا۔ رہی انجیل سو جب آپ اُسکو

[1] یہ حدیث نبوی ہے جسپر انجیل بھی شاہد ہے دیکھو صفحہ ۲۹ و صفحہ ۲۳۲

پیش کرینگے ۔ ہم اس میں نظر کرینگے ۔ اور دیکھینگے کہ وہ آپ کے [illegible]
جہاں تک ہمنے خود انجیل میں بھی اور پڑہی ہے اوس میں یہی پایا کہ انجیلی مسیح کی زندگی
ہوئی ۔ اس کی تعلیم خطاؤں سے پُرہے اوس کے معجزات خطاؤں کا مجمع ہیں ۔ وبعد اقرار ہم
ہم اہل اسلام کی نگاہوں میں معصوم ہیں ۔ اور اس تعظیم و تکریم سے دیکھے جاتے ہیں جس
تعظیم سے دوسرے انبیاء ' لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۔ یہہ بات بھی ناظرین
ہماری ابحاث آیندہ سے واضح ہوگی انشاء اللہ تعالےٰ ۔

بالجملہ حقیقت و معنے عصمت کے بیان میں اور مسیح کے لئے اُسکے اثبات اور دوسرے انبیاء سے اوسکی نفی کرنے میں جو کچھ عیسائیوں نے کہا ہے وہ دعاوی فارغہ و خیالات عاطلہ ہیں جو خود اون کے اصول و مسلمات اتفاقیہ کے برخلاف ہیں ۔ اور حق لایق تلقی بالقبول یہی ہے جو اہل اسلام نے اختیار کر رکھا ہے ۔ اور وہ اوپر بیان ہوا ہے ۔

تمہید ختم ہوئی اب ہم اس عصمت کے متعلق خیالات و مقالات اہل اسلام و مخالفین اسلام بیان کرتے ہیں ۔ و از انجملہ قول حق کی تائید و احقاق و قول باطل کی تزئیف و ابطال عمل میں لاتے ہیں ۔

اختلف الناس فی عصمة الانبیاء علیہم السلام وضبط الاقوال فیہ ان یقال الاختلاف فی ھذا الباب یرجع الی اقسام اربعة احدھا ما یقع فی باب الاعتقاد وثانیھا ما یقع فی باب التبلیغ وثالثھا فی باب الاحکام والفتیا و

تفسیر کبیر میں ہے ۔ لوگونکا مسئلہ عصمت انبیاء میں اختلاف ہے ۔ اس اختلاف میں ضبط اقوال یوں ہوسکتا ہے کہ اس اختلاف کا محل چار چیزیں ہیں ۔ ایک تو اعتقاد انبیاء کہ اُنمیں کفر یا شرک یا اور برائی آسکتی ہے یا نہیں دوم تبلیغ وحی کہ اُنمیں نبی غلطی یا عمداً تصرف کرسکتے ہیں یا نہیں سوم اپنی رائے سے کوئی حکم یا فتوے دینا کہ اُنمیں

* صفحہ (٢٣٢) نمبر (٨) جلد ہذا ملاحظہ ہو ۔

[illegible] ـسم وسیرتهم
[illegible] الكفر والضلال فان
ذلك غير جائز عند اكثر الامة و
قالت الفضلية من الخوارج انهم
قد وقعت منهم الذنوب والذنب
عندهم كفر وشرك فلاجرم قالوا
بوقوع الكفر منهم واجازت الامامية
عليهم اظهار الكفر على سبيل التقية
واما النوع الثاني وهو ما يتعلق
بالتبليغ فقد اجمعت الامة على كونهم
معصومين عن الكذب والتحريف
فيما يتعلق بالتبليغ والا لارتفع الوثوق
بالاداء واتفقوا على ان ذلك كما
لا يجوز وقوعه منهم عمداً لا يجوز
ايضاً سهواً - ومن الناس من جوز
ذلك قالوا لان الاحتراز عنه غير
ممكن - واما النوع الثالث وهو ما
يتعلق بالفتيا فاجمعوا على انه لا يجوز
خطاؤهم فيه على سبيل التعمد - واما
على سبيل السهو فجوزه بعضهم وابا
آخرون - واما النوع الرابع وهو

غلطی یا کمی زیادتی ہو سکتی ہے یا نہیں چہارم انبیاء کے افعال و خصائل ذاتی - قسم اول میں تو انبیاء باتفاق اکثر امت معصوم ہیں اُن کے نزدیک اُنکا مرتکب کفر و شرک ہونا جائز و ممکن نہیں ہے - صرف ایک طائفہ خوارج جو فضلیہ کہلاتے ہیں قائل ہیں کہ انبیاء سے گناہ سرزد ہوتے ہیں اور گناہ کو وہ کفر جانتے ہیں اس سے لازم آیا کہ وہ انبیاء سے کفر سرزد ہونے کے بھی مجوز ہیں - امامیہ (شیعہ) اس امر کو جائز رکھتے ہیں کہ وہ بطور تقیہ کفر کا صرف زبان سے اظہار کریں - قسم ثانی کی نسبت بھی یہ اتفاق ہے کہ نبی تبلیغ میں عمداً کذب و تحریف کرنے سے معصوم ہیں یہ نہ ہو تو انکی تبلیغ پر وثوق جاتا رہے - اسپر بھی اکثر کا اتفاق ہے کہ وہ سہواً بھی تبلیغ میں تبدیل و تصرف نہیں کرتے بعض لوگ قائل ہیں کہ سہواً تبدل و تغیر ہو جانا ممکن ہے - اور اس سے بچنا ناممکن ہے مگر اُن لوگوں کا اس سہو کی نسبت یہ بھی خیال و یقین ہے کہ انبیاء علیہم السلام اُس سہو پر قائم نہیں رہتے - اور جو ان سے کبھی بھی ہو جاتی ہے تو اُسپر فوراً آگاہ کئے جاتے ہیں - وبہذا انکی تبلیغ پر وثوق دور نہیں ہوتا - قسم سوم کی

الذي يقع في فعالهم فقد اختلفت
الامة فيه على خمسة اقوال احدها
قول من جوز عليهم الكبائر على جهة
العمد وهو قول الحشوية - والثاني
قول من لا يجوز عليهم الكبائر لكنه
يجوز عليهم الصغائر على جهة العمد
الا ما ينفر كالكذب والتطفيف وهذا
قول اكثر المعتزلة - القول الثالث
انه لا يجوز ان ياتوا بصغيرة ولا بكبيرة
على جهة العمد البتة بل على جهة
التاويل وهو قول الجبائي - القول
الرابع انه لا يقع منهم الذنب الا على
جهة السهو والنسيان لكنهم ماخوذون
بما يقع منهم على هذه الجهة وان
كان موضوعا عن امتهم لان معرفتهم
اقوى و دلائلهم اكثر وانهم يقدرون
على التحفظ ما لا يقدر عليه غيرهم - القول
الخامس انه لا يقع منهم الذنب لا الكبيرة
ولا الصغيرة لا على سبيل القصد و لا
على سبيل السهو ولا على سبيل التاويل
والخطاء وهو مذهب الرافضة و

نسبت یہی اتفاق ہو کہ وہ
غلطی نہیں کرتے سہواً غلطی ہو
ہے بعض قائل و مجوز ہیں بعض منکر ۔ مگر جو قائل
ہیں وہ ساتھ اسکے یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ
اس سہو و غلطی پر متنبہ کئے جاتے ہیں - اور وہ غلطی
حکم شرعی و دستور العمل نہیں بن جاتی) - اب رہا
قسم چہارم سو اُس میں پانچ قول ہیں - ایک قول ان
لوگوں کا جو نبیوں کا عمداً مرتکب گناہ کبیرہ (چہ جائے
صغیرہ) ہونا جائز رکھتے ہیں - یہ حشویہ کا قول ہے
(حشویہ وہ لوگ ہیں جو قرآن و حدیث کے ظاہری
الفاظ سے انکے فہم معانی اور فقاہت کو چھوڑ کر
ہاتھ مارتے ہیں - ایسے لوگ ان کے فضل سے صادق
و اہل علم اتباع ائمہ اربعہ و اصحاب صحاح ستہ میں کوئی
نہیں ہے) قول دوم اُن لوگوں کا قول ہے جو گناہ کبیرہ
(جسپر وعید یا شرعی سزا وارد ہو) کا صدور نبیوں سے
جائز نہیں رکھتے صرف صغیرہ کا عمداً صادر ہونا جائز
رکھتے ہیں - اسمیں بھی شرط ہے کہ وہ صغیرہ ایسا نہ ہو
جس سے خست ثابت ہو اور نفرت پیدا ہو جیسے
ایک دانہ تول میں کم دینا یا ایک لقمہ چرا لینا یہ قول اکثر
معتزلہ کا ہے - قول سوم یہ ہے کہ وہ گناہ کو گناہ سمجھ کر
نہ کبیرہ گناہ کرتے ہیں نہ صغیرہ - بلکہ اسمیں وہ تاویل کرتے ہیں -

...وقت العصمة
...الاول احدها قول من
ذهب الى انهم معصومون من
وقت مولدهم وهو قول الرافضة
وثانيها قول من ذهب الى انهم
معصومون وقت بلوغهم ولم
يجوزوا منهم ارتكاب الكفر و
الكبيرة قبل النبوة وهو قول كثير
من المعتزلة- وثالثها قول من
ذهب الى ان ذلك لا يجوز وقت
النبوة واما قبل النبوة فجائز وهو
قول اكثر اصحابنا وقول ابي الهذيل
وابي علي من المعتزلة والمختار عندنا
انه لم يصدر عنهم الذنب حال
النبوة البتة لا الكبيرة ولا
الصغيرة ويدل عليه وجوه
الى ان ذكرها وعدها الى السادس عشر
(تفسیر کبیر جلد اول صفحہ ۴۵۷ وغیرہ)

جس سے گناہ گناہ ثبت ہے۔ یہ قول جبائی زمخشری کا ہے۔ قول چہارم یہ ہے کہ اُن سے گناہ عمداً سرزد نہیں ہوتا۔ ہاں سہو و نسیان سے ہو جاتا اسپر بھی انکو مواخذہ ہوتا ہے۔ گو امت کیلئے اُسکی معافی ہے۔ کیونکہ انکو دین کی معرفت قوی اور اُنکے پاس دلائل بکثرت ہوتے ہیں جنکے سبب سے وہ خطا سے بچ سکتے ہیں۔ قول پنجم یہ کہ گناہ اُنسے سرزد ہی نہیں ہوتا۔ نہ کبیرہ اور نہ صغیرہ نہ قصداً و عمداً اور نہ سہواً اور نہ تاویل یا خطا سے۔ یہ رافضیوں کا مذہب ہے (یہی مذہب و اعتقاد مسٹر اکبر مسیح کا ہے۔ جو صرف مسیح کی نسبت اُنھوں نے ظاہر کیا ہے۔ اور باقی تینوں کی نسبت اس سے دریغ و ظلم روا رکھا ہے) لوگوں کا عصمت کے وقت میں بھی اختلاف ہے۔ اسمیں ایک قول جو رافضیوں کا قول ہے یہ ہے۔ کہ انبیاء تولد ہی کے وقت سے معصوم ہوتے ہیں۔ دوسرا یہ قول جو اکثر معتزلہ کا قول ہے کہ وہ عاقل بالغ ہونے کے وقت سے معصوم ہوتے ہیں اور نبوت سے پہلے بھی کفر اور گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہیں کرتے۔ قول سوم جو ہمارے اکثر اشعریہ لوگوں کا قول ہے۔ اور معتزلہ میں سے ابوہذیل و ابو علی کا قول ہے۔ کہ انبیاء نبوت کے وقت سے کفر و کبیرہ کے مرتکب نہیں ہوتے۔ قبل نبوت کے ہو سکتے ہیں۔

ہمارے نزدیک مذہب مختار یہ ہے۔ کہ نبوت کے وقت اُنسے گناہ [illegible]

صغیرہ وکبیرہ سرزد ہوتے ہیں۔ اِن سے دلایل شاہد ہیں۔ اِس سے مراد یہ ہے کہ وہ عمداً ارتکاب گناہ نہیں کرتے [illegible]

پھر امام نے اُن دلایل کو شمار کیا۔ اور اُنکا شمار اٹھارہ تک پہنچایا۔ پھر مذاہب مخالفین

کا جو انبیاء کو اقسام اربعہ (اعتقاد۔ تبلیغ۔ فتوے و افعال) میں گنہگار جانتے ہیں ذکر کیا

اور اُنکے دلایل کا جواب جو اپنے خیالات باطلہ پر وہ لاتے ہیں تفصیل سے جواب دیا۔

ہم اُن دلایل و جوابات کو اپنی ترتیب سے اور اپنے جوابات کے ضمن میں نقل

کریں گے انشاء اللہ تعالے

ذیل میں ہم تفسیر کبیر کی تائید اور اپنے بیان کی (جو بطور تفسیر ہمنے زیادہ کہا ہے) تصدیق

میں اور آئمہ اسلام و علماء اعلام کے اقوال نقل کرتے ہیں۔

واضح ہو کہ جو تفصیل مذاہب تفسیر کبیر میں بیان ہوئی ہے۔ ایسے ہی شرح مواقف میں

بیان ہوئی ہو۔ لہذا اسکی نقل و بیان سے تکرار و اعادہ مطالب متصور ہے۔ ذیل میں ہم وہ

اقوال علماء پیش کرتے ہیں جنمیں مزید بیان پایا جاتا ہے۔

حضرت امام الائمہ ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام

والانبیاء علیہم السلام کلھم معصومون عن الصغائر والکبائر والکفر والقبائح وقد کانت منھم زلات وخطیئات (فقہ اکبر)	سب کے سب کبیرہ و صغیرہ گناہوں و برائیوں سے پاک ہیں۔ اُنسے کچھ تقصیرات و لغزشیں وقوع میں آئی ہیں۔

اس کی شرح میں ملا علی قاری فرماتے ہیں۔ یہ ائی تقصیرات و لغزشیں اون کے

زلات ای تقصیرات وخطیئات ای عثرات بالنسبۃ الی ما لھم من علی المقامات وسنی الحالات ذکرہ القاضی ابو زید الدبوسی فی	عالی مقامات اور روشن حالات کی نظر سے تقصیرات و لغزشیں کہلاتی ہیں (یعنے اگر اون سے نیچے درجہ والوں سے وہ کام سرزد ہوں تو وہ تقصیرات و لغزشیں متصور نہ ہوں بلکہ مباحات اور بعضے

[illegible] افعال النبی صلی الله علیه وسلم عن قصد علی اربعة اقسام واجب ومستحب ومباح وزلة فاما ما کان یقع من غیر قصد کما یکون من النائم والمغمی وغیرهما فلا عبرة بها لانها غیر داخلة تحت خطاب ثم الزلة لا یخلو عن القرآن ببیان انها زلة واما من الفاعل نفسه کقول موسی حین قتل القبطی بوکزه هذا من عمل الشیطان واما من الله کما قال تعالی فی حق آدم علیه السلام وعصی آدم ربه فغوی مع انه قیل کانت زلته قبل نبوته لقوله تعالی ثم اجتباه ربه فتاب علیه وهدی واذا لم تخلو الزلة عن البیان لم یشکل علی احد انها غیر صالحة للاقتداء بها فتبقی العبرة للانواع الثلثة وقد ذکر شمس الائمة ایضا نحوه و

حسنا کہلاویں۔ قاضی ابوزید دبوسی نے اپنی کتاب اصول فقہ میں لکھا ہے۔ کہ افعال آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جو ارادہ سے سرزد ہوئے۔ چار قسم ہیں۔ ایک واجب العمل ہیں دوم مستحب۔ سوم مباح العمل۔ چہارم لغزش اور جو فعل بغیر ارادہ کے ہوئے ہیں جیسے سونیوالا کا فعل یا ارادہ ہے۔ بخلاف فعل (مثلاً کسی نے تیر مارا شکار کو لگ گیا کسی انسان کو) سو لائق لحاظ نہیں۔ کیونکہ انکے متعلق کوئی حکم و خطاب الٰہی وارد نہیں۔ پھر وہ لغزش اس سے خالی نہ ہوگی کہ اس امر کا بیان کہ وہ لغزش ہے دفعاً لائق اقتدا نہیں ہے اسکے ساتھ ہو یہ بیان یا تو خود فاعل لغزش سے ہوگا جیسے حضرت موسے نے (جبکہ انہوں نے قبطی کو مکا مارا اور اوس سے وہ مر گیا) اپنے اس فعل لغزش کی نسبت خود کہدیا تھا۔ کہ یہ شیطان کا کام ہے۔ اور یا وہ بیان خدا تعالے کی طرف سے ہو۔ جیسا کہ خدا تعالے نے فعل لغزش آدم کی نسبت فرما دیا کہ آدم سے عدول حکمی ہوئی اور وہ بھٹک گیا۔ اس فعل آدم کی نسبت یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ نبوت سے پہلے تھا۔ کیونکہ اس فعل کے بعد خدا تعالے نے انکو منصب اصطفا

في شرح العقائد ان الانبياء معصومون
عن الكذب خصوصاً فيما يتعلق
بامر الشرع وتبليغ الاحكام وارشاد
الامة - اما عمداً فبالاجماع واما
سهواً فعند الاكثرين وفي عصمتهم
عن سائر الذنوب تفصيل وهو
انهم معصومون عن الكفر قبل
الوحي وبعده بالاجماع وكذا
عن تعمد الكبائر عند الجمهور خلافاً
للحشوية واما سهواً فجوزه الاكثرون
واما الصغائر فيجوز عمداً عند
الجمهور خلافاً للجبائي واتباعه و
يجوز سهواً بالاتفاق الا ما يدل على
الخسة كسرقة لقمة والتطفيف
بحبة - لكن المحققين اشترطوا
ان ينبهوا عليه فينتهوا عنه
هذا كله بعد الوحي واما قبله
فلا دليل على امتناع صدور
الكبيرة خلافاً للمعتزلة ومنع
الشيعة صدور الصغيرة و
الكبيرة قبل الوحي وبعده لكنهم

رجن پینے ، کا عطا کرنا بیان [illegible]
جبکہ لغزش کا فعل بیان سے خالی نہ [illegible]
کسی پر یہ شبہ باقی نہیں رہتا کہ وہ فعل لائق
اقتدا نہیں ہے۔ اسصورت میں لائق اقتدا
وہی فعل پہلے فعل ہے۔ ایسا ہی شمس الائمہ
نے ذکر کیا ہے۔ اور شرح عقائد میں ہے۔ کہ
انبیاء جھوٹ سے اور خاصکر جو امر شرع اور تبلیغ
احکام اور ارشاد اُمت کے متعلق ہو حالت قصد
میں باتفاق کل معصوم ہیں۔ اور حالت سہو میں
باتفاق اکثر اور باقی گناہوں سے اُن کی عصمت
میں یہ تفصیل ہے کہ وہ کفر سے اور عمداً کبیرہ گناہ
کرنے سے قبل نبوت و بعدہا بالاتفاق معصوم ہوتے ہیں
اسمیں صرف حشویہ کو خلاف ہے۔ سب صغائر
سہو عمداً سرزد ہونے جمہور کے نزدیک جائز ہیں
اسمیں جبائی کو خلاف ہے۔ اور سہواً سرزد
ہونے اتفاق سے جائز ہیں مگر ایسے صغیرہ جنسے
خست ثابت ہو جیسے ایک لقمہ کی چوری یا ایک
دانہ کی کمی۔ لاکن محققین شرط کرتے ہیں۔ کہ اس
سہو پر وہ آگاہ کیئے جاویں تاکہ وہ آیندہ اس فعل
سے رُک جاویں۔ یہ سب اختلاف اقوال اُن
گناہوں کی نسبت بھی جو نبوت کے بعد سرزد ہوں

اظہار الکفر تقیۃ (اکبر منشی ؟ طبع دہلی)	اور جو گناہ قبل نبوت سرزد ہوں اون کے صدور کے محال ہونے پر کوئی دلیل نہیں۔

اسمیں معتزلہ کو خلاف ہے۔ اور شیعہ نبوت سے پہلے اور پیچھے دونو وقت صدور گناہ کو صغیرہ ہو خواہ کبیرہ تجویز نہیں کرتے لیکن وہ اس امر کو جائز رکھتے ہیں کہ وہ بطور تقیہ اظہار کفر کریں "

ان مذاہب مذکورہ بالا سے ہمارا مذہب مختار بتاسی و پیروی اپنے اسلاف اہل سنت وجماعت یہہ ہے کہ حضرت انبیاء علیہم السلام قدرتی و فطرتی طور پر مکارم اخلاق پر مخلوق و مجبول ہوتے ہیں۔ اور فطرۃً ہی رزائل و فواحش و قبائح سے بری ہوتے ہیں اگر وہ ایسے نہ ہوتے تو اس منصب رسالت سے کیونکر معزز و مامور کئے جاتے۔ اَللّٰہُ اعلم حیث یجعل رسالتہ ؎ کلاہ خسروی و بادشاہی ؛ بہر کل کے رسد حاشا وکلّا ؛ مگر نبوت سے پہلے انکا مکارم اخلاق کو عمل میں لانا یا بمقتضائے بشریت ہولے چوکے کسی فطرتی نیکی کا خلاف کرنا محل بحث و لائق لحاظ نہیں ہے۔ ان فطرتی بیوں سے وہ اصطلاحًا معصوم نہیں کہلا سکتے۔ اور نہ کسی غلطی یا برائی سے وہ شرعًا اثوم (گنہگار) کہلا سکتے ہیں۔ کیونکہ حقیقت عصمت میں (جو اوپر بصفوہ وغیرہ بیان ہوئی ہے) یہہ امر داخل ہے کہ وہ امر و نہی کی ہدایت و موافقت سے اور وحی الہی کی مدد و حمایت سے ہوتی ہے اور گناہ کی حقیقت بھی یہ مسلم کل[*] ہے۔ کہ وہ امر و نہی کے عمدًا خلاف کرنے کا نام ہے۔ اور جس حالت میں نبوت سے پہلے امر و نہی وحی کا وجود ہی نہیں ہوتا تو امر و نہی کی موافقت یا مخالفت یا وحی کی مدد و حمایت کیونکر متصور ہے۔ اور فطرتی و عادتی فعل میں کوئی شخص معصوم یا اثوم کیونکر کہلا سکتا ہے۔ وہ لوگ سخت غلطی کرتے ہیں جو افعال و عادات نبوت سے پہلے کی نظر سے انبیاء کو اصطلاحًا معصوم یا اثوم بتاتے ہیں ہاں خصائل و اخلاق بعد نبوت محل بحث و لائق لحاظ ہیں۔ سو انکی نظر سے بیشک دیکھا ریبا

[*] پولوس کا قول ہے جہاں شریعت نہیں وہاں گناہ نہیں (رومی باب ۴ آیت ۱۵)

حضرات انبیا معصوم ہیں ۔ نہ انکے اعتقاد میں کفر و شرک وغیرہ گمراہی باقی ہے
نہ تبلیغ وحی میں وہ عمداً التصرف یا خطا کرتے ہیں ۔ نہ فتوے وحکم میں وہ حکم الٰہی کا خلاف
کرتے ہیں نہ اپنے افعال وہ عمداً امر موجب گناہ ہوتے ہیں ۔ انسے کچھ خطا یا غلطی ہو جائے تو
وہ اُسپر فوراً آگاہ کئے جاتے ہیں ۔ اسی تفصیل کا وہ اجمال ہے جو خاکسار نے اپنے خط ۱۵
جنوری ۱۸۹۶ء میں لکھا ہے ۔ اور وہ کشف نمبر ۷ جلد ۲ میں بصفحہ ۱۰۶ مندرج ہوا ہے
میں انبیا و ملائکہ کو عام مسلمانوں کے اعتقاد کے موافق معصوم مانتا ہوں ۔ مگر اس معنے
کو جو آپ کی مراد ہے ۔ بلکہ ان معنے سے کہ وہ عمداً عصیان سے پاک رہتے ہیں ۔ اور تبلیغ
میں خطا نہیں کرتے ۔ اور اگر اُن سے کچھ خطا ہو جائے تو اُسپر وہ فوراً متنبہ کئے جاتے
ہیں ۔ اور اس میں متبوع غیر شیں بنائے جاتے"۔ جبکو مسٹر اکبر مسیح نے بخوبی نہیں سمجھا
اور ہمارے لفظ "انسے کچھ خطا" کو "ایسی کچھ خطا" قرار دیکر خطا کو متعلق تبلیغ کر دیا ۔ اور
تبلیغ متعلق خطا کو انبیا و ملائکہ دونوں سے شامل کیا ۔ اور پھر ہم پر اپنے خط ۲۹ ۔ فروری
۱۸۹۶ء مندرجہ کشف نمبر ۸ جلد ۲ صفحہ ۱۱۹ میں یہ اعتراض کر دیا ہے کہ کیا ملائکہ سے بھی
تبلیغ میں خطا ہوتی ہے ؟ اور کہا ہے کہ یہ امر اس بیان کے مخالف ہے ۔ جو تفسیر
عزیزی میں ہے کہ "جمہور علماء دین اجماع دارند بر آنکہ فرشتہ ہا از جمیع گناہان محفوظ
و معصوم اند" اور کہا ہے کہ جمیع گناہان میں تو کوئی تفریق عمدی و سہوی و تبلیغ
یا غیر تبلیغ کے نہیں ہو سکتی ۔ اور پھر بڑے فخرسے کہا ہے کہ اگر یہ ثابت ہو جائے
کہ فرشتگان بھی کسی نہ کسی خطا میں مبتلا ہوتے ہیں ۔ تو بھی میرا دعوٰے ثابت ہے
کہ حضرت مسیح کی عصمت اس معنے میں جسکا میں مدعی ہوں قرآن و حدیث سے ثابت
ہے ۔ اور اسمیں وہ بےمثل ہیں فرشتے بھی برابری نہیں کر سکتے"۔

مسٹر اکبر مسیح کا یہ اعتراض اس غلط فہمی یا غلط خوانی پر مبنی ہے کہ اُنہوں نے ہمارے
لفظ "انسے" کو "ایسی" پڑھا یا سمجھا ۔ اور خطا کو تبلیغ کے متعلق کر دیا ۔ اور پھر اس تبلیغ متعلق

[illegible] متعلق وانبیاء، دونو کے متعلق کردیا۔ اور غلطی در غلطی کا ارتکاب کیا۔

ہماری کلام مذکور کا (جو معنے عصمت کے متعلق منقول ہوا ہے) یہ مفہوم بلکہ منطوق ہے کہ انبیاء عمداً گناہ نہیں کرتے۔ اور تبلیغ وحی میں خطا نہیں کرتے۔ اور اون سے کچھ (یعنے انکے اقوال وافعال میں نہ تبلیغ وحی میں) خطا ہو جائے۔ تو وہ اُسپر فوراً آگاہ کئے جاتے ہیں۔ تاکہ لوگ اس خطا میں انکی پیروی نہ کریں۔ اسمیں نہ خطا کو متعلق تبلیغ کیا گیا ہے۔ اور نہ تبلیغ کو انبیاء اور ملائکہ دونوں سے متعلق کیا گیا ہے۔ بیشک ہم اس امر کے قائل ہیں کہ فرشتوں نے پیدائش وخلافت آدم کے باب میں جو کچھ جناب باری میں عرض کیا تھا۔ اسمیں اُن سے خطا ہوئی (جسکو ہم عنقریب قرآن سے ثابت کرینگے*) مگر اس امر کے قائل نہیں کہ اس قول کی وجہ سے فرشتہ گنہگار ہو گئے۔ یا وہ عرفاً معصوم کہلانیکے مستحق اور لایق نہ رہے۔ لہذا شاہ عبد العزیز کا قول یا کسی اور مسلمان کا اعتقاد در باب عصمت ملائکہ ہمارے قول واعتقاد کے مخالف نہیں مسٹر اکبر مسیح اسقدر موٹی اور کھُلی بات نہ سمجھ سکے کہ ہمکو صرف اُن کے تجویزی معنے عصمت کی تسلیم سے انکار ہے نہ حقیقت عصمت مسلمہ اہل اسلام سے اور نہ کسی نبی یا ملائکہ پر لفظ عصمت یا معصوم بولنے سے۔ پھر اُنہوں نے کیوں ناحق وبلا وجہ اس قسم کے اقوال جنمیں انبیاء یا ملائکہ کے حق میں لفظ عصمت بولا گیا ہے نقل کرکے اپنے اوقات کا خون کیا۔ اور ہمارے اوقات کا اون کی جواب نویسی سے خون کرایا۔

ہمنے دوبار خط مورخہ ۱۵۔ جنوری سنہ ۱۸۹۶ء مندرجہ کشف نمبر ۷ جلد ۲۔ و خط مورخہ ۲۹۔ جنوری سنہ ۱۸۹۶ء مندرجہ کشف نمبر ۸ جلد ۲۔ اون کو دوستانہ اور ملائمانہ طور سے سمجھایا۔ کہ آپ نے جو آیات واحادیث واقوال اہل سنت نقل کئے ہیں۔ وہ میرے عقیدہ کے موافق اور آپ دعوے کے موافق ومثبت نہیں آپ کو انکو واپس لے لیں اور اپنے

* مشغلہ نمبر (۵) جلد ہذا ملاحظہ ہو۔

دعوے کا کوئی ثبوت پیش کریں - مگر انہوں نے اوسکو عجز یا گریز پر محمول کیا - ناچار ہم کو انکی تفصیل جواب میں احمدی قلم اٹھانا پڑا - امید ہے ہمارے اس مضمون کو پڑھ کر وہ سمجھ جائینگے کہ انہوں نے جو کچھ ہمارے خطاب میں اور اپنے دعوے کے ثبوت میں لکھا تھا وہ سب کا سب غلط ہی نہیں بلکہ ناواقفی پر مبنی اور واپس لینے کے لائق تھا -

مسٹر اکبر مسیح کے رسائل تنقیح الوہیت مسیح وغیرہ ہمنے دیکھے تو وہ ہمکو پسند ہوئے اور ہمنے ان پر ان الفاظ سے ریویو کیا کہ "مسٹر اکبر مسیح نے انمیں لیاقت و قابلیت و تحقیق و حق پسندی کا کافی ثبوت دیا ہے" اسکے بعد جب ثبوت عصمت و تجویزی مسیح میں انہوں نے مورخہ ۷ - جنوری ۱۹۱۶ء مندرجہ کشف نمبر ۷ جلد ۲ میں اپنا اعتقادات و خیالات ظاہر کیا تو ہمکو یقین ہوا کہ انکا وہ جوش و خروش و طمطراق تثلیثی عیسائیوں ہی کے مقابلہ میں تھا - اور انکی فہم و لیاقت کا مبلغ و منتہی عیسائی مذہب ہی ہے - اسلام کے غوامض و دقائق تک انکو وصول نہیں ہے -

ہمارا مذہب مختار ناظرین کو معلوم ہوگیا تو اب ہم اس مذہب کے مخالف مذاہب کا ابطال کرتے ہیں اور ان کے دلائل کو نقل کرکے انکے جوابات قلم میں لاتے ہیں - اسی سے بحکم تتبین الاشیاء باضدادها مذہب مختار کا حق و لائق قبول ہونا ثابت ہو جائے گا ومعہذا اسکے ثبوت میں جداگانہ دلائل کو بھی پیش کیا جائیگا - وباللہ التوفیق

پس واضح ہو کہ جو لوگ حضرت انبیاء کا اعتقاد میں گنہگار و مرتکب کفر و شرک ہونا جائز رکھتے ہیں - وہ اپنے اس دعوے پر ایک دلیل وہ آیت قرآن پیش کرتے

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيفًا فَمَرَّتْ بِهِ فَلَمَّا أَثْقَلَتْ

ہیں جسمیں بیان ہے کہ خدا نے تمکو ایک جان سے پیدا کیا ہے پھر اوس کی جنس سے اسکا جوڑا بنایا جب وہ حاملہ ہوئی تو دونوں نے کہا ہم کو خدا نے چنگا بھلا بچہ عطا کیا تو ہم شکرگذار

دَعَوَا اللهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ آتَيْتَنَا صَالِحًا لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ فَلَمَّا آتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا آتَاهُمَا فَتَعَالَى اللهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ

ہونگے۔ اور جب اُنکو چنگا بھلا بچہ عطا کیا۔ تو اُنہوں نے شرک کیا۔ یعنے نام اُسکا عبد الحارث رکھا یعنے شیطان کا بندہ۔ کیونکہ حارث شیطان کا نام ہے۔)

اسکا جواب امام رازی نے تفسیر کبیر جلد اول کے صفحہ ۱۶۱۴ میں دیا ہے۔ کہ اس آیت کا حضرت آدم کے حق میں ہونا غیر مسلم ہے اور اس آیت میں کوئی دلیل اسپر پائی نہیں جاتی۔ کہ اس سے آدم علیہ السلام مراد ہیں۔ پھر جلد ۴ میں بصفحہ ۴۸۸ چھ دلائل اسکے برخلاف پیش کئے ہیں۔ اور اُنسے ثابت کر دیا ہے کہ یہ آیت حضرت آدم کے متعلق ہرگز نہیں ہوسکتی۔ پھر اس آیت کے تین معنے اور بیان کئے ہیں۔ از انجملہ ایک معنے یہ ہیں کہ اس آیت سے قریش آل قصی اور انکی اولاد مراد ہیں۔ ایک

والتاويل الثاني بان يكون الخطاب لقريش الذين كانوا في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وهم آل قصي۔ والمراد من قوله هو الذي خلقكم من نفس واحدة قصي و جعل من جنسها زوجها عربية قرشية ليسكن اليها فلما آتاهما ما طلبا من الولد الصالح السوي جعلا له شركاء فيما آتاهما حيث سميا اولادهما الاربعة عبد مناف وعبد العزى و

جان ہے جس سے قریش پیدا ہوئے۔ قصی مراد ہے۔ اور اسکے جوڑے سے جو اُسکی جنس قریش سے پیدا ہوا۔ اُسکی عورت مراد ہے اور اونکی اولاد صالحہ پیدا ہونے پر شرک کرنیسے یہ مراد ہے۔ کہ اُنہوں نے اپنی چاروں اولاد کے نام یہ رکھے۔ عبد مناف۔ عبد العزے۔ عبد قصی عبد اللات۔ پھر اونکی اولاد نے اس فعل میں انکی پیروی کی۔ تو ان سب کی نظر سے یُشرکون کا لفظ جو جمع کا صیغہ ہے بولا گیا۔ اس سے آدم حوا مراد ہوتے تو یہ لفظ یُشرکون نہ بولا جاتا اور اگر کوئی عیسائی یا نادان مسلمان

عبد قصی وعبد اللات وجعل الضمیر فی یشرکون لھما ولا تعلق لہ الذین اقتدوا بھما فی الشرک (تفسیر کبیر صفحہ ۴۱۹ جلد ۴)

یہ اعتراض کرے۔ کہ پہلے معنے (جو اعتراض کے ضمن میں مذکور ہیں) بھی اسلامی تفسیروں میں بیان کئے گئے ہیں۔ اور روایات حدیثیہ اس پر شاہد ہیں جنکو بعض نے حسن اور بعض نے صحیح کہا ہے۔ تو اوسکا **جواب** یہ ہے کہ روایات حدیثیہ میں حضرت آدم کا ذکر نہیں ہے۔ صرف یہ ذکر ہے کہ حضرت حوا کے پاس شیطان آیا اور انکو ڈرایا ہے۔ کہ تیرے پیٹ میں خدا جانے کیا ہے۔ مجھے صحیح سالم بچہ پیدا ہوا۔ اور وہ زندہ رہا تو اوسکا نام عبد الحارث رکھیو۔ اس رائے حوا نے ایسا کیا۔ حضرت آدم کا اس فعل میں شریک ہونا ان روایات حدیثیہ میں مذکور نہیں۔ ان روایات حدیثیہ کے ماننے والے مفسروں کو پھر یہ شبہ پیش آیا۔ کہ اس صورت میں پھر قرآن مجید میں جعلا لہ شرکاء فیما اتاھما میں صیغہ تثنیہ کیوں

رفیہ رای فی ھذا الحدیث دلیل علی ان الجاعل شرکاء فیما اتاھما ھو حواء دون ادم وقولہ جعلا لہ شرکاء بصیغۃ التثنیۃ لاینافی ذلک لانہ قد یسند فعل الواحد الی اثنین بل الی جماعۃ وھو شائع فی کلام العرب وفی الکتاب العزیز من ذلک الکثیر الطیب قال تعالی فتلقی ادم من ربہ کلمات ثم قال فی ھذہ السورۃ قالا ربنا ظلمنا انفسنا

اختیار فرمایا۔ اور کیوں ارشاد کیا۔ کہ ان دونوں نے خدا کے لئے شریک مقرر کیا۔ تو اوسکا جواب اُنہوں نے یہ دیا۔ کہ خدا تعالے نے ایسا فرمانا اسی محاورہ عرب کے مطابق ہے۔ کہ وہ ایک کے فعل کو دو شخصوں بلکہ کئی اشخاص کی طرف جو آپس میں میل جول وقرب واتصال رکھتے ہوں منسوب کر دیا کرتے ہیں۔ اس کے نظایر قرآن میں بہت ہیں۔ ازانجملہ یہ قول خداوندی ہے۔ کہ ان دونوں آدم وحوا نے کہا ربنا ظلمنا۔ حالانکہ اس سے پہلے صرف آدم کا ان کلمات کو سیکھنا بیان ہوا ہے۔

وقال لاجناح عليهما فيما افتدت
به والمراد به الزوج فقط قاله
الفراء وانما ذكرها لاقترانهما
وقال نسيا حوتهما وانما
الناسي يوشع دون موسى
وقال يخرج منهما اللؤلؤ والمرجان
وانما يخرج من احدهما وهو
المالح ـ وقال يا معشر الجن
والانس الم ياتكم رسل منكم
وانما الرسل من الانس دون
الجن ـ لكن لما جمعوا مع الجن
في الخطاب صح هذا التركيب
وقال تعالى القيا في جهنم ـ و
الخطاب لواحد دون اثنين
وفي الحديث المرفوع اذا سافرتما
فاذنا واقيما والمراد احدهما
وقال امرء القيس ؎
قفا نبك من ذكرى حبيب و منزل
وقد اكثر الشعراء من قولهم خليلي
والمراد بها الواحد دون اثنين ـ
(فتح البيان صـ ۱۲۹ جلد ۳)

وازانجملہ یہ قول خداکہ ان دونو (شوہر وزوجہ)
پر گناہ نہیں جو عورت اپنی طلاق کے بدلے
دے ـ حالانکہ مراد صرف شوہر ہے ـ کہ اگر وہ بدلا
طلاق عورت سے لے لے تو گنہگار نہ ہوگا ـ یہ
بات فراء (نحوی امام) نے کہی ہے ـ وازانجملہ
یہ قول خداکہ وہ دونو (یوشع وموسے) اپنی
مچھلی بھول گئے ـ حالانکہ بھولنے والا صرف یوشع
تھا ـ وازانجملہ یہ قول خداکہ ان دونو (دریائے
شور وفرات) سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں
حالانکہ وہ صرف ایک دریائے شور سے نکلتے ہیں
وازانجملہ یہ قول خدا ـ اے گروہ جن وانسان تم میں
سے رسول تمہارے پاس آئے ـ حالانکہ رسول صرف
انسانوں میں ہوئے ہیں ـ نہ جنوں سے ـ لیکن
اس خطاب میں انسان جنوں کے ساتھ شامل
ہوئے ـ تو یہ کہنا صحیح ہوگیا ـ وازانجملہ یہ قول
خدا تم دونو (اے ہانکنے والے اور گواہ فرشتو)
تم اس مجرم کو آگ میں ڈالو ـ حالانکہ اس قول
میں مخاطب ایک ہے نہ دو ـ اور صحیح حدیث میں
آنحضرت سے مروی ہے ـ کہ انہوں نے دو
مسافروں کو کہا کہ جب تم سفر کرو تو اذان دو اور تکبیر
کہو ـ دریں حالیکہ دونوں میں سے امام بنجاؤ ـ حالانکہ

دونوں میں سے اذان وتکبیر کہنے والا [illegible] اپنے شعر میں ایسے سے خطاب [illegible] اور اسکی جگہ کے ذکر سے [illegible] جگہ بولتے ہیں۔"

الحاصل [illegible] حضرت آدم کے شرک [illegible] میں یہ واقعہ آدم کے وقت کا بتایا جاتا ہے [illegible] کے قصہ کا بیان ہے [illegible] یہ آیت [illegible] [illegible] اور [illegible] جنسے حضرت آدم کا کوئی تعلق نہیں [illegible] ہونا ہے۔

ایسی ہی وہ آیتیں اور ہیں جنسے مخالفین اپنے اعتقاد [illegible] استدلال کرتے ہیں [illegible] حقیقت انکا اعتقاد باطل کے وہ دلائل [illegible] تفسیر کبیر [illegible]

تبلیغ میں انبیاء کی خطا تجویز کرنے والے اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔

وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبي الا اذا تمنى القى الشيطان في امنيته فينسخ الله ما يلقي الشيطان ثم يحكم الله آياته والله عليم حكيم (الحج ع ۷)

جسکے وہ یہ معنی کرتے ہیں۔ کہ ہم نے تجھسے پہلے کوئی رسول اور نبی نہیں بھیجا۔ مگر جب اُسنے کچھ پڑھا۔ تو شیطان نے اسکے پڑھنے میں کچھ ملا دیا۔ پھر خدا نے شیطان کی ملائی ہوئی بات کو مٹا دیا۔ اور اپنی آیات کو [illegible] پر [illegible] پکا کر دیا۔ اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت نے [illegible] سورہ نجم پڑھی جب آپ لات و عزیٰ کے ذکر پر پہنچے تو شیطان نے اسمیں یہ

فقرہ ملا دیا۔ تلک الغرانیق العلی و ان شفاعتہن لترتجی۔ یعنے یہ بت بلند پرواز آبی جانور ہیں ان کی شفاعت کی امید ہے۔ مشرکین نے جو سامعین و حاضرین مجلس تھے یہ سُنا تو خوش ہوگئے۔ اور سجدہ میں گر گئے۔ اور بولے کہ لیمراب ہماری اور محمدؐ کی صلح ہے ہم بھی تو اُنکو شفیع ہی سمجھتے ہیں۔ جسکو محمدؐ نے مان لیا ہے۔ نہ خالق و رازق زندہ کرنیوالے مارنے والے کہ وہ بجز خدا کوئی نہیں ہے۔ جب آنحضرت کو اس امر پر اطلاع ہوئی تو آپ کو بڑا رنج ہوا اسپر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور خدا تعالے نے آنحضرت کو تسلی دی۔ کہ یہ معاملہ شیطان کا صرف تمہارے ہی ساتھ نہیں ہوا۔ پہلے نبیوں سے بھی ایسا ہی ہوتا آیا ہے

اسکا جواب یہ ہے کہ اس آیت کے اگر یہی معنے اور یہی تفسیر صحیح ہے۔ تو یہ آیت حضرت انبیار کے عصمت کی دلیل ہے۔ نہ نفی عصمت کی۔ اسمیں صاف یہ بیان ہے کہ نبی کے پڑھنے کے وقت شیطان کچھ ملا دیتا ہے۔ نہ یہ کہ نبی اوس میں از خود عمداً التصرف کرتا ہے۔ یا اس میں غلطی یا خطا کا مرتکب ہوتا ہے۔ اور اس میں یہ بھی صاف بیان ہے کہ جو کچھ شیطان ملا دیتا۔ اوسکو خدا تعالے مٹا دیتا ہے۔ یعنے اُسپر نبی کو آگاہ کر دیتا ہے کہ یہ قول شیطان نے ملا دیا ہے۔ اور اپنی نازل کی ہوئی آیات کو محکم و محفوظ کر دیتا ہے۔ نہ یہ کہ جو شیطان ملا دیتا ہے وہ اُس میں ملا رہتا ہے۔ اور کلام خدا مشتبہ و ملتبس ہو جاتا ہے۔ امام المتکلمین صاحب تفسیر کبیر نے اس معنے اور اس تفسیر آیت کو جو مخالفین نے بیان کی ہر **سات دلایل نقلی قرآنی** اور **پانچ دلایل عقلی** سے **باطل و بے اعتبار** ٹھہرایا ہے۔ اور جو قصہ آنحضرت کے متعلق اس میں بیان کیا گیا ہے۔ اُسکی نسبت امام الایمۃ ابن خزیمہ محدث سے نقل کیا ہے۔ کہ یہ قصہ زندیقوں (چھپے مرتدوں) کی بناوٹ ہے۔ اور اس باب میں ایک کتاب مستقل تصنیف کی۔ اور امام بیہقی سے نقل کیا ہے۔ کہ اُنہوں نے کہا کہ۔ یہ قصہ ثابت نہیں ہر

روی عن محمد اسحق ابن خزیمہ انہ سئل عن ھذہ القصۃ فقال ھذا من وضع الزنادقۃ

وقد صنف فيه كتابا - وقال الامام ابوبكر احمد بن الحسين البيهقي هذه القصة غير ثابتة ثم اخذ يتكلم في ان رواة هذه القصة مطعون فيهم وايضا فقد روى البخاري في صحيحه ان النبي صلى الله عليه وسلم قرأ سورة النجم وسجد فيها المسلمون والمشركون والانس والجن وليس فيه حديث الغرانيق روى هذا الحديث من طرق وليس فيها البتة حديث الغرانيق (تفسیر کبیر صفحہ ۲۴۲ جلد ۶)

پھر اسکے راویوں میں جرح کیا - اور اُن کو مطعون قرار دیا - پھر امام رازی نے کہا کہ صحیح بخاری میں یہ حدیث کہ آنحضرت نے سورہ نجم پڑھی - اور اس میں مسلمانوں اور مشرکوں نے سجدہ کیا - مروی ہے - مگر اسمیں اس حدیث غرانیق کا ذکر نہیں ہے اور طریقوں سے بھی یہ حدیث مروی ہے انمیں بھی اس واہی حدیث کا ذکر نہیں ہے امام رازی کے اس بیان سے اور محدثین مفسرین نے بھی اتفاق کیا ہے اور اس واہی قصہ کو رد کیا ہے - اور اس تفسیر و معنے کو جو مخالفین بیان کرتے ہیں باطل قرار دیا ہے -

پھر امام رازی نے اس آیت کے صحیح معنے کے بیان میں کہا ہے - کہ اگر تمنّی کے معنے قرأت کے لئے جاویں تو اس آیت سے یہ مراد ہے کہ جب کسی رسول و نبی نے

فالحاصل من هذا البحث ان الامنية اما القراءة واما الخاطر - اما اذا فسرناها بالقراءة ففيه قولان الاول انه تعالى اراد بذلك ما يجوز ان يسهو الرسول صلى الله عليه وسلم ويشتبه على القاري (تفسیر کبیر صفحہ ۲۴۲ جلد ۶)

قرآن پڑھا ہے تو اوس میں اوسکو سہو ہوگیا - اور اشتباہ لگ گیا - جیسا کہ ہر ایک قرآن پڑھنے والے کو اشتباہ آیات کے سبب اشتباہ ہو جاتا ہے - پھر اسکے مخالف معنے قرأت کو (جو مخالفین بیان کرتے ہیں) بیان کیا - اور اسکا ابطال کیا - پھر کہا کہ اگر ہم تمنّی کے معنے خطرہ و خیال کے لیں تو

وأما إذا فسرناها بالخاطر و
تمني القلب. فالمعنى أن النبي متى
تمنى بعض ما يتمناه من الأمور
وسوس إليه الشيطان بالباطل
ويدعوه إلى ما لا ينبغي ثم إن الله
تعالى ينسخ ذلك ويبطله ويهديه
إلى ترك الالتفات إلى الوسوسة
إلى أن قال ... الرابعة
وقال رابع ... إذا تمنى
إرادة فعلا ... إلى الله تعالى
ألقى الشيطان في فكره ما يخالفه
فيرجع إلى الله في ذلك۔ وهو
كقوله إن الذين اتقوا إذا مسهم
طائف من الشيطان تذكروا
فإذا هم مبصرون وكقوله
وإما ينزغنك من الشيطان
نزغ فاستعذ بالله ومن الناس
من قال لا يجوز حمل الأمنية
على تمني القلب لأنه لو كان
كذلك لم يكن ما يخطر ببال
رسول الله صلى الله عليه وسلم

تو اس آیت کے معنے یہ ہوسکتے ہیں۔ کہ جب
نبی بعض امور کی خواہش کرتا ہے تو شیطان
اوسمیں وسوسہ ڈالتا ہے۔ اور اوس خواہش
کو ناجائز امور کی طرف لیجانا چاہتا ہے۔ مگر
خدا تعالےٰ اس وسوسہ شیطان کو باطل کرتا ہے
اور نبی کو امر صواب کی ہدایت فرماتا ہے۔
پھر امام رازی نے اس خطرہ و خیال کی چار
صورتیں بیان کیں۔ چہارم یہ کہ آیت کے یہ
معنے کئے جاویں کہ جب نبی کسی فعل کو خدا کا قرب
حاصل کرنے کے لیے کرنا چاہتا ہے۔ تو شیطان
اسکے خیال میں اسکے برخلاف وسوسہ ڈالتا
ہے۔ مگر وہ نبی اللہ کیطرف رجوع کرتا ہے۔
اس معنے کر اس آیت کی نظیر یہ قول خداوندی
ہے کہ متقیوں کو جب وسوسہ شیطان عارض
ہوتا ہے تو وہ خدا کو یاد کرکے ہوشیار ہوجاتے
ہیں۔ دوسری نظیر وہ قول خداوندی کہ اگر
تجھے شیطان چوکے (یعنی وسوسہ ڈالے)
تو تو خدا کی پناہ میں آ۔ بعض لوگوں کا
اعتراض ہے کہ اگر اس آیت میں تمنے سے
دل کی تمنا مراد ہو تو چاہیئے کہ وہ کسی دوسرے
کے گمراہ ہونے کا موجب نہ ہو۔ حالانکہ اس

فتنة للکفار و ذلك يبطله قوله تعالیٰ ليجعل ما يلقي الشيطان فتنة للذين في قلوبهم مرض والقاسية قلوبهم والجواب لا يبعد انه اذا قوي التمني اشتغل الخاطر به فيحصل السهو في الافعال الظاهرة بسببه فيصير ذلك فتنة للکفار (تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۲۴۹)

تمنے کو اس آیت میں دلوں کے بیمار اور سخت دلونکے لئے گمراہی کا موجب قرار دیا ہے۔ اسکا جواب یہ ہے۔ کہ وسوسہ قوی ہو اور دل اس سے مشغول ہو جائے تو اُسکے سبب ظاہری افعال میں سہو واقع ہو جاتا ہے۔ اور وہ دوسرے کے لئے موجب گمراہی ہو جاتا ہے۔

بالجملہ اس آیت سے (خواہ اُسکے کوئی معنے مراد سمجھو) نبیوں کی عصمت ثابت ہوتی ہے نہ عصمت کی نفی و خلاف۔

اس آیت کے علاوہ دو آیتیں اور ہیں جسنے مخالفین اپنے اعتقاد باطل پر استدلال کرتے ہیں۔ مگر درحقیقت وہ انکے خیال باطل کے دلائل نہیں ہو سکتے۔ انکے ملاحظہ کا شائق تفسیر کبیر جلد اول صفحہ ۴۶۲ کو دیکھے۔

حکم اور فتوے میں **نبیوں کی عصمت کے منکروں کی دلیل** وہ آیت قرآن ہے جسمیں

وما کان لنبی ان یکون لہ اسریٰ حتی یثخن فی الارض۔ اتریدون عرض الدنیا والله یرید الاخرة والله عزیز حکیم۔ لولا کتاب من الله سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب الیم۔ فکلوا مما غنمتم حلالاً طیباً واتقوا الله ان الله غفور رحیم

یہ بیان ہے کہ۔ نبی کو لائق نہیں تھا کہ اُسکے لئے قیدی ہوتے۔ جبتک کہ وہ زمین میں خوب خون ریزی مخالفین نہ کرلیتا۔ لوگو! تم دنیا کی متاع چاہتے ہو۔ اور اللہ تمہارے لئے آخرت چاہتا ہے۔ اللہ غالب ہے اور باحکمت اگر اللہ کیطرف سے یہ حکم لکھا نہ گیا ہوتا تو تمکو اس متاع دنیا لینے کے سبب دردناک عذاب پہنچتا۔ اب تم اس مال کو جو تمنے لوٹا ہے

سورۃ انفال رکوع ۹۔ تُمہارا حلال سمجھکر کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

وہ لوگ اس آیت کی تفسیر یوں کرتے ہیں کہ بدر کی لڑائی میں قیدی پکڑے آئے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فدیہ (بدلہ کا روپیہ) لے کر اُن کو چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ جسپر آنحضرت کو یہ خطاب باعتاب کہ "تم دنیا چاہتے ہو۔ اور خدا تمہارے لئے آخرت چاہتا ہے"۔ ہوا۔ اور اس حکم پر عذاب بھی نازل ہونے لگا تھا۔ جو ایک درخت کے قریب پُہنچا۔ اور پھر وہ اُٹھا لیا گیا تھا۔ اس عذاب سے بچتے تو صرف حضرت عمر بچتے جو اس تجویز کے مخالف تھے۔

یہ عذاب آنا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ گناہ کبیرہ ہوا نہ محض خطا یا ترک اولے۔ اسکا جواب یہہ ہے۔ کہ منکرین عصمت انبیا کا یہ کہنا کہ اس حکم کے سبب آنحضرت کو وہ خطاب باعتاب ہوا۔ اور اس حکم پر عذاب نازل ہونے لگا تھا محض غلط ہے وہ خطاب صیغہ جمع "تریدون" سے ان بعض اصحاب نبوی کو ہوا تھا۔ جو دشمنوں کی قتل سے ہاتھ اوٹھا کر بغرض دنیا انکے قیدی بنانے کے فکر میں پڑ گئے تھے۔ اور اُن ہی اصحاب کے لئے وہ عذاب نازل ہونے لگا تھا۔

اس خطاب میں نہ آنحضرت داخل ہیں نہ آپکے وہ مخلص اکابر اصحاب جنہوں نے قیدی پکڑے جانے کے بعد یہ تجویز نکالی تھی یا پسند کی تھی۔ کہ اگر اُنسے روپیہ لیکر اُن کو چھوڑ دیا جائےگا تو امید ہے کہ خدا تعالے اُنکو ہدایت یاب اور مشرف باسلام کر دیگا۔ اور وہ روپیہ ہمکو دین میں اور آئندہ کافروں کے مقابلہ میں مدد دیگا جن اکابر صحابہ نے اس خیال اور اس نیت سے جو سراسر دین ہے قیدیوں کو روپیہ لیکر چھوڑنے کی تجویز بتائی۔ اور جس رسول نے اس تجویز کو پسند کیا انکے حق میں کیونکر یہہ خطاب کہ تم دنیا چاہتے ہو ہو سکتا ہے۔ اور انکی اس تجویز و فعل پر نزول عذاب کیونکر متصور ہے۔

یہ خطاب اور یہ نزول عذاب صاف یقین دلاتا ہے۔ کہ اُسکے مخاطب وہ مورد ہی

بعض اصحاب تھے جنکی نیت میں دنیا طلبی تھی - ہاں اسمیں شک نہیں کہ اکابر صحابہ کا اس دینی نیت سے قتل کفار پر انکے چھوڑ دینے کو ترجیح دینا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس نیت سے اس تجویز کو پسند کرنا خدا تعالے کے حضور میں امر افضل اور زیادہ پسندیدہ نہ ہوا اور اسی نظر سے آنحضرت کو یہ خطاب ہوا کہ نبی کو ایسا کرنا لائق نہ تھا - بلکہ زیادہ تر لائق و پسندیدہ یہی امر تھا کہ وہ دشمن کفار کو تہ تیغ کرتے جس سے دوسرے دشمن ڈر اور دب جاتے اور آیندہ وہ مسلمانوں کو ایذا رسانی کی جرأت نہ کرتے -

ولیکن چونکہ اللہ تعالے نے اظہار عدم فضیلت اس فعل کے ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ تمہارا یہ فعل خلاف افضل ہمارے ایک حکم سابق النفاذ (حلت غنائم وفدیہ) کے مطابق ہوا ہے بس جو مال لے چکے ہو اُسکو ستھرا حلال سمجھکر کھاؤ - خدا تمہارے اس ترک افضل کو معاف کرنے والا اور تمپر رحم کرنے والا ہے -

تو اس سے صاف ثابت ہوا - کہ یہ تجویز اور فعل بھی محض خطا و برخلاف رضائے الٰہی نہیں ہوا بلکہ فی الجملہ رضائے الٰہی کے (دوسرے درجہ پر ہی سہی) مطابق ہوا ہے - لہذا یہ آیت حکم و فتوے میں عصمت انبیا کی دلیل ہوئی نہ دلیل عدم عصمت -

اب ہم اپنے اس بیان کی تائید میں کہ "جن اکابر صحابہ نے اس تجویز کو پیش کیا تھا - محض دینی نیت سے کیا تھا - نہ دنیا طلبی سے اور اسیکو آنحضرت نے قبول کیا - لہذا وہ خطاب و عتاب انکے لئے نہ تھا - بلکہ وہ ان بعض اصحاب کے لئے تھا جنہوں نے بغرض دنیا دشمنوں کے قتل سے ہاتھ اُٹھا کر انکو گرفتار کیا تھا" واقعات کی شہادت پیش کرتے ہیں -

تفسیر معالم میں اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے - کہ جب بدر لڑائی ہوئی (جو ایک

عن عبد اللہ بن مسعود لما کان یوم بدر وجیئ بالاسری فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما	دلفیصلہ لڑائی ہے) اور قیدی پکڑ کر لائے گئے تو آنحضرت نے انکے متعلق اپنے اصحاب سے مشورہ لیا - حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کہا یا رسول اللہ

ماتقول فی هؤلاء فقال ابوبکر
قومك واهلك استبقهم واستان
بهم لعل الله ان یتوب علیهم و
خذ منهم فدیة یکون لنا قوة
علی الکفار وقال عمر رض یا رسول الله
کذبوك واخرجوك قدمهم
نضرب اعناقهم مکن علیا من
عقیل فیضرب عنقه ومکنی من فلان
نسیب لعمر فاضرب عنقه فان هؤلاء ائمة
الکفر وقال عبدالله بن رواحه یا رسول الله
انظر وادیا کثیر الحطب فادخلهم فیه
ثم اضرم علیهم نارا فقال له
العباس قطعت رحمك فسکت
رسول الله صلی الله علیه وسلم
لم یجبهم ثم دخل فقال ناس
یأخذ بقول ابی بکر وقال ناس
یأخذ بقول عمر وقال ناس یأخذ
بقول ابن رواحة خرج رسول
الله فقال ان الله لیلین قلوب
رجال حتی یکون الین من اللبن
ویشدد قلوب رجال حتی یکون

یہ لوگ تیری قوم ہیں۔ تیرے اہل بیت ہیں
(ان میں ایک حضرت کے چچا عباس رض تھے جو بوقت
مقابلہ میں آئے تھے۔ دوسرے عقیل حضرت
علی کے بھائی۔ تیسرے ابوالعاص بن ربیع
آنحضرت کے داماد وعلی ہذا القیاس) ان کو
زندہ رہنے دے۔ اور اُنپر ترس کیا (ناظرین!
دیکھنا یہ قوم پروری وصلہ رحمی کا مشورہ ہے
جو عین دین ہے۔ یا دنیا طلبی کا) حضرت
عمر بولے یا رسول اللہ اُنہوں نے آپ کو
جھٹلایا۔ وطن سے نکالا ان کو ہمارے آگے
کر دیجے۔ ہم ان کی گردن ماریں۔ عقیل کو (اُسکے
بھائی) علی کے حوالہ کر کہ وہ اوس کی گردن
مارے۔ اور مجھے فلاں (اُنکا رشتہ دار)
سپرد کر کہ میں اوسکو ماروں۔ عبداللہ بن رواحہ
بولے۔ یا رسول اللہ ان سب کو ایک ایسے جنگل
میں جہاں بہت سا ایندھن ہو داخل کر اور
پھر اوس میں آگ لگا دے۔ اسپر عباس رض
بولے تو نے (اے عبداللہ) اس تجویز سے
قطع رحمی کی۔ آنحضرت خاموش رہے۔ اور
گھر میں تشریف لے گئے۔ لوگوں نے مختلف
خیال کئے کہ فلاں یا فلاں کے قول پر آپ

اشد من الحجارة - وان مثلك یا ابا بکر مثل ابراھیم قال فمن تبعنی فانہ منی ومن عصانی فانك غفور رحیم - ومثلك یا ابا بکر مثل عیسے قال ان تعذبھم فانھم عبادك وان تغفرلھم فانك انت العزیز الحکیم - وان مثلك یا عمر مثل نوح قال رب لا تذر علی الارض من الکفرین دیارا و مثلك مثل موسی قال ربنا اطمس علی اموالھم واشدد علی قلوبھم فلا یؤمنوا حتے یروا العذاب الالیم ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتم الیوم عالۃ فلا یفلتن منھم احد الا بفداء -

(تفسیر معالم ص ـــــ)

عمل کرینگے - آنحضرت گھر سے نکلے تو فرمایا کہ اللہ تعالے کسی کے دل کو دودھ سے زیادہ نرم کرتا ہے کسی کے دل کو پتھر سے زیادہ سخت کرتا ہے - تیری نظیر اے ابو بکر ایک حضرت ابراہیم نبی ہیں جنہوں نے کہا تھا - خدایا جس نے میری پیروی کی وہ تو میرا ہی ہے جس نے میری نافرمانی کی ہے - تو (اسکے لیئے) غفور رحیم (بن جا) دوسرے حضرت عیسے نبی ہیں جنہوں نے کہا تھا خداوندا اگر تو اُن کافروں مشرکوں کو عذاب کرے تو وہ تیرے بندے - یعنے اختیار میں ہیں اور اگر تو انکے گناہ بخش دے تو تو غالب با حکمت ہے - اور تیری نظیر اے عمر (ایک) نوح نبی ہے جسنے کہا تھا - خدایا زمین پر ایک کافر کو بھی چلتا پھرتا نہ چھوڑیو - دوسرے موسے جنہوں نے کہا تھا - خداوندا فرعون والوں کے مال مٹادے - اور انکے دل سخت کردے - وہ ایمان نہ لائیں گے جب تک عذاب دردناک نہ دیکھیں - پھر آنحضرت نے ابو بکر کی رائے کو پسند کیا - اور فرمایا کہ قیدیوں میں سے کوئی نہ چھوٹے جب تک اپنے بدلے روپیہ نہ دے یا مارا جائے -

امام رازی نے تفسیر کبیر میں منکرین عصمت کیطرف سے اس اعتراض کہ "قرآن میں کفار کی

گردن مارنے کا حکم آیت فاضربوا فوق الاعناق واضربوا منھم کل
بنان میں صاف آچکا تھا۔ قید کرنے سے اسکا خلاف ہوا جو گناہ ہے" کے جواب
میں لکھا ہے کہ اس حکم میں اصحاب مخاطب تھے۔ کیونکہ بالاتفاق آنحضرت بذات خود
قتل کفار کے مامور نہ تھے۔ اس حکم میں صحابہ مخاطب ٹھہرے۔ تو جب اُنہوں نے قتل کو
ترک کرکے کفار کو قیدی بنانے کی طرف توجہ
کی تو یہ گناہ اُنسے سرزد ہوا۔ نہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ روایت ہے کہ جب
اصحاب نے کفار کو بھگا دیا اور بہت سے
لوگوں کو اُن میں سے تہ تیغ کیا۔ اور کفار
بھاگنے لگ گئے۔ تو اصحاب اُنکے پیچھے دوڑے
اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دور چھوڑ گئے
اور اون لوگوں کو قیدی بنا لیا۔ آنحضرت صلعم
کو اُن کے اس فعل سے اسیوقت اطلاع ہوئی
جب وہ انکو قیدی بناکر آنحضرت کے حضور
میں لے آئے۔ آں حضرت نے کسی کو نہ خود قید
کیا۔ نہ کسی کو قیدی بنانے کا حکم دیا۔ پس
آں حضرت سے اعتراض دفع ہوا۔ اگر منکرین
کہیں کہ ہاں یہ بیان واقعہ تو مسلم ہے۔ مگر
جب قیدی آنحضرت کے حضور پہنچائے گئے
تو پھر آنحضرت نے انکے قتل کا حکم کیوں نہ دیدیا
تاکہ اس قول خداوندیکا۔ کہ اُن کی گردنیں

ان هذا الخطاب انما كان مع
الصحابة لاجماع المسلمين
على انه عليه السلام ما كان مامورًا
ان يباشر قتل الكفار بنفسه واذا
كان هذا الخطاب مختصًا بالصحابة
فهم لما تركوا القتل واقدموا على
الاسر كان الذنب صادرًا منهم
لا من الرسول صلى الله عليه وسلم و
ونقل ان الصحابة لما هزموا الكفار
وقتلوا منهم جمعا عظيما والكفار فروا
ذهب الصحابة خلفهم و
تباعدوا عن الرسول واسروا
اولئك الاقوام ولم يعلم الرسول
باقدامهم على الاسر الا بعد رجوع
الصحابة الى حضرته وهو عليه
السلام ما اسر وما امر بالاسر
فزال السؤال۔ فان قالوا هب ان

الامر كذلك لكنهم ما حملوا
الاسارى الى حضرته فلم لم يأمر
بقتلهم امتثالا بقوله فاضربوا
فوق الاعناق قلنا ان قوله فاضربوا
تكليف مختص بحالة الحرب عند
اشتغال الكفار بالحرب فاما
بعد انقضاء الحرب فهذا التكليف
ما كان متناولا له والدليل القاطع
عليه انه عليه السلام استشار
الصحابة في انه بماذا يعاملهم
ولو كان النص متناولا لتلك الحالة
لكان مع قيام النص تاركا لحكمه
وطالبا ذلك الحكم من مشاورة
الصحابة وذلك محال وايضا فقوله
فاضربوا فوق الاعناق امر والامر
لا يفيد الا المرة الواحدة وثبت
بالاجماع ان هذا المعنى كان واجبا
حال المحاربة فوجب ان يبقى
عديم الدلالة على ما وراء وقت
المحاربة. والجواب عما ذكروه
ثالثا وهو قولهم انه عليه الصلوٰة

مار وعمل ہو جاتا۔ تو اوسکے جواب میں ہم کہینگے
گردنیں مارنے کا حکم مذکور اسحالت میں ہی
کہ کفار لڑ رہے ہوں۔ نہ اسحالت میں کہ
لڑائی بند اور ختم ہو چکی ہو۔ اسپر قطعی دلیل یہ
ہے کہ اسحالت بندش کے وقت آنحضرت
نے قیدیوں کی بابت اصحاب سے مشورہ
لیا۔ کہ اون سے کیا سلوک کیا جاوے۔
اگر بوقت گردنیں مارنے کا حکم ہوتا تو آنحضرت
اس حکم کو چھوڑ کر انکی بابت اصحاب سے
کیوں مشورہ لیتے۔ اور نیز گردنیں مارنیکے
حکم کی تعمیل ایک دفعہ کی خونریزی سے جو
بوقت جنگ ہوئی تھی ہو چکی۔ اس حکم میں
یہ نہیں پایا جاتا کہ لڑائی کے ختم
ہو جانے کے بعد بھی گردنیں مارتے رہو۔ اور
منکرین کے اس اعتراض کہ فدیہ (بدلہ کا روپیہ)
لینا حرام تھا" کے جواب میں کہا ہے کہ یہ
امر لائق تسلیم نہیں اور آیت "یریدون عرض
الدنیا" سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ فدیہ
مطلقاً حرام ہے۔ اولاً اسلئے کہ وہ عذاب
جو انپر نازل ہونے لگا تھا وہ قتل چھوڑ کر
قید کی طرف متوجہ ہونے پر تھا۔ اس سے

والسلام حکم بأخذ الفداء واخذ
الفداء محرم فنقول لانسلم ان
اخذ الفداء محرم واما قوله تریدون
عرض الدنیا فنقول هذا لا یدل
علی قولهم وبیانه من وجهین الاول
المراد من هذه الآیة حصول العتاب
علی الاسر لغرض الفداء وذلك لا
یدل علی ان اخذ الفداء محرم
مطلقا - والثانی ان ابا بکر قال
الاولی ان نأخذ الفداء لنقوی
العسکر به علی الجهاد وذلك
یدل انهم طلبوا ذلك الفداء
للتقوی به علی الدین - وهذه الآیة تدل
علی ذم من طلب الفداء لمحض غرض
الدنیا ولاتعلق لاحد البابین بالثانی
وهذا الجوابان بعینهما هما الجوابان
عن تمسکهم بقوله تعالی لولا کتب
من الله سبق لمسکم فیما اخذتم
فیه عذاب عظیم - والجواب عما
ذکروه - رابعًا ان بکاء الرسول علیه
السلام یحتمل ان یکون لاجل ان

یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ فدیہ جو موقوفی لڑائی
کے بعد قیدیوں سے لیا گیا تھا۔ لینا ہی
حرام تھا۔ ثانیاً اسلئے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے
کہا تھا۔ کہ بہتر یہ ہے کہ ہم ان سے فدیہ
لے کر جہاد کفار پر جبروت و قوت پائیں
اس قول سے ثابت ہے کہ فدیہ لینا دین
کی قوت حاصل کرنے کے لئے تھا۔ اور
آیت مذکورہ سے صرف اس فدیہ لینے
کی مذمت سمجھی جاتی ہے۔ جو بغرض دنیا ہو
اور ان دونوں کا آپس کوئی تعلق نہیں ہے
یہی دو نو جواب بعینہ اس آیت سے تمسک
منکرین کے جواب میں جسمیں بیان ہے
کہ تم پر فدیہ لینے کے سبب عذاب نازل
ہوتا (حاصل جواب یہ کہ قتل چھوڑ کر
فدیہ کے طالب ہونا۔ اور طلب فدیہ محض
دنیا کی غرض سے نہ دین کی نیت سے ہونا
سبب نزول عذاب ہوتا) اور منکرین
عصمت کے اس اعتراض کہ آنحضرت و
ابوبکر عذاب دیکھکر رونے لگے "کے جواب
میں کہا ہے کہ یہ رونا ان لوگوں پر عذاب
نازل ہونے کے خوف سے تھا۔ جو قتل

بعض الصحابۃ لما خالفوا امر اللہ فی القتل واشتغل بالاسر استوجب العذاب - والجواب عما ذکروہ خامسًا ان ذلک العذاب انما نزل بسبب ان اولئک الاقوام خالفوا امر اللہ بالقتل واقدموا علی الاسر حال ما وجب علیھم الاشتغال بالقتل (تفسیر کبیر ۵۶۷ جلد ۴)

کو چھوڑ کر قیدی بنانے کی طرف متوجہ ہو گئے تھے - وہی لوگ مستحق عذاب تھے نہ حضرت ابوبکر جنہوں نے فدیہ کی تجویز نکالی تھی - اور نہ آنحضرت جنہوں نے تجویز قبول و پسند فرمائی یہی جواب اس اعتراض منکرین کا جواب ہے کہ اگر عذاب نازل ہوتا تو اس سے بجز عمرؓ کوئی نہ بچتا - جسکا حاصل یہ ہے کہ انہی لوگوں کے سبب عذاب آنے لگا تھا جنہوں نے قتل چھوڑ کر بغرض دنیا قیدی بنانے کا لالچ کیا - ان ہی میں سے کوئی نہ بچتا - مگر ایک حضرت عمرؓ جنہوں نے انکے فعل و منشاء کے برخلاف عمل کیا اور اُسکا مشورہ دیا -

بالجملہ اس آیت سے آنحضرت کا حکم فدیہ میں گناہ کرنا یا خطاء محض کرنا ثابت نہیں ہوتا - اس آیت سے جس فعل کی مذمت مفہوم ہوتی ہے وہ آنحضرت کا فعل نہیں ہے بلکہ اور لوگوں کا فعل ہے -

ایسی ہی دو آئیں اور منکرین عصمت پیش کرتے ہیں جنسے انبیاء کا حکم و فتوے میں خطا کرنا بزعم خود ثابت کرتے ہیں - اور درحقیقت انسے انکا گناہ یا خطا ثابت نہیں ہوتا - شائق ملاحظہ تفسیر کبیر جلد اوّل دیکھے -

افعال میں گناہ کرنے انبیاء کے ثبوت میں منکرین عصمت بہت سے واقعات اور دلائل پیش کرتے ہیں - ازاں جملہ ایک واقعہ حضرت آدم علیہ السلام ہے کہ اُنہوں نے شجرہ ممنوعہ سے کھالیا - اس فعل کے گناہ کبیرہ ہونے پر وہ یہ دلائل پیش کرتے ہیں (۱) خداتعالے نے اس فعل کے سبب حضرت آدم کو عاصی کہا

(۲) غاوی فرمایا۔ (۳) ان کی توبہ کا ذکر ہے گنہگار کرتا ہے۔ (۴) آدم ایک ایسے فعل کا مرتکب ہوا جس سے اوسکو منع کیا گیا تھا۔ (۵) اوسکو ظالم کہا گیا۔ (۶) اسکو خاسر کہا گیا ہے۔ (۷) آخر اوسکو اس قصور کی سزا میں جنت سے نکالا گیا ہے۔

امام رازی نے ان وجوہات ہفتگانہ کے جواب میں کہا ہے۔ کہ منکرین کا مدعا

والجواب المعتمد عن الوجوہ السبعة عندنا ان نقول کلامکم انما یتم لو اثبتم بالدلالة علی ان ذلك كان حال النبوة و ذلك ممنوع فلم لا یجوز ان یقال ان آدم حال ما صدرت عنه هذه الزلة ما کان نبیا ثم بعد ذلك صار نبیا ونحن قد بینا انه لا دلیل علی هذا المقام لنفرض انه صدر ذلك الفعل عن آدم بعد النبوة فاقدامه علی ذلك الفعل اما ان یکون حال کونه ناسیا او حال کونه ذاکرا۔ اما الاول وهو انه فعله ناسیا فهو قول طائفة من المتکلمین و احتجوا بقوله تعالی فنسی ولم نجد له عزما ومثاره بالصائم

تب ثابت ہو۔ جبکہ آدم کا اسوقت نبی ہونا ثابت ہو۔ اور یہ امر مسلم نہیں اور کسی دلیل سے ثابت نہیں۔ پھر کہا ہم نے یہ بھی فرض کیا کہ وہ اسوقت نبی تھے۔ تب بھی وہ اس فعل سے مرتکب کبیرہ نہیں ہوسکتے اس فعل کے وقت یہ بھی احتمال ہے کہ وہ اس حکم خداوندی کو کہ " اس درخت کے نزدیک نہ جانا " بھول گئے ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ فعل اون سے عمداً وقوع میں آیا ہو۔ اول احتمال کے ایک جماعت متکلمین قائل ہے اُن کی دلیل آدم کے بھول جانے پر یہ قول خداوندی ہے کہ ہمنے آدم کو ایک حکم دیا پھر وہ اسکو بھول گیا۔ اُنھوں نے آدم کی نظیر اس روزہ دار کو قرار دیا ہے جو کسی کام میں مشغول ہوکر اپنے روزہ دار ہونے کو بھول جاتا ہے۔ اور خوب کھا پی لیتا ہے۔ اسپر

فیشتغل بامر یستغرقه ویغلب
علیه فیصیر ساهیا عن الصوم
ویاکل فی اثناء ذلك السهو عن
قصد لا یقال هذا باطل من
وجهین الاول ان قوله تعالی ما
نهاکما ربکما عن هذه الشجرة
الا ان تکونا ملکین وقوله وقاسمهما
انی لکما لمن الناصحین - یدل
علی انه ما نسی النهی حال الاقدام *
الثانی لو کان ناسیا لما عوتب
علی ذلك الفعل * اما الجواب
عن الوجه الاول فهو انا لا نسلم
ان ادم وحوا قبلا من ابلیس
ذلك الکلام ولا صدقاه لانهما
لو صدقاه لکانت معصیتهما
فی ذلك التصدیق اعظم من
اکل الشجرة لان ابلیس لما قال
لهما ما نهاکما ربکما عن هذه
الشجرة الا ان تکونا ملکین او
تکونا من الخلدین - فقد القی
الیهما سوء الظن بالله ودعاهما

دو وجہ سے اعتراض کیا گیا ہے۔ اول یہ کہ
قرآن میں صاف آچکا ہے کہ شیطان
نے آدم وحوا کو کہا۔ کہ خدا تعالیٰ نے تمکو
اس درخت سے کھا لینے سے اسلئے روکا ہے
کہ اوسکو کھا کر تم کبھی فرشتے نہ بن جاؤ۔ یا
اس بہشت میں ہمیشہ کے لئے نہ رہ پڑو
اور پھر اسپر شیطان نے قسم بھی کھائی
کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ وجہ دوم یہ
کہ اگر یہ فعل سہو ونسیان سے ہوتا تو
اسپر عتاب نہ ہوتا۔ کیونکہ سہو ونسیان پر
مواخذہ نہیں ہے۔ اِن وجوہات سے
وجہ اول کا جواب یہ ہے کہ یہ امر لائق تسلیم
نہیں ہے کہ آدم وحوا نے شیطان کی
اِسبات کو تصدیق کر لیا اور مان لیا تھا۔ اور
اسی حالت تصدیق وتسلیم میں وہ فعل کیا
ایسا ہوتا تو اس تصدیق وتسلیم کے سبب
وہ درخت کھا لینے کی نسبت زیادہ گنہگار
متصور ہوتے۔ اور اسپر زیادہ مورد عتاب
ہوتے۔ کیونکہ جب اون کو ابلیس نے یہ
کہا۔ کہ تم اسلئے اس درخت سے روکے
گئے ہو کہ تم فرشتہ نہ بن جاؤ۔ یا ہمیشہ

الی ترك التسلیم للامرة والرضا بحکمه والی ان یعتقد فیه کون ابلیس ناصحا لهما وان الرب قد غشهما ولاشك ان هذه الاشیاء اعظم من اکل الشجرة فوجب ان تکون المعاتبة فی ذلك اشد وایضا وکان ادم عالما بتمرد ابلیس عن السجود وکونه مبغضا له وحاسدا له علی ما اتاهما الله من النعم۔ فکیف یجوز من العاقل ان یتقبل قول عدوه مع هذه القرائن ولیس فی الآیة انهما اقدما علی ذلك عند ذلك الکلام او بعده ویدل علی ان ادم کان عالما بعداوته قوله تعالی ان هذا عدو لك ولزوجك فلا یخرجنکما من الجنة فتشقی۔ (تفسیر کبیر جلد اول صفحہ ۴۶۳ وغیرہ)

بہشت میں نہ رہ پڑو۔ اور میں تمہارا اس کہنے میں خیر خواہ ہوں۔ تو اُن دونوں کو خدا کی طرف سے بدظن کیا۔ اور یہ کہا کہ خدا نے تمکو دہوکہ دیا یا تم سے کھوٹ کرنا چاہا ہے۔ اور میں تمہارا خیر خواہ ہوں اس کی ان باتوں کو آدم و حوا نے مان لیا تو درخت کھانے سے بڑہ کر جرم کیا۔ لہذا ان باتوں کے قبول کرنے پر اوس کو زیادہ عتاب ہونا چاہئے تھا۔ حالانکہ اون پر کچھ عتاب نہیں ہوا۔ اور نیز حضرت آدمؑ کو شیطان کا سجدہ سے سرکشی کرنا اور حضرت آدمؑ کی انعام و اکرام پر اُنسے حسد و عداوت کرنا بھی معلوم تھا۔ خدا تعالے نے خود انکو فرما دیا۔ کہ شیطان تمہارا دشمن ہے۔ تمکو بہشت سے نہ نکال دے۔ پھر (حضرت آدم جیسے) عاقل سے کیونکر متصور تھا۔ کہ اوس کی باتون کو وہ مان لیتا۔ اور ان باتوں کو سُنکر وہ اس فعل کا مرتکب ہوتا اس سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ وہ درخت کھانے کے وقت خدا کے حکم ممانعت اور شیطان کی ان باتوں سب کو بھول گئے تھے۔

واما الجواب عن الثانی فهو ان العتاب انما حصل علی ترك التحفظ

وجہ دوم کا جواب یہ کہ یہ عتاب نسیان و سہو پر نہیں ہوا۔ بلکہ اس قصور پر ہوا۔ کہ اُنہوں نے

من اسباب النسيان و هذا
الضرب من السهو موضوع عن
المسلمين وقد كان يجوز ان يواخذوا
به وليس بموضوع عن الانبياء
لعظم خطرهم ومثاله بقوله
يا نساء النبي لستن كاحد من النساء
ثم قال من يأت منكن بفاحشة
مبينة يضاعف لها العذاب
ضعفين. وقال عليه السلام
اشد الناس بلاء الانبياء ثم
الاولياء ثم الامثل فالامثل فان
قيل كيف يوثر عظم حالهم وعلو
منزلتهم في حصول شرط في تكليفهم
كون تكليف غيرهم قلنا اما سمعت
حسنات الابرار سيئات
المقربين ولقد كان على النبي
صلى الله عليه وسلم من التشديد
في التكليف ما لم يكن على غيره
اما القول الثاني وهو انه عليه
السلام فعله عامدا ففيها اربعة
اقوال × × × ×

ایسے اسباب وسایل [illegible] نہ تم پہنچاؤ
کہ وہ ان کو نسیان سے بچائے (جیسے
کوئی دوسرے کو کہدیتا ہے کہ فلان امر
مجھے یاد کرا دینا۔ یا اوسکو نوٹ کرلیتا ہے
یا اُسکے لئے پہرہ بٹھا دیتا ہے) اس قسم کا
سہو و نسیان اگرچہ عام مسلمانوں کو معاف
ہے۔ اور اُسپر اُن کو مواخذہ نہیں (گو اخذ
ہو تو جائز ہے) مگر ایسا نسیان انبیاء کے
لئے معاف نہیں۔ کیونکہ اون کی شان و درجہ
بلند ہے۔ اوس کی مثال وہ قول خداوندی
ہے کہ اے نبی کی بیویاں تم اور عورتوں کی
مانند نہیں ہو۔ پھر اُن کو فرمایا۔ تم میں سے
کوئی صریح بے حیائی کی مرتکب ہوگی تو اوسکو
دوسری عورتوں کی نسبت دوگنا عذاب
ہوگا۔ اور آنحضرتؐ نے فرمایا ہے۔ کہ سب سے
زیادہ محل بلا و امتحان انبیاء ہوتے ہیں۔ پھر
اولیاء۔ پھر جو افضل ہو۔ ان کے بعد جو افضل ہو
اگر سوال کرو کہ نبی کا عالی رتبہ اُن کو ایسی
سختی سے مکلف ہونے کا باعث کیوں ہوا
تو اوسکے جواب میں ہم کہیں گے تم نے یہ
نہیں سُنا عام نیکوں کی بھلائیاں خاص

القول الرابع وهو اختيار اكثر
المعتزلة انه اقدم على الاكل
بسبب اجتهاد اخطاء فيه
وذلك لا يقتضي كون الذنب
كبيرة بيان الاجتهاد الخطاء
انه لما قيل له ولا تقربا هذه
الشجرة فلفظ هذه قد يشار
به الى الشخص وقد يشار به الى
النوع - وروى انه عليه السلام
اخذ حريرا وذهبا بيده فقال
هذان حل لاناث امتي حرام
على ذكورهم واراد به نوعهما
ولما سمع ادم قوله ولا تقربا
ظن ان النهي انما يتناول تلك
الشجرة المعينة وتناول من شجرة اخرى من
ذلك النوع الا انه كان مخطيا في ذلك
الاجتهاد لان مراد الله تعالى من كلمه
هذه كان النوع لا الشخص
ثم اعتذروا عنه بوجوه منها انه كيف
صار هذا القدر من الخطاء
سببا لان نزع عن ادم

مقربین کی برائیاں متصور ہوتی ہیں۔ اور
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تکلیف احکام
میں اس قدر سختیاں تھیں کہ وہ کسی دوسرے
پر نہ تھیں (جیسے آنحضرت کا روزہ میں
وصال کرنا۔ یعنے روزہ پر روزہ رکھنا
اور بیچ میں کچھ نہ کھانا۔ یا نماز تہجد کا آپ
پر فرض ہونا۔ یا موجودہ عورتوں (جنہیں
اکثر پیر سالہ تھیں) کے بعد کسی عورت کو
نکاح میں نہ لانا یا آپ کے اہل و اولاد کا
زیور و لباس زینت دنیا سے محترز رہنا
وغیرہ) دوسرے احتمال ہیں کہ وہ فعل
عمداً ہوا ہے چار قول ہیں۔

ازانجملہ چہارم قول جو اکثر معتزلہ کا قول
ہے۔ یہ ہے۔ کہ وہ فعل حضرت آدم سے غلطی
اجتہاد سے ہوا ہے جس سے لازم نہیں آتا
کہ انہیں انہوں نے گناہ کبیرہ کیا ہو۔ خدا
نے جب فرمایا کہ اس درخت کے نزدیک
نہ جاؤ۔ تو انہوں نے اس سے ایک خاص
درخت سمجھ لیا۔ "ہذہ" یا "اوس"۔ کا لفظ بولا
جاتا ہے تو کبھی اس سے کوئی خاص چیز مراد
ہوتی ہے۔ کبھی اس جنس کی عام چیزیں جیسے

لباسه واخرج عن الجنة ثم اجاب عنه بان ذلك يجوز يختلف باختلاف الاشخاص كما ان الرسول عليه السلام مخصوص بامور كثيرة فى باب التشديدات فكذا ههنا (تفسیر کبیر جلد اول صفحہ ۴۶۲) وغیرہ مختصرا غایۃ الاختصار

آنحضرت نے ایک دفعہ ریشمی کپڑا اور سونا ہاتھ میں لیا۔ اور کہا کہ یہ دو نو میری امت کی عورتوں کے لئے حلال ہیں۔ مردوں کیلئے حرام۔ حضرتِ آدم نے جب لفظ اس درخت کا سُنا تو یہ سمجھ لیا کہ یہ حکم ممانعت خاص ایک درخت کے متعلق ہے جس کی طرف اشارہ ہے۔ اور اوسکو چھوڑ کر دوسرے درخت سے کھالیا۔ اور اسمیں خطا کا ارتکاب کیا۔ کیونکہ خدا کی مراد اس سے جنس درخت تھی نہ خاص کوئی درخت۔

پھر اس قول پر کئی وجوہ سے اعتراض کیا۔ از انجملہ ایک یہ کہ فعل آدم خطا راجتہادی سے ہوتا تو اُسپر اسقدر عتاب کیوں ہوتا۔ کہ اُنکا لباس اوتارا گیا اور اون کو بہشت سے نکالا گیا۔ پھر اسکا جواب یہ دیا کہ یہ عتاب ان کے علو رتبہ کی نظر سے ہوا۔ اور یہ امر بنظر اختلاف اشخاص مکلفین جائز ہے۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت سے امور تکلیفی میں سختیوں سے مخصوص تھے۔ ویسے حضرت آدم ہوئے (یعنے بڑوں کی چھوٹی بات بھی بڑی سمجھی جاتی ہے۔ اور اُسپر انکو ایسی سخت سزا ملتی ہے جو چھوٹوں کو بڑی بات پر نہیں ملتی۔)

تجویز نسیان حضرت آدم پر شائد کوئی اعتراض کرے کہ اسصورت میں اس فعل حضرت آدم میں شیطان کا کچھ دخل نہوا۔ پھر آیات منقول حاشیہ میں

فازلهما الشيطن عنها فاخرجهما مما كان فيه۔ (البقرہ۔ ع ۴۔)

اس فعل آدم اور اسکے نتیجہ خروج از بہشت کو شیطان کی طرف منسوب کیوں کیا گیا ہے۔

فوسوس لھما الشیطان لیبدی عنھما (اعراف ع ۲) یبنی ادم لا یفتننکم الشیطان کما اخرج ابویکم من الجنۃ۔ (اعراف ع ۲)

اسکا جواب یہہ ہے۔ کہ گو بوقت میں اقدام فعل حضرت آدم کو نسیان لاحق ہوا مگر اس سے پیشتر ابلیس لعین بھی ان کے اخراج و اغوا کے فکر میں رہا۔ اور وسوسہ پیش کرتا رہا۔ اسلئے اس فعل اور نیت کی وجہ سے یہ فعل اور اسکا نتیجہ اسکی طرف منسوب ہوا۔ تو کیا برا ہوا۔

اور چونکہ ہر برائی اور خطا یا غلطی دراصل شیطان ہی کی ڈیوٹی یا خصلت ہر اور نیکی یا صواب وراست روی ملکی صفت۔ بنائً علیہ ابن آدم برائی کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ اسمیں اسی کا پیرو کار کہلاتا ہے۔ نیکی کرتا ہے تو وہ اس صفت میں نائب ملک کہلاتا ہے۔ لہذا الہامی کتاب کا عام محاورہ ہے کہ اسمیں ہر برائی کو شیطان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ کوئی شخص خواہ کوئی فعل بد کرے اوس کو شیطان کا فعل بتایا جاتا ہے۔ حضرت یوشع بن نون حضرت موسے کے ساتھی انہ سفر دریا میں مچھلی کا حال حضرت موسٰے سے کہنا بھول گئے تو وہ بھی یہی لفظ بولے کہ مجھے شیطان ہی نے بھلا دیا۔ کہ میں اوسکا حال آپ کے پاس ذکر کروں حالانکہ

ارایت اذا اوینا الی الصخرۃ فانی نسیت الحوت وما انسانیہ الا الشیطان ان اذکرہ (کہف ع ۹)

وہاں اسوقت ان کے پاس نہ شیطان اپنی صورت میں یا بصورت انسان آیا۔ اور نہ اونکو اُسنے کسی اور خیال یا باتوں چیتوں میں لگاکر مچھلی کا ذکر بھلایا۔ ایسا ہوتا تو قرآن یا حدیث میں یا مفسرین کی تفسیروں میں اسکا ذکر ہوتا اسوجہ سے بھی اس فعل آدم اور اُسکے نتیجہ کو شیطان کی طرف منسوب کرنا غلط اور ناروا نہیں ہے۔

بالجملہ اس بحث و بیان سے بخوبی ثابت ہوا۔ کہ حضرت آدم نے اس درخت کھانے

کے وقت دیدہ دانستہ خدا کا گناہ نہیں کیا۔ اون کو اس فعل کے وقت نسیان عارض ہو گیا تھا۔ یا اسمیں اُن سے خطا اجتہادی کا ارتکاب ہوا جس سے اون کی معصومیت کا بطلان نہیں ہوتا۔ جو لوگ اس فعل حضرت آدم سے انکا غیر معصوم ہونا نکالتے ہیں اور اس فعل میں اپنے باپ کو گنہگار بتاتے ہیں۔ وہ اپنے باپ کے ناشکر ہیں۔ اور ناخلف اولاد کہلانے کے مستحق ہیں۔

ہاں بھول چوک کی تجویز سے چارہ نہیں۔ اور نہ اُسپر اولاد کی طرف سے حضرت آدم پر کچھ طعن یا مذمت ہو سکتی ہے۔ یہ بھول چوک حضرت آدم سے ہوئی۔ تو اون کی اولاد سے بھی ہونی لازم ہے۔ اور باپ کی وراثت اولاد کو پہنچنا ضروری ہے حضرت نے فرمایا ہے نسی ادم فاکل من الشجرۃ فنسیت ذریتہ وخطاء ادم فخطاءت ذریتہ (مشکوۃ صفحہ) اور یہ بھی کہا گیا ہے اول الناس اول ناس پھر اس بھول چوک کے سبب آدم پر وہ طعن کر سکتا ہے جو اولاد آدم سے خارج ہو اور ابن آدم نہ کہلاوے۔

وازانجملہ قصہ حضرت نوح علیہ السلام ہے کہ اُنھوں نے اپنی قوم کے لئے بددعا کی۔ پھر حسب استدعا اُن کے عذاب طوفان آگیا تو آپ نے کافر بیٹے کے لئے نجات کی دعا کی منکرین عصمت کہتے ہیں کہ یہ دو نو فعل نوح کے معصیت ہوئے جسکے لئے اُنھوں نے بعد ان فعلوں کے خدا سے بخشش بھی مانگی اور قیامت کے دن اپنے اس گناہ کو یاد کر کے وہ شفاعت کے لائق ہونے سے انکار کرینگے۔ چنانچہ حدیث مشہور شفاعت میں یہ تصریح آچکی ہے۔

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا۔ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ (سورۃ نوح۔ ع ۲)

رب ان ابنی من اہلی وان وعدک الحق وانت احکم الحاکمین۔ قال یانوح انہ لیس من اہلک انہ عمل غیر صالح

فلا تسئلن عما لیس لك به علم
انی اعظك ان تكون من الجاھلین
قال رب انی اعوذ بك ان اسئلك
ما لیس لی به علم وان لا تغفرلی
وترحمنی اکن من الخسرین (سورہ
ھود ع - ۴ -)

فیاتون نوحا فیقول انی قد كانت
لی دعوۃ دعوت بھا علی قومی
نفسی نفسی (تیسیر الوصول و مشکوۃ صفحہ ۴۸۰)
ولفظ المشکوۃ ویذکر خطیئتہ التی
اصاب سواله ربه بغیر علم

قال قتادۃ دعا علیھم بعد ان
اوحی الیه انه لن یؤمن من قومك
الا من قد امن فاجاب اللہ دعائہ
واغرقھم (فتح البیان صفحہ ۹۶ جلد ۲)

قال ابن عباس لما جاءہ ھذا من
عند اللہ دعا علی قومه (تفسیر کبیر
صفحہ ۱۸ - جلد ۵ -)

لما دعا علی الکفار قال بعدہ رب
اغفرلی فیما صدر عنی من ترك
الافضل (تفسیر کبیر جلد ۸ - صفحہ ۳۱۲ -)

اسکا جواب یہ ہے کہ ان دونو فعلوں (بد دعا اور دعا) میں حضرت نوح نے کسی امر یا نہی کا دیدہ دانستہ خلاف نہیں کیا بلکہ بد دعا تو انہوں نے اسوقت کی تھی جبکہ خدا تعالے اُن کو فرما چکا تھا کہ اب تیری قوم سے کوئی ایمان نہیں لائے گا۔ یہ بات ابن عباس و قتادہ وغیرہ نے کہی ہے لہذا اُن کی ہلاکت کے لئے اُن کا بد دعا کرنا ظاہراً عین اتباع و توافق اس قول خداوندی کا تھا۔ ہاں اس سے بہتر و افضل یہ امر تھا کہ (جیسا کہ امام رازی نے کہا ہے) وہ شان ابراہیمی و خلق مسیحی کے مطابق جسکا ذکر ص ۴۷ میں ہو چکا ہے۔ پھر بھی اون پر رحم کرتے اور اس رحم کے تقاضا سے وہ ظاہر اس قول خداوندی میں "کہ اب کوئی ایمان نہیں لائیگا" تخصیص کرکے تاویل کرتے اور یہ خیال فرماتے کہ یہ ایک قول عام طور پر کہا گیا ہے۔ اور ممکن ہے کہ اسمیں بعض لوگ خدا کے علم میں مخصوص و مستثنے ہوں۔ اور اون کو خدا تعالے ہدایت کرے۔ اس خیال سے وہ قوم کے لئے دعاء ہدایت و نجات کرتے۔ جیسا کہ اسی خیال سے

ثم لما علم نوح بان سؤاله
لم يطابق الواقع وان دعاءه
ناش عن وهم كان يتوهم
بادر الى الاعتراف بالخطاء و
طلب المغفرة والرحمة -
وليس فى الاية ما يقتضى صدور
ذنب ومعصية من نوح سوى
تأويله واقدامه على سوال
مالم يؤذن له فيه وهذا ليس
بذنب ومعصية قال الخطيب
اخطاء فى ذلك الاجتهاد كما
وقع لادم فى الاكل من الشجرة
(فتح البیان صفحہ ۴۳۳ جلد ۲)

فحمل هذه الوجوه على ترك
الافضل والاكمل حسنات
الابرار سيئات المقربين والا
استغفار قد يكون بسبب
ترك الافضل (تفسیر کبیر صفحہ ۹۲ جلد ۵)

غالبًا انہوں نے بیٹے کے لئے دعا نجات
کی تھی اور اس کے اخیر میں یہ بات بھی عرض
کردی تھی۔ کہ خداوند تو سب حاکموں سے بڑھ کر
حاکم ہے۔ تو جو چاہے حکم کر سکتا ہے۔ یعنے
جس قوم کے لئے تیرا حکم ہلاکت ہو چکا ہو۔
اس قوم سے تو بعض کو مخصوص و مستثنے کر سکتا ہے
اور اس اصول پر تو میرے بیٹے کو گو وہ بظاہر
مجھ سے منکر و غائب ہو گیا ہے۔ اور میرے
اور اسکے بیچ میں طوفان کی موج آڑ ہو گئی
ہے۔ تو توفیق ایمان عطا فرما کر غرق ہونے سے
نجات بخشنے پر قادر ہے۔ اور اسپر یہ جزئیہ دعا معصیت ہونے سے
مبرا ہو سکتی ہے مگر جبکہ حضرت نوح نے قوم کیلئے ایسا نہ کیا
بلکہ ظاہری عموم قول خداوندی سے متمسک ہو کر شان
موسوی کے (جسکا ذکر ۲۷۳ صفحہ میں ہوا ہے) مطابق
قوم کیلئے بددعا کی تو آخر اس سے آپکو افسوس ہوا اور
یہ خیال آیا کہ مجھ سے خلاف رحم اور ترک افضل
ہوا۔ میں نے اپنے بیٹے کی مانند قوم کے حق میں
کیوں دعا نجات نہ کی جسپر اپنے خدا سے
بخشش مانگی ہے اور جب خدا تعالےٰ نے بیٹے کے حق میں دعا کرنے سے اون کو منع کیا۔ اور
معاف فرما دیا کہ وہ تیرا اہل (یعنے تیرے طریق پر) نہیں یعنے وہ ایمان نہیں لائیگا
تو اوسکے لئے دعا و سوال نہ کر۔ تو اوس سے آپ کو یقین ہوا۔ کہ وہ قول خداوندی

کہ اب کوئی ایمان نہیں لائے گا۔ اپنے عموم پر ہے۔ اور پھر اسمیں تخصیص تجویز کر کے تاویل کرنا خطا ہے۔ لہذا اس فعل پر آپنے خدا سے بخشش مانگی۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ ان دونوں فعلوں میں اُنہوں نے کسی امر یا نہی کا دیدہ و دانستہ صریح خلاف نہیں کیا۔ بلکہ اپنے خیال میں عین اتباع و توافق کیا تھا۔ مگر اپنے فعل (بددعا) میں آپسے ترک اولےٰ ہوا۔ اور دوسرے فعل دعا ر فرزند میں آپ سے خطا کا ارتکاب ہوا۔ جسکو گناہ و معصیت ہرگز نہیں کہا جاتا۔ ان ہی افعال ترک اولےٰ یا خطا کو آپ موقعہ شفاعت پر گناہ قرار دینگے۔ اور اون کی وجہ سے لائق شفاعت ہونے سے انکار کرینگے یہ آپکا کمال درجہ کا اتقا ہے۔ اور چھوٹی بات (ترک افضل یا خطا) کو بڑا گناہ سمجھنا اہل کمال کا کام ہے۔ اور کسر نفسی اور فروتنی ان ہی کا شیوہ ہے حسنات الابرار سیئات المقربین عام نیکوں کی بھلائیاں خاص مقربین کی بُرائیاں متصور ہوتی ہیں۔ اور اس پر یہ سمجھنا اور نکال لینا کہ وہ واقعہ میں گنہگار تھے۔ ان لوگوں کا کام ہے جنکو مفاہیم کلام میں دخل نہیں۔ اور درجات و مراتب انبیاء و دیگر اہل کمالات کے علم سے حصہ نہیں۔

یہ جواب اگرچہ علمائے کرام کے اقوال و اشارات سے جو منقول ہوئے مستفاد و مفہوم ہوتا ہے مگر جو تقریر جواب اور اوس کی وجوہات مرقوم ہوئی ہیں وہ اس خاکسار کو خدا تعالےٰ نے الہام فرمائی ہیں۔

علماء کرام نے یہ بیان کیا ہے کہ بددعا میں حضرت نوح نے ترک افضل کیا۔ مگر اسکی وجہ بیان نہیں کی۔ کہ کفار کے حق میں بعد الہام الٰہی کہ وہ مومن نہ ہوں گے دعا ہلاکت کیوں خلاف افضل ہے یہ بھی علماء نے کہا ہے کہ حضرت نوح فرزند کے لئے دعا کرنے میں خطاء اجتہادی اور تاویل کی۔ مگر یہ نہ بتایا کہ حضرت نوح کے فرزند کو کشتی میں سوار ہونے اور کافروں کے ساتھ نہ رہنے کے لئے بلانے اور بیٹے کے اس سے

تکذیب و استہزا کے ساتھ انکار کرنے اور انکے بیچ میں موج طوفان کے حائل ہو جانے اور لڑکے کے غرق ہو جانے کے بعد دعا نجات یا ایمان کا محل کیونکر ہو سکتا تھا۔ اور اس میں انہوں نے کونسی تاویل کی تھی جسمیں انسے خطا ہوئی۔ یہ دونو وجہیں خدا تعالے نے خاکسار کو سوجھائی ہیں۔ فللہ الحمد

وازانجملہ قصہ حضرت ابراہیم ہے۔ کہ انہوں نے تین جھوٹ بولے۔ ایک انکا قوم کو جب انہوں نے اون کو اپنے میلہ میں لیجانا چاہا ستارہ دیکھ کر "انی سقیم" یعنے میں بیمار ہوں۔ کہنا۔ دوسرا انکا بتوں کو خود توڑنا۔ اور پھر کہنا بڑے بت نے اونکو توڑا ہے۔ تیسری اپنے بیوی سارہ کو بہن کہدینا۔ ان تینوں باتوں کو حدیث صحیح میں کذب کہا گیا ہے۔ اور خود حضرت ابراہیم شفاعت کے موقعہ پر اپنے یہ تینوں جھوٹ یاد کر کے نفسی نفسی کہیں گے۔ اور ان کی وجہ سے اپنا لایق شفاعت نہ ہونا بیان کرینگے چنانچہ حدیث شفاعت میں صاف آچکا ہے ایک جھوٹ اور بھی حضرت ابراہیم کے ذمہ منکرین عصمت لگاتے ہیں۔ بلکہ اسکو انکے اعتقادی گناہ (کفر) شمار کرتے ہیں۔ وہ انکا ستارہ اور چاند سورج کو ھذا ربی کہنا ہے۔

فنظر نظرة فی النجوم فقال انی سقیم (والصافات-ع-۳-)

بل فعله کبیرهم هذا فسئلوهم ان کانوا ینطقون (الانبیاء-ع-۵-)

لم یکذب ابراهیم الا ثلث کذبات کلها فی ذات الله تعالی قوله انی سقیم وقوله بل فعله کبیرهم هذا وقوله لسارة هی اختی (بخاری ومسلم)

وفی حدیث الشفاعة انی قد کنت کذبت ثلث کذبات فذکرها نفسی نفسی (تیسیر الوصول ومشکوة ص۴۸۳)

فلما جن علیه اللیل رای کوکبا قال هذا ربی الآیة (انعام-ع-۹-)

اسکا جواب یہ ہے کہ پہلے تینوں جھوٹ صورت میں جھوٹ کے مشابہ

ہیں۔ اور ایک کسی ظاہری کی نظر سے اونکو جھوٹ کہا جاسکتا ہے۔ مگر درحقیقت وہ صحیح معانی تاویلات بھی رکھتے ہیں جنکی نظر سے اونکو سچ اور بالکل سچ کہا جاسکتا ہے اور یقیناً وقطعاً حضرت ابراہیم نے انہی معانی کے ارادہ سے وہ تینوں قول فرمائے ہیں۔ اور اُن معانی کی مراد ہونے سے آپ سچے تھے۔ گو اُنکے مخاطبوں نے وہ معنے اُنکے نہیں سمجھے۔ اور نہ وہ معانی حضرت نے اپنے مخاطبین کو سمجھانے چاہے۔ اور اُن ہی معنے کی مراد سمجھی جانے سے وہ اقوال جھوٹ اور خلاف واقعہ قرار دیئے گئے ہیں۔

غرض ان اقوال کے دو معنے ہیں۔ ایک وہ جو حضرت ابراہیم نے مراد رکھے جنکی نظر سے وہ اقوال سچے ہیں۔ دوسرے وہ معنے جو مخاطبین کو آپ نے سمجھائے اور اونہوں نے سمجھے۔ ان معانی کی نظر سے وہ الفاظ جھوٹ کہلاتے ہیں۔ ایسے دو معنے (یا بقول عوام ذو معنے) کلام توریہ وتعریض کہلاتی ہے۔ جسکا شرع محمدی میں یہ حکم ہے کہ ضرورت کے وقت (جبکہ اس سے اپنے حق کو بچانا یا حاصل کرنا مقصود ہو) اسکا استعمال جائز ہے۔ غیر حالت ضرورت میں جب ایسی کلام سے کسی کو نقصان پہنچانا یا اُسکا حق تلف کرنا مقصود ہو جائز نہیں ہے۔

اسکی ایک دو مثالیں ہم اپنی بول چال میں بیان کرتے ہیں۔ پھر ان اقوال ثلثا کے صحیح معانی کی تشریح کریں گے۔

تم سے ایک شخص ناحق اور ظلم سے کچھ روپیہ لے کر دبانا چاہتا ہے۔ تو تم اوسکے جواب میں اگر یہ کہو کہ میرے پاس روپیہ نہیں ہے۔ اور اس سے یہ مراد رکھو کہ میری جیب یا ہاتھ میں نہیں گو صندوق میں بہت کچھ ہو۔ تو یہ کلام جائز اور سچ ہے۔ گو ان معنے کی نظر سے جو مخاطب نے اس سے سمجھے ہوں جھوٹ معلوم ہوتا ہے۔

وہی روپیہ اگر واجبی اس شخص کا حق ہو اور پھر تم اپنی جیب یا ہاتھ میں نہ ہونے کی نیت و مراد سے یہ کہدو کہ میرے پاس روپیہ نہیں ہے تو یہ تمہارا کلام جائز نہیں ہے

اور سراسر جھوٹ اور دھوکہ بازی ہے۔ گو تمہاری نیت اور معنے مراد سے وہ سچا ہو۔

دوسری مثال ایک ظالم ایک شخص کو ظلماً مارنا چاہتا ہے۔ اور وہ مظلوم تمہارے گھر آکر چھپ گیا تم اگر عندالاستفسار ظالم سے یہ کہدو کہ وہ یہاں نہیں ہے اور اس سے مراد وہ خاص ٹکڑا زمین کا جہاں تم کھڑے ہو یا جہاں تم نے انگل یا ہاتھ رکھدیا ہو دل میں ٹھرالو۔ تو تمہارا یہ قول سچ اور جائز ہے۔ اور اگر وہ شخص ظالم ہے جسکو تم نے چھپایا ہے اور پکڑنے والا مظلوم ہے تو عندالاستفسار تمہارا یہ کہنا کہ وہ یہاں نہیں ہے۔ اور اس سے مُراد وہ ٹکڑا زمین یا وہ جگہ جہاں تمہارا ہاتھ ہو ٹھیرالینا جائز نہیں ہے۔ اور اس سے وہ کلام سچ اور جائز نہیں ہوسکتا۔ بلکہ وہ سراسر جھوٹ اور ظلم ہے۔

اور ایسکے وہی معنے مراد سمجھے جانے متعین اور ضروری ہیں جو تمہارے مخاطب مظلوم نے سمجھے ہیں ایسے مواقع پر جہاں کوئی بلا ضرورت وناحق تعریض کرے اور کلام کے ظاہری معنے چھوڑکر کوئی اور معنے دل میں ٹھیرالے۔ اور اُس پر قسم کھا جائے شریعت محمدی میں اُسکا حکم یہ آچکا ہے۔ کہ اوس کلام کے وہی معنے مراد سمجھے جائیں گے جو مخاطب نے سمجھے۔ اور ان ہی معنے کی نظر سے اوسکو جھوٹا (اگر مطابق واقعہ نہ ہوں) یا سچا (اگر وہ مطابق واقعہ ہوں) قرار دیا جائیگا۔

> یمینك على ما يصدقك به صاحبك (صحیح مسلم مشکوۃ ص ۳۰۸)

ان تمثیلات سے تعریض کے معنے اور حکم ناظرین امید ہے سمجھ لینگے اب ہم یہ بیان کرتے ہیں۔ کہ ان **اقوال ثلثہ** حضرت ابراہیم کے صحیح معنے جنکی نیت ومراد سے اُنھوں نے وہ اقوال فرمائے تھے۔ اور ان معنے کر وہ اقوال سچ اور صحیح ہوسکتے ہیں۔ کیا ہیں۔

آپ کا پہلا قول انی سقیم یعنے میں بیمار ہوں۔ اس نیت ومراد سے

قوله ان سقیم ای مریض القلب بسبب اطباق ذلک الجمع العظیم علی الکفر والشرک (تفسیر کبیر صفحہ۱ جلد ۶)

وهذا توریة وتعریض لما قال للملک حین ساله عن سارة هی اختی یعنی اخوة الدین وقال سعید بن جبیر اشار لهم الی مرض یسقم ویعدی وهو الطاعون وکانوا یهربون من ذلک قال ابن عباس سقیم ای مریض وقال ایضا مطعون ولهذا قال فتولوا عنه مدبرین ای ترکوه وذهبوا مخافة العدوی (فتح البیان صــــ)

کہا گیا تھا۔ کہ اگر میں تمہارے بتوں کے میلہ میں جاؤنگا تو دل کی بیماری سے بیمار یعنے گنہگار یا غمزدہ ہو جاؤں گا اور اون کے مخاطبوں نے اس کلام سے یہہ مطلب سمجھا۔ کہ اوسکو کوئی ایسا وبائی مرض ہے یا ہونے والا ہے۔ جو متعدی ہوتا ہے۔ یہ معنے سمجھ کر وہ آپ کو چھوڑ گئے اور میلہ میں نہ لے گئے۔ یہی اس کلام کے ظاہری معنے سمجھانے سے حضرت ابراہیم کا مقصود تھا۔ وہ لوگ میلے میں چلے گئے۔ تو آپ نے اون کے بتوں کا کام تمام کیا۔ اور سب کو توڑ پھوڑ کے تبر یا کلہاڑہ کو بڑے بت کے کندھے پر رکھ دیا۔ اور فرمایا کہ یہ فعل اسی نے کیا ہے۔

آپ کا یہ قول دوم۔ کہ یہ فعل بڑے بت نے کیا ہے۔ اس نیت وامراد

ان قصد ابراهیم علیه السلام لو یکن الی ان ینسب الفعل الصادر عنه الی الصنم وانما قصد تقریره لنفسه واثباته لها علی اسلوب تعریضی یبلغ فیه غرضه من

فرمایا گیا تھا کہ یہ بت کچھ نہیں کرسکتے۔ یہ فعل میں نے کیا ہے۔ مگر یہ کہنا تعریض اور ہنسی کے طور پر ہوا ہے تاکہ وہ اس قول کے ظاہری معنے سمجھ کر اوسکا اثر بتوں میں نہ پاکر شرمندہ و ذلیل ہوں اور اُن پر حجت پوری ہو۔

الزامهم الحجة وتبكيتهم وهذا
كما لو قال لك صاحبك وقد كتب
كتابا بالخط رشيق وانت شهير بحسن
الخط ءانت كتبت هذا وصاحبك
امي لا يحسن الخط ولا يقدر الا على
خرمشة فاسدة فقلت له بل
كتبته انت فقصدك بهذا
الجواب تقريره لك مع الاستهزاء
به لا نفيه عنك واثباته للامي
(تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۱۲۳)

اُس کی مثال ایک خوشنویس کا ایک
بدخط کو جس نے خوشنویس کے ایک کتبہ
کی نسبت پوچھا ہو کہ کیا یہ تم نے لکھا ہے
یہ کہنا کہ نہیں تمہارا لکھا ہے جس سے اسکا مقصود یہ ہوتا ہے
کہ تو پوچھتا ہے کیا یہ میرا لکھا نہیں تو تیرا لکھا ہے؟ اس قول کے
ظاہری معنے میں جو اس فعل کے بت کی طرف
نسبت ہوئی۔ تو اوس کو سُن کر مخاطبین منہ
ہوئے اور صحیح معنے اس قول کے سمجھ گئے
کہ یہ ہم سے ہنسی کرتا ہے۔ اور یہ کہہ رہا ہے
کہ بت کچھ نہیں کر سکتے۔ مگر آخر عناد و جہل
سے اس سمجھ پر قائم نہ رہے۔ چنانچہ قرآن میں بیان ہوا ہے۔ کہ وہ قول ابراہیم کو

فرجعوا الى انفسهم اى رجع بعضهم
الى بعض وذلك انهم تنبهوا و
افهموا عند هذه المقالة ان من
لا يقدر على دفع المضرة عن
نفسه يستحيل ان يكون مستحقا
للعبادة فقالوا انكم انتم الظالمون
لانفسكم بعبادة هذه الجمادات
ثم نكسوا على رءوسهم رجعوا
الى جهلهم وعنادهم شبه سبحانه
عودهم الى الباطل بصيرورة

سُن کر وہ اپنے جی میں سوچنے لگے۔ اور آپس میں
بولے کہ ظالم تم ہی ہو۔ پھر اوندھے ہو کر
گرے۔ اور بولے تو جانتا ہے کہ بت
تو نہیں بولتے۔ تب حضرت ابراہیم بولے
پھر کیا اللہ کے سوا ایسی چیز کو پوجتے ہو
جو کچھ نفع نہ دے اور نہ نقصان پہنچا دے
تف ہے تم کو اور تمہارے معبودوں کو
تم عقلمند نہیں بنتے۔

تیسرے قول (بیوی کو بہن کہنے)
کے صحیح معنے ور دلی مراد حضرت ابراہیم

اسفل الشیٔ اعلاہ لقد علمت ما ھؤلاء ینطقون (فتح البیان ص)

اپنی زبان مبارک سے بذات خود بتا گئے ہیں۔ کسی دوسرے کی توجیہ وتاویل کی حاجت باقی نہیں چھوڑ گئے۔

صحیح مسلم میں اس حدیث کے ضمن میں آنحضرت سے مروی ہے۔ کہ حضرت ابراہیم

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی حدیث ثلث کذبات ابراھیم وواحدۃ فی شان سارۃ فانہ قدم ارض جبار ومعہ سارۃ کانت احسن الناس فقال لھا ان ھذا الجبار ان علم انک امرأتی یغلبنی علیک فان سألک فاخبریہ انک اختی فانک اختی فی الاسلام فانی لا اعلم فی الارض مسلما غیری وغیرک (صحیح مسلم ص جلد ۲) فسألہ عنھا فقال من ھذہ قال اختی فاتی سارۃ فقال یا سارۃ لیس علی وجہ الارض مؤمن غیری وغیرک وان ھذا سألنی فاخبرتہ انک اختی فلا تکذبینی (صحیح بخاری ص)

ایک جابر (ظالم) بادشاہ کے علاقہ میں گئے اور اون کی بیوی سارہ آپ کے ساتھ تھی جو بہت خوبصورت تھی۔ حضرت ابراہیم نے اوسکو کہا یہاں ایک ظالم بادشاہ ہے وہ اگر یہ جان لے گا کہ تو میری بیوی ہے تو وہ مجھ پر غلبہ کر کے تجھے لیجائے گا۔ لہذا اگر وہ پوچھے تو تم یہ کہدینا کہ میں اوس کی بہن ہوں۔ اور واقعہ میں تو دین اسلام میں میری بہن ہے۔ اس زمین میں میرے اور تیرے سوا کوئی مسلمان نہیں۔ (۲) صحیح بخاری میں اس موقعہ پر یوں آیا ہے کہ اوس جبار نے پہلے حضرت ابراہیم سے پوچھا کہ یہ کون ہے تو آپ نے کہدیا کہ یہ میری بہن ہے۔ پیچھے سارہ کو آپ نے وہ بات کہی جو اوپر بیان ہوئی۔ اور آپ نے یہ فرمایا کہ میرے اور تیرے سوا یہاں مومن کوئی نہیں۔ تجھکو بادشاہ پوچھے تو

کان من عادۃ ذلک الجبار ان لا

تعرض الا للذات الزوج ۔ (فتح الباری شرح صحیح البخاری)	تحتے مجھے نہ جھٹلانا۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری میں ہے

کہ اس ظالم کی عادت یہ تھی کہ وہ بجز شوہر والی عورت کے کسی دوسرے سے تعرض نہ کرتا تھا۔

ان تینوں اقوال ابراہیمی کے صحیح اور سچے معنے جنکی نظر سے یہ اقوال سچ ہو سکتے ہیں ناظرین کو معلوم ہوئے تو اس ان کو یقین ہو سکتا ہے۔ کہ وہ اقوال حقیقت اور نفس الامر میں اور حضرت ابراہیم کی نیت اور دلی مراد کی نظر سے کذب نہیں ہو سکتے۔ ان کو جو حدیث میں کذب کہا گیا ہے تو صرف اُن کی ظاہری صورت اور ان معنے کی نظر سے

المراد بالکذب الکذب بصورۃ لا حقیقۃ فیؤل ذالک بانہ کذب بالنسبۃ الی فہم السامعین اما فی نفس الامر فلا ۔ (خیر جاری شرح صحیح بخاری)	جو سامعین نے سمجھے۔ اور وہی معنے حضرت ابراہیم نے اون کو سمجھانے چاہے۔ جسپر اون کو ضرورت باعث ہوئی۔ اور اوس ضرورت کی وجہ سے اون کو ایسا کرنا جائز ہوا۔

اب رہا جواب اس سوال کا کہ حضرت ابراہیم خود ان اقوال ثلثہ کو کذب کہینگے اور ان کی وجہ سے لائق شفاعت ہونے سے انکار کرینگے۔ اگر یہ قول ان کی نیت و مراد کی نظر سے سچے اقوال ہو سکتے تو وہ اون کو ایسا کیوں سمجھتے۔ سو جواب یہ ہے کہ انکا ایسا سمجھنا اون کے علو درجہ توحید و نبوت و خلت کی نظر سے ہے۔ حضرت ابراہیم جیسے موحد اور ظاہری اسباب دنیا پر اعتماد نہ کرنے والے صرف خدا تعالےٰ پر بھروسہ کرنے والے تھے۔ کہ جب وہ جلتی آگ میں ڈالے جانے کو تیار کئے گئے تو آپ کی پاس ہوا اور بارش کے فرشتے پہنچے۔ اور خواستگار ہوئے کہ اگر آپ چاہیں تو ہم اس آگ کو بجھا دیں۔ اور اوڑا دیں۔ آپ نے فرمایا مجھے تمہاری طرف کوئی

فلما ارادوا القائه فی النار اتاه خازن المیاه فقال ان اردت اخمدت النار واتاه خازن الریاح فقال ان شئت طیرت النار فی الھواء فقال ابراھیم لا حاجة لی الیکم حسبی اللہ ونعم الوکیل (معالم صفحہ ۵۸۹)

فاتاہ جبریل علیہ السلام وقال یا ابراھیم ھل لک حاجة فقال اما الیک فلا قال فاسئل ربک قال حسبی من سوالی علمه بحالی (تفسیر کبیر صفحہ ۱۶۵ جلد ۶)

حاجت نہیں میرا اللہ میرے لئے کافی ہے۔ پھر حضرت جبریل آئے اور بولے کہ کچھ حاجت ہو تو فرمائیے۔ آپ نے فرمایا مجھے تمہاری حاجت نہیں ہے پھر انہوں نے کہا خدا ہی سے عرض والتجا کرو۔ آپ نے فرمایا۔ میرے سوال والتجا کی جگہ خدا کا میرے حال کو جاننا کافی ہے۔

اون کی اس توحید اور اعتماد وبائے دنیا اٹھا کر خدا پر بھروسہ کرنے کا مقتضا اور لازمہ یہ تھا۔ کہ وہ تینوں موقعہ پر اپنے مخالفوں اور مخاطبوں کے ایذا کا خوف اوٹھا کر اون کو ایک معنے والے صاف لفظوں میں دندان شکن جواب دیتے۔ او صاف کہتے کہ بتوں کے میلہ میں نہیں جاونگا۔ (۲) اون کو میں نے توڑا ہے۔ (۳) یہ میری عورت ہے۔ اور ذومعانی الفاظ جنکے ظاہری معنے مخاطبین کے فہم مخاطبین جھوٹ تھے۔ نہ بولتے اور اسمیں شرعی جواز کیطرف رجوع نہ کرتے۔ اونہوں نے ایسا نہ کیا۔ بلکہ کافروں دشمنوں کے خوف ایذا وحشت کے خوف سے ایسا کلام بولا جو عام مسلمانوں کے لئے جائز تھا۔ تو اون کو اپنے اعلے مقام توحید وخلت کا لحاظ ہوا۔ اور ڈر لگا۔ پس انہوں نے بحکم حسنات الابرار سیئات المقربین۔ اوسکو اتنا بڑا گناہ قرار دیا۔ کہ اسکی وجہ سے اپنے آپ کو لائق شفاعت نہ سمجھا۔ اس سے ہرگز اور کسیطور سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ واقعہ میں بھی وہ گناہ ہے

اور اس درجہ کا جرم ہے کہ وہ لائق شفاعت نہ رہنے دے۔

کذب چہارم جو اُن کے ذمہ لگایا جاتا ہے جس سے اُنکا بداعتقاد ہونا بھی ثابت کیا جاتا ہے۔ اُس سے بھی اُنکا گنہگار ہونا ثابت نہیں ہوتا ہے۔ اور نہ بداعتقاد ہونا۔

امام رازی نے تفسیر میں فرمایا ہے۔ آپ کا یہ قول ستاروں کو ھذا ربی کہنا، دو احتمال رکھتا ہے۔

بقی ههنا احتمالان - الاول ان يقال هذا الكلام ابراهيم بعد البلوغ ولاكن ليس الغرض منه اثبات ربوبية الكواكب وكان مذهبهم ان الكواكب ربهم والهتهم فذكر ابراهيم ذلك القول الذى قالوه بلفظهم وعبارتهم حتى يرجع اليه فيبطله ومثاله ان الواحد منا اذا ناظر من يقول بقدم الجسم فيقول الجسم قديم الخ
والوجه الثانى فى التاويل معناه هذا ربى فى زعمكم واعتقادكم ونظيره ان يقول الوحد للمجسم على سبيل الاستهزاء ان الهه جسم محدود اى فى زعمه واعتقاده - قال تعالى و

احتمال اوّل یہ کہ یہ قول حضرت ابراہیم نے حد کمال کو پہنچنے کے بعد فرمایا ہو۔ لیکن اس صورت میں آپ کی غرض اس قول سے یہ نہیں کہ ستاروں کا رب ہونا ثابت کریں بلکہ سات تاویلات وجوہات سے کوئی نہ کوئی اس قول کی وجہ تاویل ہوسکتی ہے۔

اوّل یہی کہ آپ کا مباحثہ اُن لوگوں سے تھا جو ستاروں کو رب معبود سمجھتے تھے۔ اس لئے آپ نے اُن ہی کا قول اُنکے الفاظ میں نقل کیا تا کہ پھر اس قول کا رد کریں جو آخر کیا۔ اسکی مثال یہ کہ ہم کسی جسم کو قدیم ماننے والے سے مباحثہ کرتے ہیں تو پہلے یہ کہتے ہیں کہ جسم قدیم ہے۔ پھر اوس کو دلائل سے باطل کرتے ہیں۔

وجہ دوم۔ یہ کہ اس قول کے معنے یہ ہوں کہ یہ ستارہ تمہارے خیال میں ربّ

وانظر الی الهك الذی ظلت
علیه عاکفا۔ وقال تعالی یوم
ینادیهم فیقول این شرکائی۔و
کان صلوات الله علیه یقول
یا اله الالهه والمراد انه تعالی
اله الالهة فی زعمهم وقال
ذق انك انت العزیز الکریم
الوجه السادس انه صلی الله علیه
وسلم اراد ان یبطل قولهم بربوبیة
الکواکب الا انه لو صرح بالدعوة
الی الله لم یقبلوا و لم یلتفتوا الیه
فمال الی طریق به یستدرجهم
الی استماع الحجة وذلك بان ذکر
کلاما یوهم کونه مساعدا علی
مذهبهم مع ان قلبه کان مطمئنا
بالایمان ومقصوده من ذلك
تمکنه من الدلیل علی ابطاله
واما الاحتمال الثانی وهو انه
ذکره قبل البلوغ وعند القرب
منه تقریره انه تعالی کان قد خص
ابراهیم بالعقل الکامل والقریحة

اسکی مثال کسی موحد کا مجسم کو ہنسی کے طور
پر یہ کہنا کہ تمہارا خدا مجسم محدود ہے یعنے
اوس کے خیال و اعتقاد میں۔
اسکی دوسری مثال حضرت موسے کا
سامری کو یہ کہنا کہ دیکھ اپنے معبود کو جس پر
تو جم رہا ہے (یعنے گوسالہ کو) میں اوسکو
جلاتا ہوں۔
تیسری مثال خدا کا فرمانا کہاں ہیں میرے
شریک (یعنے تمہارے خیال میں)
چوتھی مثال آنحضرت کا فرمانا یا الہ الالھة
یعنے۔ جو لوگوں کے خیال میں معبود
ہیں تو انکا معبود ہے۔
پانچویں مثال دوزخی کو کہنا چکھ کہ
تو عزت والا شریف ہے (یعنے اپنے خیال
میں) ایسے ہی امام نے تیسری چوتھی وجہ
بیان کیں۔ پھر فرمایا
چھٹی وجہ یہ ہے کہ آپ نے اون کا
خیال ستاروں کو رب سمجھنے کا باطل کرنا
چاہا۔ مگر پہلے ہی سے صاف طور پر خدا
کی طرف بلاتے تو وہ نہ سنتے۔ لہذا آپ
ایسے طریق کی طرف مائل ہے جس سے و

الصافیہ فخطر بالہ قبل بلوغہ اثبات الصانع فتفکر فرای النجم فقال ہذا ربی فلما شاہد حرکتہ قال لا احب الافلین ثم انہ تعالی اکمل بلوغہ فی اثناء ہذا البحث فقال فی الحال انی بریء مما تشرکون۔ فہذا الاحتمال لا باس وان کان الاحتمال الاول اولی بالقبول (تفسیر کبیر صفحہ ۱۱۱و ۱۱۳-وغیرہ جلد ۴-)	سہولت سے اون کو خدا کے رب ماننے کی دلیل کی طرف کھینچ لائیں سپہلے انہوں نے ایک لفظ بولا جس سے وہ لوگ خیال کریں کہ یہ بھی ہمارے خیال کے موافق ہے۔ حالانکہ دل سے آپ خوب مطمئن تھے کہ انکا رب خدا تعالے ہی ہے۔ اس لفظ بولنے سے آپ کا مقصود یہ تھا۔ کہ ستاروں کے رب ہونے کو باطل کریں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔ دوسرا احتمال کہ وہ قول اپنے قبل بلوغ بولا ہے۔ انکی تقریر یوں ہوسکتی ہے۔ کہ آپکی

طبیعت صاف اور عقل کامل خدا نے بنائی تھی۔ بلوغ کے پہلے اسکے قریب آپ کو اپنا خدا ثابت کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ اور ستارہ نظر آیا تو آپ نے اوسکو رب کہدیا جب اوسکی حرکت دیکھی تو کہا میں اوسکو نہیں چاہتا۔ اسی اثناء میں خدا نے آپ کے بلوغ کو پورا کر دیا۔ تو آپ نے فوڑا کہدیا۔ اے قوم میں ان سب سے بیزار ہوں جنکو تم شریک خدا بتاتے ہو۔ اس احتمال میں بھی کوئی برائی نہیں۔ اگرچہ پہلا احتمال زیادہ لائق قبول ہے۔

الحاصل یہ قول اگر آپ کے زمانہ نبوت وکمال کے بعد واقعہ ہوا۔ فرض کریں تو اوسکے عمدہ محامل ومعانی پیدا ہوسکتے ہیں۔ جو امام رازی نے بیان کئے ہیں اور اگر یہ نبوت سے پہلے اور زمانہ بلوغ سے پیشتر تلاش حق کے وقت کا ہے تو یہ کسی اعتراض کا محل نہیں ہے۔ اور یہ قادح عصمت ہرگز نہیں ہوسکتا۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے۔ کہ حضرت ابراہیم جب پیدا ہوئے۔ تو بخوف قتل عام جو اُسوقت کے بادشاہ نمرود کے حکم سے جاری تھا۔ وہ ایک غار چھپائے گئے تھے۔ اور وہیں پرورش پائی۔ جب وہاں سے نکلے تو وہ رات کا وقت تھا۔ آپ کی نظر پہلے ستارہ پر پڑی۔ پھر چاند نکلا تو دیکھا۔ پھر دن نکلا تو سورج نظر آیا تب آپ نے وہ کلمہ فرمائے۔

امام رازی نے تفسیر کبیر میں اس قصہ کا بارہ دلائل سے ابطال کیا ہے۔ اور ثابت کیا ہے کہ یہ قول آپ نے قوم کے مباحثہ و مقابلہ میں کہا ہے۔ یا کمال بلوغ سے پہلے تلاش حق کے وقت چنانچہ منقول ہوا۔

ازانجملہ قصہ حضرت موسےٰ ہے۔ کہ آپ نے ایک قبطی کو مکا مار کر قتل کیا۔ اور اسکو عمل شیطان بتایا۔ پھر خدا سے اس قصور کی بخشش مانگی تو قصور معاف ہوا منکرین عصمت کہتے ہیں یہ فعل موسےٰ کبیرہ گناہ ہوا

> فوکزہ موسی فقضی علیہ قال هذا من عمل الشیطان انه عدو مضل مبین ﴿ (قصص۔ ع۔ ۲۔)

اسی واسطے حضرت موسےٰ شفاعت کے موقعہ پر اس فعل کو یاد کرکے اپنے لائق شفاعت ہونے سے انکار کرینگے۔ چنانچہ حدیث شفاعت میں آچکا ہے۔

اسکا جواب یہ ہے۔ کہ یہ قتل عمداً واقع نہیں ہوا۔ اور ایک مکا سے غالباً آدمی مارا بھی نہیں جاتا۔ حضرت موسےٰ نے اس فعل سے صرف مقتول کو ایک مظلوم پر حملہ کرنے سے روکنا چاہا تھا۔ نہ مار ڈالنا وہ کمزور ہونے کے سبب مکہ سے مر گیا تو اس میں حضرت موسےٰ کا گناہ تا نہیں ہوتا۔ اور اگر ہو بھی تو یہ فعل آپکا نبوت سے پہلے تھا۔ یہ امر نص قرآنی

> لم یقصد موسی قتل القبطی وانما قصد دفعه فاتی ذالك علی نفسه خطاءً فندم و دفنه فی الرمل والوکزة لاتقتل غالباً۔ هذا کا ارتا دیلات محافظة علی ما تقرد

من عصمت الانبیاء ولاشك انهم معصومون عن الکبائر والقتل الواقع منه لم یکن عن عمد۔ فلیس کبیرة لان الوکزة غالبا لا تقتل و قیل بل کان من قبیل دفع الصائل وهو لا اثم فیه

(فتح البیان صفحه ۴۴۵ و ۴۴۶۔ جلد ۴۔)

فعلتها اذا وانا من الضالین ای الجاهلین قال ابن عباس فتنی عن نفسه الکفر وانه فعل ذلك علی الجهل قبل ان یاتیه العلم الذی علمه الله (فتح البیان ص۳۵۲ جلد ۳۔)

علی نا ان سلمنا دلالة هذه الایة علی صدور المعصیة لکنا نبهنا ازه لا دلیل علی انه کان رسولا فی ذلك الوقت فیکون ذلك صادرا منه قبل النبوة وذلك لا نزاع فیه

(تفسیر کبیر ص۵۹۵ جلد ۶۔)

سے ثابت ہے۔ چنانچہ سورۂ شعرا میں بیان ہے کہ فرعون نے موسےٰ کو اس قتل کا الزام دیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ مجھ سے جس وقت اس قتل کا وقوع ہوا ہے۔ اسوقت میں بھولا ہوا یا نادان تھا۔ (خدا نے مجھے وہ علم نہ دیا تھا۔ جو بعد میں آیا) پس خدا نے مجھے حکم عطا کیا اور رسولوں میں داخل کیا اس صورت میں یہ فعل کسی اعتراض کا محل نہیں ہو سکتا۔ اور اس سے عصمت موسےٰ علیہ السلام کا ابطال نہیں ہو سکتا۔

اب رہا سوال کہ حضرت موسےٰ نے اس فعل کو گناہ اور ظلم سمجھا۔ اور دنیا میں اس سے معافی طلب کی۔ اور قیامت میں اسکے سبب وہ لائق شفاعت ہونے سے انکار کرینگے اسکا وہی جواب ہے کہ ان کا ایسا کرنا انکے کمال درجہ اتقا، و منصب نبوت کے تقاضا سے ہے۔ بحکم حسنات الابرار سیأت المقربین انہوں نے ایک جائز اور بلحاظ نیت ایک بہتر فعل کو گناہ سمجھا۔ اس سے دوسرے کو نہیں پہنچتا۔ کہ وہ اس فعل کو گناہ کہے۔ اور اس سے انکی عصمت پر قدح و اعتراض کرے۔

از انجملہ قصہ حضرت یوسف علیہ السلام ہے جسمیں یہ بیان ہے۔ کہ عزیز کی عورت (زلیخا)

ولقد همت به وهم بها لولا ان رأى برهان ربه كذلك لنصرف عنه السوء و الفحشاء انه من عبادنا المخلصين (یوسف ع ۳-۲۴)

نے یوسف کو چاہا۔ اور اس نے اس عورت کو چاہا۔ اگر یہ نہوتا کہ اُسنے خدا کی دلیل دیکھی یہ اسلیئے ہوا کہ ہم اس سے برائی اور بیحیائی کو پھیر لیں۔

منکرین عصمت بدست آویز نقل بیان

تفسیر واحدی وغیرہ کہتے ہیں کہ حضرت یوسف زلیخا سے فعل بد پر آمادہ ہو گئے تھے خدا نے اون کو جبرًا اس فعل سے ہٹایا۔ اور بچایا۔ اون کی طرف سے تو عصمت میں فرق آچکا تھا۔ اسیوجہ سے انہوں نے کہا ہے۔ کہ میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا یہ نفس برائی کا حکم کرنے والا ہے۔

اسکا جواب امام رازی نے تفسیر کبیر میں عمدہ تفصیل سے دیا ہے۔ اور واحدی وغیرہ کی نقل و بیان کا اچھی طرح سے ابطال کیا ہے۔ (جزاک اللہ خیرا) ہم واحدی وغیرہ کی اس لغو وبیہودہ روایات کو اس مقام میں تفصیل نقل کرنا۔ پھر اسکا جواب دینا فضول جانتے ہیں جو دیکھنے کا شایق ہو وہ تفسیر کبیر ملاحظہ کرے۔

اسمقام میں ہم صرف ۵ آیات قرآن نقل کرتے ہیں جنسے حضرت یوسف کی اس فعل سے برأت ثابت ہوتی ہے۔ نہ کوئی امر منافی عصمت اول تو یہی آیت جس سے منکرین کا تمسک ہوا ہے۔ حضرت یوسف کی برأت کی دلیل ہے۔ اسکا صحیح ترجمہ یہ ہے۔ کہ عورت نے یوسف کو چاہا۔ یوسف بھی چاہتا۔ اگر یہ نہ ہوتا کہ اوس نے خدا کی دلیل (رہنمائی کرنے والی بات) دیکھ لی۔ یعنے خدا تعالے نے اوسکے دل میں اپنی خشیت اور یہ خیال پیدا کیا۔ کہ یہ فعل جو زلیخا چاہتی ہے بد ہے۔ اور غیر کی عورت سے خصوصًا جو محسن و مربی کی ہو اس فعل کا قصد کرنا ظلم ہے۔ اور خدا کو ظالم پسند نہیں ہے۔ اس معنی آیت کی مؤید اس سے پہلی آیت ہے جسمیں بیان ہے کہ

وراودته التی هو فی بیتها وغلقت الابواب وقالت هیت لك قال معاذ الله انه ربی احسن مثوای انه لا یفلح الظلمون (یوسف ع ۳)

اس عورت نے جس کے گھر میں وہ تھا اسکے نفس کا مطالبہ کیا۔ اور دروازے بند کر دیئے۔ اور بولی آ میں تجھے کہتے ہوں۔ وہ بولا اللہ کی پناہ وہ (یعنی تیرا شوہر) میرا مربی ہے (یا میں تجھے چاہکر ظالم ہوں؟) ظالم نجات نہیں پاتے۔

آیت زیر بحث میں اسی امر کی حکایت ہوئی ہے۔ اور یہ بات فرمائی گئی ہے زلیخا نے تو بہت چاہا۔ اور اسکا سامان بھی کیا مگر یوسف نے نہ چاہا۔ اور اس سے انکار کیا۔ وہ بھی چاہتا اگر خدا اسکو وہ اپنی دلیل نہ سوجھاتا۔ اس معنی وتفسیر کی رو سے لولا ان رای شرط مؤخر ہے اور هم بها اوسکی جزا مقدم۔

اور اگر اس آیت زیر بحث کو پہلی آیت کی حکایت اور اوسکے مضمون کی مؤید نہ کہیں بلکہ مطابق زعم منکرین عصمت اس آیت کو پہلی آیت کے مخالف اور اوس کے مضمون کی تکذیب قرار دیں اور کہیں کہ پہلی آیت میں خدا نے حضرت یوسف کی برات ظاہر کی تھی اور اس دوسری آیت میں اوسکے برخلاف انکا ارادہ ارتکاب گناہ بتایا ہے۔ تو اس صورت علاوہ تناقض وتضاد مضمون دونو آیتوں کے ایک بڑا اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ اگر اس آیت سے مضمون پہلی آیت کے برخلاف حضرت یوسف کا مرتکب گناہ ہونے کا قصد وارادہ بتانا منظور تھا۔ تو پھر اس آیت کے اخیر میں حضرت یوسف کی تعریف کیوں کرتی کہ وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھا۔ اور ہمنے اوس سے برائی اور بے حیائی کو دور کرنا چاہا۔ کبھی کوئی عاقل کرتا ہے کہ مقصود برائی بیان کرتا ہو اور اسکی تعریف کرتا چہ جائے رب العالمین احکم الحاکمین اس نکتہ کو وہ لوگ جنہوں نے ہم بها سے حضرت یوسف کا ارادہ وقصد گناہ اسکے معنے مراد بتائے ہیں سمجھتے۔ ہر گز یہ مراد نہ تھا۔ لولا شرط کو مؤخر اور اوسکی جزا هم بها

کو مقدم کہنے پر زجاج نحوی نے دو اعتراض کئے تھے (۱) فصیح محاورہ عرب میں لولا کا جواب مقدم نہیں ہوتا۔ (۲) اسکے جواب میں لام آتا ہے جو آیت میں نہیں ہے امام رازی نے ان دونوں کا جواب تفسیر کبیر میں یہ دیا ہے۔ کہ قرآن کی دوسری

ثم انا نذکر آیۃ اخری تدل علی فساد قول الزجاج فی ھذین السوالین وھو قولہ تعالی ان کادت لتبدی بہ لولا ان ربطنا علی قلبھا (قصص ع-۱)

آیت میں یہ دونوں امر پائے گئے ہیں جسمیں یہ بیان ہے کہ بیشک قریب تھا کہ موسیٰ کی ماں اسکا حال ظاہر کر دیتی۔ اگر نہ ہوتا یہ کہ ہمنے اسکے دل کو مضبوط رکھا۔

اس جواب کے مؤید عرب کے پرانے اشعار بھی موجود ہیں جنمیں لولا کا جواب مقدم ہوا ہے اور لام سے خالی ہے امرء القیس کا شعر ہے یغالین فیہ الجزء لولا ھواجر ÷ جنادبھا صرعی لھن نصیص (العقد الثمین فی دواوین الشعراء الجاہلین صفحہ ۱۲۶)

زہیر کا شعر ہے۔ المجد فی غیرھم لولا ماثرہ ÷ وصبرہ نفسہ والحرب تستعر (العقد الثمین فی دواوین الشعراء الجاہلین صفحہ ۵۸)

متنبی کا ایک شعر ہے۔ لعیت بمشیتہ الشمول وجردت ÷ صنما من الاصنام لولا الروح ÷ دیوان متنبی صفحہ ۵ اور ایک دوسرا شعر ہے۔

ولاینفع الامکان لولا سخائہ ÷ وھل نافع لولا الاکف القنا سمر ÷ (دیوان متنبی صفحہ ۱۰۹)

ان چاروں شعروں میں جزاء لولا پر مقدم بھی ہے۔ اور لام سے بھی معرّیٰ ہے اس آیت زیر بحث کے مابعد کی آیت میں ارشاد ہوا ہے۔ کہ دونو دروازہ کو دوڑے

واستبقا الباب وقدت قمیصہ من دبر والفیا سیدھا لدی الباب۔ قالت ما جزاء من اراد

یعنی آگے یوسف پیچھے زلیخا) اور زلیخا نے پیچھے سے یوسف کا کرتہ (کھینچکر) پھاڑ دیا۔ اور دروازہ کے پاس میاں

ملك سوءً الا ان يسجن او	(عزیز مصر) کو پایا ۔ زلیخا بولی جس نے تیری
ذاب اليم ۔ قال هي راودتني	گھر والی سے بُرائی کا ارادہ کیا ہے ۔ اوسکی
ن نفسي وشهد شاهد من اهلها	سزا یہی ہے کہ وہ قید کیا جاوے ۔ یا اوسکو
ن كان قميصه قد من قبل	دُکھ کی مار ہو ۔ یوسف نے کہا اسی نے مجھ سے
صدقت وهو من الكذبين	اس فعل کا مطالبہ کیا ہے ۔ اسکے گھر میں سے
ان كان قميصه قد من دبر	ایک گواہ بولا ۔ اگر کورتہ آگے سے پھٹا
كذبت وهو من الصادقين	ہوا ہے (جس سے یوسف کا سامنے کو آنا
فلما رأى قميصه قد من دبر	ثابت ہوتا ہے) تو زلیخا سچی ہے ۔ اور اگر
قال انه من كيدكن ان	پیچھے سے پھٹا ہے (جس سے یوسف کا پیٹھ
كيدكن عظيم ۔ يوسف اعرض	دیکر بھاگنا ثابت ہوتا ہے) تو یوسف سچا
عن هذا واستغفري لذنبك	ہے ۔ اور جب اوس نے کورتہ کو پیچھے سے
نك كنت من الخاطئين ۝	پھٹا ہوا دیکھا تو بولا (اے عورت) یہ تمہارا
(سورہ یوسف ۔ ع ۔ ٣ ۔)	ہی مکر ہے ۔ تمہارے مکر بڑے ہوتے ہیں اے

یوسف تو ایسے قصہ کو جانے دے ۔ اے زلیخا تو گناہ کی بخشش مانگ خطا کار تو ہے

ان آیات میں چار شہادتیں اُور حضرت یوسف کی برأت پر بیان ہوئی ہیں ؛
(١) حضرت یوسف کا زلیخا سے بھاگ کر دوڑنا ۔ اور زلیخا کا پیچھے بھاگ کر کورتہ کو پھاڑنا (٢) اور گھر میں سے ایک گواہ کا حضرت یوسف کو بری کرنا (٣) پھر حضرت یوسف کا عزیز کے سامنے اس فعل کے ارادہ سے انکار کرنا ۔ (٤) اور عزیز کا اوسکو تصدیق کرکے زلیخا کو خطا کار ٹھیرانا ۔ پھر خاتمہ قصہ پر ارشاد ہوا ہے ۔ کہ

قال ما خطبكن اذ راودتن	جب عزیز یا بادشاہ نے عورتوں سے
يوسف عن نفسه قلن حاش لله	جنہوں نے یوسف کو دیکھ کر بے خودی سے

ما علمنا علیه من سوء قالت امراة العزیز الآن حصحص الحق انا راودته عن نفسه وانه لمن الصادقین (یوسف - ع - ٦)

اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے، پوچھا تو وہ بولیں ہم نے یوسف میں کوئی برائی نہیں دیکھی۔ تب زلیخا نے کہا اب حق کھل گیا میں نے ہی اس سے اس فعل کا مطالبہ کیا تھا۔ اور وہ سچا ہے۔

امام رازی نے تفسیر کبیر میں ان آیات سے وضاحت کے ساتھ ثابت کیا ہے

الرابع ان کل من له تعلق بتلك الواقعة فقد شهد ببراءة یوسف علیه السلام من المعصیة واعلم ان الذین لهم تعلق بهذه الواقعة یوسف علیه السلام وتلك المرأة وزوجها والنسوة والشهود ورب العالمین شهد ببراءته عن الذنب وابلیس اقر ایضا ببراءته عن المعصیة فاذا کان الامر کذلك فحینئذ لم یبق للمسلم توقف فی هذا الباب الی ان قال ثم نقول ان هؤلاء الجهال الذین نسبوا الی یوسف هذه الفضیحة ان کانوا من اتباع دین الله فلیقبلوا شهادة الله علی

کہ یوسف علیہ السلام اس جرم سے بری تھے اور کہا ہے کہ جس شخص کو اس واقعہ سے تعلق تھا اُسنے حضرت یوسف کی برأت کی شہادت دی ہے اس واقعہ کے تعلق والے حضرت یوسف علیہ السلام خود ہیں اور زلیخا۔ اور وہ عورتیں جنہوں نے یوسف کو دیکھ کر لیے خود ہی سے ہاتھ کاٹ لئے تھے اور گواہ اور خود رب العالمین اور شیطان بھی سب کی شہادت تو ہم بیان کیا اور ان [illegible] زبان [illegible] تو ہم کو نا چاہئے شیطان کی شہادت [illegible] جس کی جس میں شیطان کا [illegible] ہے۔ کہ تیرے مخلص بندوں [illegible] نہیں چلتا۔ اور قرآن سے [illegible] یوسف مخلص بندوں سے تھا [illegible] فرمایا۔ کہ اب جو شخص دین [illegible]

طهارته وانكانوا من اتباع ابليس فليقبلوا شهادة ابليس على طهارته (تفسير كبير صفحه ١ جلد ٥)

وہ خدا کی شہادت قبول کرے اور جو شیطان کا پیرو ہے وہ شیطان کی گواہی مانے۔ اب رہا یہ سوال کہ اگر حضرت یوسف اس معاملہ میں بالکل بے گناہ تھے اور انہوں نے ارادہ فعل بھی نہ کیا تو پھر کیوں کہا کہ "میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا۔ یہ نفس برائی کا حکم کرنے والا ہے" سو اسکا جواب یہ ہے کہ انکا کہنا اُن غیر مسلم خطرات اور غیر اختیاری حالات کی نظر سے تھا جو انسان کے دل میں ایک چیز مرغوب طبع دیکھ کر پیدا ہو جاتے ہیں۔ مگر خدا کے خوف و تقوے سے وہ روک لئے جاتے ہیں۔ اور ایسے خطرات موجب گناہ و محل مواخذہ نہیں ہوتے حضرت یوسف سے ہم واقعہ ہوئے بھی اگر ہم لولا کی خبر مقدم قرار نہ دیں یہی ہم مراد ہے نہ قصد اور عزم مصمم۔

امام رازی نے تفسیر کبیر میں کہا ہے بصورت تسلیم اس امر کے کہ حضرت

الثالث ان يفسر الهم بحديث النفس وذلك لان المرأة الفائقة في الحسن والجمال اذا تزينت و تهيأت للرجل الشاب القوي فلابد وان يقع هناك بين الحكمة والشهوة الطبعية وبين النفس والعقل مجاذبات ومنازعات فتارة تقوى جاذبية الطبيعة والشهوة وتارة داعية العقل والحكمة فالهم عبارة عن جاذبة

یوسف سے ہم واقعہ ہوا ہم کی تفسیر دل کے خیالات و خطرات میں۔ کیونکہ جب خوبصورت عورت کسی قوی اور جوان مرد کے لئے بن ٹھن کر طیار ہوتی ہے تو ایسے موقع پر دانائی اور خواہش طبعی اور نفس و عقل میں کھینچا کھانچی ہوتی ہے پھر کبھی طبیعت کا داعیہ و تقاضا غالب ہو جاتا ہے۔ کبھی عقل و دانائی کا یہاں ہم سے وہی طبیعت کا میلان مراد ہے۔ اور دلیل و کھینچنے جاذبہ عبودیت، عقل کا۔ اسکی مثال یہ کہ جب

الطبيعة و... البرهان عبارة
عن جواذب العبودية ومثال
ذلك ان الرجل الصالح الصائم
في الصيف الصائف اذا رای
الجلاب المبرد بالثلج فان طبيعته
تحمله على شربه الا ان دينه و
هداه يمنعه منه فهذا لا يدل
على حصول الذنب بل كلما
كانت هذه الحالة اشد كانت
القوة للوازم العبودية اقوى
واكمل (تفسیر کبیر صفحہ ۱۰، جلد ۵)
وفي البيضاوي المراد بهمه
عليه السلام ميل الطبع ومنازعة
الشهوة لا القصد الاختياري و
ذلك مما لا يدخل تحت التكليف
بل الحقيق بالمدح والاجر الجزيل
من الله من يكف نفسه عن الفعل
عند قيام الهمم (فتح البیان ص ...)
وذا النون اذ ذهب مغاضبا
فظن ان لن نقدر عليه فنادى
في الظلمات ان لا اله الا انت سبحانك

ایک نیک شخص روزہ دار سخت گرمی
کے موسم میں ٹھنڈائی برفیلی ہوئی دیکھتا ہے
تو اوسکا جی اوسکو پے لینے کو چاہتا ہے
مگر اوس کا دین اس سے مانع ہوتا ہے
ایسی خواہش بے اختیاری جسکو روکا جائے
گناہ نہیں ہوتی۔ بلکہ جسقدر ایسی حالت زیادہ
ہو۔ اسیقدر لوازم عبودیت کو قوت
حاصل ہوتی ہے۔
بیضاوی میں کہا ہے۔ حضرت یوسف
کے ھم سے یہی میلان طبعی اور خواہش
کی منازعت مراد ہے نہ اختیاری اور
مصمم قصد کیسی خواہش طبعی محل تکلیف نہیں
ہے۔ بلکہ وہ شخص لائق مدح وسزاوار
اجر ہوتا ہے جو اپنے کو ایسی خواہش و
خیالات پیدا ہونے کے روکتا ہے
وازانجملہ قصہ حضرت یونس
علیہ السلام ہے جسکا آیت مفصل
حاشیہ میں بیان ہے۔ اور اوس کا ترجمہ
منکرین عصمت یوں کرتے ہیں۔ یونس کا حال
سنادی جبکہ وہ خدا تعالے سے غصہ ہو کر قوم
کے بیچ میں سے نکل گیا پس اوس نے گمان

انی کنت من الظلمین (سورہ انبیاء ع ۶) | کیا کہ ہم اسپر قدرت [illegible] پاویں گے

پس اوسنے اندہیروں میں خدا کو پکارا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں ظالموں سے ہوں

منکرین عصمت کہتے ہیں حضرت یونس کا گنہگار ہونا اس آیت اور دیگر آیات سے بچند وجوہ ثابت ہوتا ہے (۱) وہ خدا تعالےٰ سے خفہ ہو گئے جو صریح گناہ (۲) اُنہوں نے سمجھا۔ کہ اب خدا کے قابو میں نہ آئیں گے جو کفر ہے۔ (۳) انہوں نے اس آیت میں اپنے آپ کو ظالم کہا جو گنہگار کو کہا جاتا ہے (۴) وہ گنہگار نہ ہوتے تو مچھلی کے پیٹ میں کیوں ڈالے جاتے۔ (۵) ایک اور آیت میں ہے کہ وہ اپنے نفس کو ملامت کرتے تھے۔ اور ملامت گناہ پر ہوتی ہے۔ (۶ و ۷) اور آیات میں آنحضرت کو فرمایا گیا ہے کہ تو خدا کے حکم پر صابر رہ جیسے اولو العزم رسول جمے رہے ہیں۔ اور تو یونس کیطرح بےصبر نہ ہو جائیو۔ منکرین کہتے ہیں قوم کو چھوڑ کر نکل جانا بھی بےصبری اور گناہ تھا۔

اسکا جواب یہ ہے کہ حضرت یونس کا خدا تعالےٰ سے خفہ ہونا اس آیت سے ثابت نہیں ہوتا۔ ان کا غصہ ہونا قوم پر تھا۔ یا بادشاہ وقت پر یا دونوں پر۔ اور قوم پر غصہ کرنا یا اونکو چھوڑ کر چلا جانا گناہ نہ تھا۔ جیسا کہ منکرین کو دعوے ہے۔ کیونکہ تعالیٰ نے اونکو اس فعل سے منع کیا تھا۔ لہٰذا اُنہوں نے اس فعل کو جائز خیال کیا۔ لہٰن افضل امر یہی تھا کہ وہ قوم کے انکار و اصرار پر صبر کرتے۔ اور اگر اُنپر غصہ ہو کر بلا اذن الٰہی اون کو چھوڑ نہ جاتے یہی امر افضل کا آنحضرت کو ارشاد ہوا ہے کہ تو یونس کی طرح نہ کریو۔ اولو العزم رسولوں کی مانند صبر کو اختیار کریو۔ اس ارشاد میں خدا تعالےٰ نے آنحضرت کو افضل و اعلےٰ درجہ پر پہنچانا چاہا۔ اور حضرت یونس نے خدا تعالےٰ کے حق میں یہ گمان نہ کیا تھا۔ کہ وہ خدا کی قابو یا قدرت میں نہ آئیں گے۔ یہ منکرین عصمت کے ترجمہ کے غلطی ہے۔ لن نقدر قدرت سے مشتق نہیں بلکہ قدر سے ہے۔ جو تنگی کے معنے رکھتا ہے۔ اور اس لفظ کے یہ معنے ہیں کہ انہوں نے گمان کیا کہ ہم اسپر اس چلے جانے کے سبب کوئی تنگی

و مواخذہ کریں گے۔ ان جوابات کی تفصیل ہم بہ نقل تفسیر کبیر اشاعۃ السنۃ نمبر ۶ جلد ۱۰ میں بصفحہ ۸۶ وغیرہ کر چکے ہیں۔ اس مقام میں اُنکا اعادہ نہیں کرتے اور حضرت یونس علیہ السلام کا اس فعل میں اپنے آپ کو ظالم کہنا اور ملامت کرنا۔ اُنکے کمال درجہ انتقار کے سبب تھا۔ اتقیا دعو بیں اپنی ترک افضل کو بھی گناہ سمجھتے ہیں۔ اور

لاشك انه كان تاركاً للافضل مع القدرة على تحصيل الافضل فكان ظلماً۔ ان الملامة كانت بسبب ترك الافضل اما قوله كنت من الظلمين فالمعنى ظلمت نفسي بفراري من قومي بغير اذنك كانه قال كنت من الظلمين وانا الآن من التائبين والنادمين۔ (تفسیر کبیر صنف وغیرہ۔ جلد ۶)

اوسپر ویسے ہی نادم ہوتے اور اپنے نفس کو ملامت کرتے ہیں جیسے عام مسلمان بڑے گناہوں پر۔ اور مچھلی کے پیٹ میں انکا رہنا بھی انکے علو درجہ کی نظر سے تھا۔ بڑوں کا چھوٹا قصور بھی چھوٹوں کے بڑے قصور کے برابر سمجھا جاتا ہے۔ بالجملہ حضرت یونس نے قوم کو چھوڑ جانے میں کسی امر یا نہی کا خلاف نہیں کیا (جسکو گناہ کہا جائے) صرف ترک افضل کیا۔ جسپر اون کے عالی مرتبہ کے موافق سخت مواخذہ ہوا۔ اور جو فعل گناہ صریح (خدا پر غصہ کرنا یا خدا کو قابو پانے سے عاجز جاننا) آپ کے ذمہ لگایا گیا ہے۔ یہ منکرین عصمت کی غلط فہمی ہے اس سے حضرت یونس علیہ السلام پاک تھے۔ لہذا اس آیت سے اون کی عدم عصمت ثابت نہیں ہوتی۔

وازانجملہ قصہ حضرت داؤد علیہ السلام ہے جسکا آیت میں بیان ہے کہ داؤد

وهل اتاك نبأ الخصم اذ تسوروا المحراب اذ دخلوا على داؤد

کے پاس دو جھگڑنے والے دیوار کود کر آئے اور بولے (ہم میں سے) ایک نے

ففزع منهم قالوا لا تخف خصمان بغی بعضنا علی بعض الآیۃ

(سورۂ ص ۔ ع ۲)

دوسرے پر زیادتی کی ہے۔ یہ میرا بھائی ہے اسکی ننانوے دنبیاں ہیں۔ اور میرے پاس صرف ایک ہی۔ یہ کہتا ہے یہ ایک بھی میرے حوالہ کر دے۔ اور مجھہ پر بات میں زیادتی کرتا ہے۔ داؤد بولے اسنے تجھ پر ظلم کیا ہے کہ تیری دنبی بھی مانگتا ہے۔ اور اکثر شریک ایسا ہی ظلم کیا کرتے ہیں۔ پر جو مومن اور نیک ہوں۔ اور ایسے تھوڑے ہوتے ہیں۔ دیکھ کر داؤد سمجھا کہ ہمنے (اس فیصلہ سے) اسکو جانچا ہے۔ پھر بخشش مانگنے لگا اپنے رب سے اور جھک کر گر گیا۔ اور رجوع ہوا۔

منکرین عصمت کہتے ہیں کہ حضرت داؤد ایک شخص اوریا کی عورت پر عاشق ہوگئے اور اوسکو بار بار لڑائی میں بھجوا کر قتل کرکے اس عورت کو نکاح میں لائے۔ جسپر خدا تعالیٰ نے ان دو فرشتوں کو حضرت داؤد کے پاس بھجوایا جنہوں نے بطور فرضی تمثیل کے وہ سوال کیا۔ جب وہ جواب دے چکے تو انہوں نے کہدیا کہ تمنے اپنے نفس کا خود فیصلہ کر دیا ہے۔ جسپر آپ نادم ہوئے اور بخشش مانگنے لگے۔

یہ قصہ اسطور پر بلکہ اس سے بڑھ کر برائیوں اور بیحیائیوں کا متضمن بیبل میں آیا ہے اوسی سے بعض اخباری مسلمانوں نے جو اہل کتاب سے روایت کرنے کے عادی تھے اس قصہ کو نقل کیا ہے اور اُن سے مفسروں نے اخذ کرکے اسلامی تفسیروں میں اسکو داخل کر دیا ہے۔ جو ناواقف مسلمانوں کے ابتلا کا باعث ہوا ہے۔

محققین اسلام کیا محدثین اور کیا مفسرین اس قصہ کو اس عنوان و بیان سے کذب اور یہودیونکا افترا جانتے ہیں۔ اور بدلائل عقلیہ و نقلیہ اسکو رد کرتے ہیں۔

علامہ زمخشری صاحب تفسیر کشاف نے جو مشہور مفسر ہے۔ اس قصہ کو نقل کرکے کہا ہے یہ قصہ اور جو اوس کی مثل ہو کسی ادنے مسلمان سے جو صلاحیت

قال صاحب الكشاف بعد ذكر هذه القصة هذا ونحوه مما يقبح ان يحدث به عن بعض المتسمين بالصلاح من افناء المسلمين فضلا عن بعض اعلام الانبياء (كشاف صفحه ۱۲۲۹)

وقال القاضي عياض لا يجوز ان يلتفت الى ما سطره الاخباريون من اهل الكتاب الذين بدلوا و غيروا ونقله بعض المفسرين و لم ينص الله على شئ من ذلك ولا ورد في حديث صحيح والذي نص عليه الله في قصة داؤد وظن داؤد انما فتناه وليس في قصة داؤد واوريا خبر ثابت وهذا هو الذي ينبغي ان يعول عليه من امر داؤد وعن علي ابن ابيطالب انه قال من حدثكم بحديث داؤد على ما يرويه القصاص جلدته مائة وثمانين جلدة وهو حد الفرية على الانبياء (فتح البيان صفحه ۱۴۲ و ۱۵ جلد ۸)

کی عصمت و نشان رکھتا ہو روایت کرنا ایک قبیح امر ہے۔ چہ جائے انبیاء اعلام سے قاضی عیاض نے جو بڑے مشہور امام محدث تھے فرمایا ہے کہ جو اہل کتاب سے (جنھوں نے اپنی کتابوں کو بدل دیا ہے) روایات نقل کرنے والے اخباریوں نے لکھا ہے اور اسکو بعض مفسرین نے نقل کیا ہے۔ اسکی طرف التفات و توجہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اس باب میں نہ خدا تعالی نے قرآن میں کچھ فرمایا ہے۔ نہ حدیث میں آیا ہے قرآن میں صرف اتنا ہے کہ داؤد نے سمجھ لیا کہ ہم نے اسکو جانچا اور قصہ داؤد و اوریا میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔ اور یہی امر لایق اعتماد کے ہے حضرت علی مرتضی سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا جو شخص داؤد کا قصہ بیان کرے گا۔ جو قصہ گو بیان کرتے ہیں اوس کو ایک سو ساٹھ کوڑے ماروں گا جو نبیوں پر تہمت لگانے کی سزا ہے ایسا ہی فتح البیان میں ہے۔

ابوالسعود مفسر نے بھی قصہ

واما ما یذکر مفسرانه فذلک مبتدع مکروه ومکر مخترع بئس ما مکروه تمجه الاسماع وتنفر منه الطباع ویل لمن ابتدعه وثبّاً لمن اخترعه واذا [illegible]

عنوان سے نقل کرکے کہا ہے کہ یہ بہت مکروہ بدعت اور مکر ہے اپنا گھڑا ہوا کان اس کو دفع کرتے ہیں۔ جسنے نفرت کیا سکتے طبیعتیں اس سے متنفر ہوتی ہیں اسکو خرابی یا عذاب جہنم ہو جسنے ایسی یہ بدعت نکالی ہے اور ہلاکت ہو جسنے اسکو گھڑا ہو [illegible] اور تابعین [illegible] پھر وہ ثواب علی [illegible] نقل کیا ہے فتح البیان سے منقول ہے

امام رازی نے تفسیر کبیر میں بہت شدت کے ساتھ اس قصہ کا رد کیا ہے

والذی اذهب الیه وادین الله به ان ذلک باطل ویدل علیه وجوه: الاول ان هذه الحکایة لو نسبت الی افسق الناس واشدهم فجوراً لاستنکف منها والرجل الحشوی الخبیث الذی یقرر تلک القصة لو نسب الی مثل هذا العمل لبالغ فی تنزیه نفسه وربما لعن من ینسبه الیها اذا کان کذلک فکیف یلیق بالعاقل نسبة المعصوم الیه الثانی ان حاصل القصة یرجع الی امرین الی السعی فی قتل

اور کہا ہے ہمارا دین ایمان ہے کہ یہ قصہ باطل ہے اور اس پر دلائل عقلی نقلی اور بہیں شواہد قرآنی ہیں [illegible] ابطال کا اپنی ذات میں یہ قصہ کسی [illegible] باطل ہے۔ [illegible] بڑے فاسق [illegible] کی طرف نسبت ہو تو وہ بھی اس سے نفرت کرے وہ خبیث حشوی جو اس قصہ کو ثابت کرتا ہے اوسکی طرف ایسا عمل منسوب ہو تو وہ اپنی پاکی اور صفائی میں بڑی کوشش کرے اور کہنے والے کو لعنت کرے جب وہ اپنے نفس کے لئے ایسی نسبت کو پسند نہیں کرتا تو ایک نبی معصوم

رجل مسلم والی الطمع فی
زوجته اما الاول فامر منکر
قال صلی الله علیه وسلم من سعی
فی قتل رجل مسلم ولو بشطر
کلمة جاء یوم القیمة مکتوب
بین عینیه آیس من رحمة الله
واما الثانی فمنکر عظیم قال
صلی الله علیه وسلم المسلم من سلم
المسلمون من لسانه ویده
داؤد ما لم یسلم من داؤد لا
فی روحه ولا فی منکوحه
الثالث ان الله تعالی وصف
داؤد قبل هذه القصة بالصفات
العشرة المذکورة ووصفه ایضا
بصفات کثیرة بعد ذکر هذه
القصة وکل هذه الصفات
ینافی کونه علیه السلام موصوفا
بهذ الفعل المنکر والعمل القبیح
ولا بأس باعادة هذه الصفات
لاجل المبالغة فی البیان فنقول
اما الصفة الاولی فهو انه تعالی

کی طرف اسکی نسبت کیونکر مناسب ہے
وجہ دوم یہ کہ اس قصہ میں دو امر بد بیان
ہوئے ہیں۔ ایک مسلمانوں کو قتل کرنا
دوسرا اسکی زوجہ کی طمع کرنا۔ پہلا تو ایسا بدہے
کہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ جو کسی سلمان کے
قتل میں کوشش کریگا۔ آدھا ہی کلمہ کہکر
کیوں نہ ہو۔ قیامت کو وہ ایسی صورت
میں آئیگا کہ اوسکی دو آنکھوں کے مابین
لکھا ہوگا۔ یہ خدا کی رحمت سے ناامید ہوا۔
دوسرا بھی ایسا ہی بد ہے۔ آنحضرت نے
فرمایا ہے مسلمان وہ ہے جسکی زبان اور ہاتھ
سے مسلمان بچ رہیں۔ اور اس قصہ کی رو سے
اوریا داؤد کے ہاتھ اور زبان سے نہ بچا
نہ اوسکی جان نہ اوسکی زوجہ۔ وجہ سوئم یہ کہ
خدا تعالےٰ نے اس قصہ سے پہلے داؤد
کی دس صفتیں بیان کی ہیں۔ اور اس قصہ
کے بعد بھی بہت سی صفتیں بیان کی ہیں
یہ صفتیں سب کی سب اس امر کے مخالف ہیں
کہ داؤد اس فعل قبیح کا موصوف ہوسکے
وہ صفتیں پہلے بھی بیان ہو چکی۔ اب انکا
اعادہ کیا جاتا ہے۔ پہلی صفت آپکی یہ کہ

امر محمدا بان یقتدی بداؤد من المصابرة
علی المکابدة ولو قلنا ان داؤد لم یصبر
علی مخالفة النفس بل سعی فی اراقة
دم امرأ مسلم لغرض شهوته فکیف
یلیق باحکم الحاکمین ان یأمر محمد
افضل الرسل بان یقتدی بداؤد فی
الصبر علی الطاعة واما الصفة الثانیة
فهی انه وصفه بکونه عبدا له وقد
بینا ان المقصود من هذا الوصف
بیان کون ذلک الموصوف کاملا
فی موقف العبودیة تاما فی القیام باداء
الطاعات والاحتراز عن المحظورات
ولو قلنا ان داؤد اشتغل بتلک الا
اعمال الباطلة فحینئذ ما کان
کاملا فی طاعة الهوی والشهوة
الصفة الثالثة هو قوله ذا الاید
ای ذا القوة ولا شک ان المراد به
القوة فی الدین لان القوة فی غیر
الدین کانت موجودة فی ملوک الکفار
ولا معنی للقوة فی الدین الا القوة
الکاملة علی اداء الواجبات والا

آنحضرت کو سختیوں پر صبر کرنے میں
داؤد کی پیروی کا حکم ہوا۔ اور اگر
ہم یہ کہیں کہ داؤد نفس کی مخالفت پر
صبر نہ کر سکا بلکہ خونریزی مسلمان میں بغرض
شہوت ساعی ہوا۔ تو پھر کیونکر مناسب
کہ احکم الحاکمین آنحضرت جیسے افضل الرسل کو
اون کی پیروی کا حکم کرے۔ دوسری
صفت آپ کی یہ کہ آپ خدا کے بندہ
تھے جس سے مقصود یہ ہے۔ کہ اس
صفت عبودیت میں کامل خدا کی طاعت
ادا کرنے اور ممنوعات سے بچنے میں
پوری قائم اور اگر ہم یہ کہیں کہ وہ ان
اعمال باطلہ (قتل و فسق) میں مشغول
ہوئے تو عبودیت میں کامل نہ ٹھہرے
بلکہ خواہش نفس کی اطاعت اور شہوت
میں کامل ہوئے تیسری صفت آپکی
یہ کہ آپ صاحب بازو تھے۔ یعنے
صاحب قوت ہمیں شک نہیں کہ
قوت سے دین کی قوت مراد ہے
کیونکہ دین کے سوا۔ قوت کفار بادشاہوں
میں بھی موجود تھے۔ اور قوت دین

جناب عن المحظورات وای
قوة لمن لم یمنعه نفسه عن القتل
والرغبة فی زوجة المسلم
الصفة الرابعة کونه اوابا کثیر
الرجوع الی الله فکیف یلیق هذا
بمن یکون قلبه مشغوفا بالقتل
والفجور - الصفة الخامسة
انا سخرنا الجبال معه افتری
انه سخرت له الجبال لیتخذ وسیلة
الی القتل والفجور - الصفة السادسة
قوله والطیر محشورة وقیل انه
کان محرما علیه صید شیء من الطیر
وکیف یعقل ان یکون الطیر امنا
منه ولا ینجو منه الرجل المسلم
علی روحه ومنکوحه الصفة
السابعة قوله وشددنا ملکه
ویمتنع ان یکون المراد انه تعالی
شدد ملکه باسباب الدنیا بل
المراد انه شدد ملکه بما یقوی الدین
واسباب سعادة الاخرة والمراد
تشدید ملکه فی الدین والدنیا

بھی وہ مراد ہونی چاہیئے۔ جو اداء واجبات
اور ترک ممنوعات میں کامل طور پر ہو۔ اور جو شخص آپ
آپ کو کسی کے قتل کرنے اور اسکی زوجہ میں
رغبت کرنے سے نہ بچ سکا ہو اس میں ایسی
قوت کہاں اور کیونکر ہوئی۔ چوتھی صفت
آپ کی یہ کہ وہ خدا کی طرف بڑے رجوع
کرنے والے تھے۔ اور جس شخص کا دل قتل
اور فسق کے دھبکا ہوا ہو وہ خدا کی طرف
کیونکر رجوع ہو سکتا ہے۔ پانچویں صفت
آپ کیلئے پہاڑوں کا مسخر ہونا کیا تم سمجھتے
ہو کہ پہاڑوں کو اسواسطے آپ کے لئے
مسخر کیا گیا تھا کہ وہ ناحق قتل کریں۔ اور
پرائی عورتوں سے بدکاری کریں۔ چھٹی
صفت یہ بیان ہوئی کہ پرند جانور آپ کے
لئے جمع رہتے تھے۔ یہ بھی روایت ہے
کہ وہ اُنکا شکار نہیں کرتے تھے کیونکر سمجھ میں
آتا ہے کہ جانور تو اُنسے بچ جاویں۔ مگر ایک
مسلمان اور اسکی زوجہ اُنسے نہ بچے۔
ساتویں صفت یہ کہ خدا نے اُن کی
بادشاہی کو مضبوط کیا۔ اور یہ محال ہے کہ یہاں
مضبوطی سے دنیاوی اسبابکی مضبوطی مراد ہو بلکہ مراد اس

ومن لا یملک نفسه عن القتل و
والفجور کیف یلیق به - الصفة
الثامنة قوله آتیناه الحکمة و
فصل الخطاب والحکمة اسم
جامع لکل ما ینبغی علماً وعملاً
فکیف یجوز ان یقول الله انا
آتیناه الحکمة وفصل الخطاب
مع اصراره علی ما یستنکف عنه
الخبیث الشیطان من مزاحمة
خلص اصحابه فی الروح والمنکوح
فهذه الصفات المذکورة قبل
شرح تلک القصة دالة علی براءة
ساحته عن تلک الاکاذیب واما الصفات
المذکورة بعد ذکر القصة فهی عشرة
الاول قوله وان له عندنا
لزلفی وحسن مآب فذکر هذا
انما یناسب لو دلت القصة
المتقدمة علی قوته فی طاعة الله فاما
لو کانت القصة المتقدمة دالة
علی سعیه فی القتل والفجور لم یکن
قوله وان له عندنا لزلفی لائقاً به

بادشاہی کی مضبوطی ہے جو دین میں قوت
دے۔ اور اسباب سعادت آخرت کو پختہ
کرے۔ اور جو شخص قتل و فسق سے نہ
بچ سکے اوسکے لئے یہ صفت کیونکر مناسب
ہے۔ آٹھویں صفت خدا کا یہ فرمانا ہے
کہ ہمنے اوسکو حکمت اور چکوتے حکم عطا کی
اور جب وہ ایسے خبیث فعل پر مصر ہے جس سے
شیطان بھی نفرت کرے۔ کہ مخلص دوستوں
کی جان اور زوجہ سے مزاحم ہوئے۔ تو
کیونکر جائز تھا کہ خدا تعالےٰ اون کو اس
صفت سے موصوف فرماتا۔ یہ وہ صفات
ہیں جنسے وہ اس قصہ کے بیان سے پہلے
موصوف ہوئے جنسے ثابت ہوتا ہے کہ
وہ ان اکاذیب سے بری تھے۔ اور جو صفات
بعد بیان قصہ آپ کی نسبت بیان ہوئی
ہیں وہ بھی دس ہیں۔ پہلی صفت خدا
تعالےٰ نے یہ فرمایا کہ آپ کو ہماری جناب میں
قرب تھا۔ اور اچھی بازگشت۔ انکے حق میں یہ
کہنا جب ہی مناسب ہے کہ اس سے
پہلے قصہ میں انکی طاعت کا بیان مسلم ہو
اور اگر اس قصہ میں ان کے فسق و فجور کا

الثانی هو قوله تعالی یاداود
انا جعلناک خلیفة فی الارض
وهذا یدل علی کذب تلک
القصة من وجوه احدهما
ان الملک العظیم اذا حکی عن بعض
عبیده انه قصد دماء الناس
واموالهم وازواجهم فبعد
فراغه من شرح تلک القصة علی
ملأ من الناس یقبح منه ان یقول
عقیبه ایها العبد انی فوضت الیک
خلافتی ونیابتی وذلک لان ذکر
تلک القبائح والافعال المنکرة
یناسب الزجر والحجر فاما جعله
نائبا وخلیفة لنفسه فذلک
البتة مما لا یلیق - وثانیهما انه
ثبت فی اصول الفقه ان ذکر الحکم
عقیب الوصف یدل علی کون
ذلک الحکم معللا بذلک الوصف
فلما حکی الله تعالی عنه تلک الافعال
القبیحة ثم قال بعده انا جعلناک
خلیفة فی الارض اشعر هذا بان

سے ان مراد ہو تو پھر اسکے بعد اُن کی صفت
میں بہ سبب رجوع و بازگشت کا ذکر مناسب
نہیں ہے - دوسری صفت یہ قول خداوندی
ہے کہ اے داؤد ہمنے تجھے زمین میں خلیفہ
بنایا - یہ صفت بتاتی ہے کہ وہ قصہ محض
جھوٹ ہے - اسکی تفصیل کئی وجہ سے ہے وجہ
اول کہ مثلاً کوئی بڑا بادشاہ اپنے بعض غلاموں
کی یہ حالت بیان کرے کہ وہ لوگوں کی
خونریزی کرتا ہے اونکے مال و بیبیوں کو
چھین لیتا ہے اور یہ کہکر پھر مجمع عام میں یہ بھی
کہدے کہ اس غلام کو میں نے اپنا خلیفہ و نائب
کیا - تو یہ قول نامناسب و قبیح معلوم ہوگا - ان
حالات کے ذکر و بیان کے بعد اوسکو
زجر کرنا اور اُسکے اختیارات کو بند کر دینا
مناسب تھا - نہ اپنا خلیفہ بنا لینا - اور
اوسکو عزت بخشنا - دوسری وجہ کہ علم اصول
فقہ میں ثابت ہو چکا ہے کہ کسی صفت کے
بعد ایک حکم کا بیان اس امر کی دلیل ہوتا ہے
کہ وہ صفت اس حکم کی علت ہے - اور
وہ حکم اس علت کا معلول - اب اگر فرض
کیا جاوے کہ خدا تعالے نے اس واقعہ کو

الموجب لتفويض هذه الخلافة
هو ايته انه بتلك الافعال المنكرة
ومعلوم ان هذا فاسد اما لو ذكر
تلك القصة على وجه تدل على
براءة ساحته عن المعاصي الذنوب
وعلى شدة مصابرته على طاعة
الله تعالى فحينئذ يناسب ان يذكر
عقيبه انا جعلناك خليفة في
الارض فثبت ان هذا الذي نختاره
اولى - والثالث وهو انه لما كانت
مقدمة الاية دالة على مدح داود
عليه السلام وتعظيمه وموخرتها
ايضا دالة على ذلك فلو كانت
الواسطة دالة على القبائح والمعائب
لجرى مجرى ان يقال فلان عظيم
الدرجة عالي المرتبة في طاعة الله
يقتل ويزني ويسرق وقد جعله
خليفة في الارض وصوبا حكمه
فكما ان هذا الكلام مما لا يليق
بالعاقل فكذا هذا ومن المعلوم
ان ذكر العشق والسعي في القتل

اس میں معنے ومرادت بیان فرمایا ہے
اور اسکے بعد فرمایا ہے کہ ہمنے تجھے اپنا خلیفہ
بنایا تو اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہ
خلافت اسی لیے دی کہ قتل وفسق کا ارتکاب
کیا یہ صاف ظاہر ہے کہ یہ بات ایسی ہے اور یہ امر
صریح فاسد اور باطل ہے - اور اگر اس
قصہ کے معنے وہ بیان ہوں جس سے
حضرت داؤد کی برات ثابت ہوتی ہے
تو البتہ اس قصہ کے بعد خلافت
کا ذکر مناسب ہے جس سے ثابت ہوتا ہے
کہ جو معنے اس قصے کے ہم بیان کرتے ہیں
وہی بہتر ہیں - تیسری وجہ یہ کہ ان آیات
کا پہلا حصہ (واذکر عبدنا داؤد)
حضرت داؤد کی مدح وتعظیم ظاہر کر رہا ہے
اور اخیر حصہ میں (یا داؤد انا
جعلناک خلیفۃ) بھی انکی مدح کا بیان
ہے - اب اگر بیچ کا حصہ جسمیں اس
قصہ کا بیان ہے آپکے عیوب وقبائح
کا متضمن ٹھہرایا جاوے تو اوس کی مثال
بعینہ ایسی بنتی ہے کہ کوئی کہے کہ فلان شخص
خدا کی طاعت میں عالی درجہ بلند رتبہ ہے

من اعظم ابواب العیوب ۔ ÷
والرابع ان القائلین بهذا القول
ذکروا فی هذه الروایة ان داود
تمنی ان یحصل له فی الدین کما
حصل للانبیاء المتقدمین من
المنازل العالیة ۔ ÷ فنقول ول
حکایتهم یدل علی ان الله یبتلیه
بالبلاء الذی یزید فی منقبته
فالسعی فی قتل النفس بغیر الحق
کیف یلیق بهذه الحالة ۔ ÷
العاشر ان بعضهم ذکر هذه
القصة علی ما فی کتاب الله تعالی
فقال لاینبغی ان یزاد علیها وان
کانت الواقعة علی ما ذکرت فقد
انه تعالی لم یذکره اجلالا لنبیه
ستر الواقعة علی داود علیه السلام
فلا یجوز للعاقل ان یسعی فی هتک ذلک
الستر ابدا له سنة واقل واکثر
فقال عمر سماعی هذا الکلام احب
الی مما طلعت علیه الشمس فثبت
بهذه الوجوه التی ذکرناها ان القصة

قاتل ہے زانی ہے چور ہے ۔ خدا نے اوسکو
اپنی زمین میں خلیفہ بنایا ہے ۔ اور اوسکے
احکام کو درست بتایا ہے ۔ اور یہ کلام ایسا ہے
جو کسی عقلمند انسان کے لائق حال نہیں ۔
چہ جائے کہ خدا تعالےٰ کیطرف منسوب ہو
اور یہ بات ظاہر ہے کہ بیگانی عورتوں کیر
عشق اور قتل بڑے بھاری عیوب سے
ہے ۔ چوتھی وجہ یہ کہ اس قصہ جعلی کے
قائل کہتے ہیں کہ حضرت داؤد نے خود
آرزو کی تھی کہ خدا میرا امتحان کر کے مجھے
انبیاء کا اعلیٰ رتبہ دے ۔ ہم کہتے ہیں کہ
اس صورت میں کب مناسب تھا کہ خدا اونکو
قتل و فسق میں مبتلا کرتا ۔ بقول اونکے اس
قصہ کا ابتدا ریا ہے اسلئے اخیر کا مکذب ہے
پھر امام نے وجہ پنجم لغایت نہم کو بیان کیا
اور پھر کہا کہ بعض علماء کا قول ہے ۔ فرض
کیا یہ واقعہ یونہی وقوع میں آیا ہے
جیسے یہ کتاب بیان کرتے ہیں ۔ مگر جبکہ
اللہ تعالےٰ نے اسکا ذکر نہیں کیا ۔ اور
حضرت داؤد کے اس حال کو چھپایا ۔ تو
پھر کسی اور کو کب پہنچتا ہے کہ انکا ہتک

التي ذكروها فاسدة باطلة ۔
(تفسیر کبیر جلد ۷ صفحہ ۱۸۵ وغیرہ)

پردہ کرے۔ اور نزول قرآن سے ہزار برس یا اس سے کم و بیش کے بعد ان حالات ناگفتہ بہ کو شائع کرے۔ عمر بن عبد العزیز نے یہ قول سُنا تو کہا کہ تمام دنیا سے مجھے یہ قول پیارا ہے۔

اس **اتفاق** کے بعد کہ جو اس مشہور قصہ میں بیان ہوا ہے وہ کذب ہے۔ بعض محدثین و مفسرین کا اس امر کے بیان میں **اختلاف** ہے کہ وہ کونسا امر ہے جسکا اس آیت میں ذکر ہے اور اسکے سبب حضرت داؤد جانچے گئے۔ اور بخشش کے طالب ہوئے۔ ان میں علماء کے **تین قول** ہیں۔ ایک یہ کہ

قال القائلون بتنزيه الانبياء في هذه القصة ان ذنب داود انما كان انه تمنى ان يكون امرأة اوريا حلالا له فاتفق غزو اوريا وتقدمه في الحرب فقتل فلما بلغ قتله لم يجزع عليه كما جزع على غيره من جنده ثم تزوج امرأته فعاتبه الله على ذلك لان ذنوب الانبياء وان صغرت فهي عظيمة عند الله تعالى۔ وقيل كان ذنب داود ان اوريا خطب تلك المرأة ووطن نفسه عليها فلما غاب في غزاته خطبها داود [illegible]

حضرت داؤد نے اوریا کی عورت کو اتفاقاً و ناگہانی طور پر دیکھا تو اون کے دل میں یہ خواہش ہوئی کہ وہ عورت اون پر حلال ہو جائے (یعنے انکے نکاح میں آوے) پھر حسب اتفاق وہ لڑائی میں گیا۔ اور مارا گیا۔ تو حضرت داؤد نے اوس کے موت پر رنج ظاہر کیا جیسے اور لشکر کے مُردوں پر کیا تھا۔ اور اسکی عورت سے نکاح کر لیا۔ اس پر خدا نے اون پر عتاب کیا۔ کیونکہ انبیاء کے گناہ اگرچہ چھوٹے ہوں پر وہ اللہ کے نزدیک بڑے ہوتے ہیں۔ دوسرا یہ قول ہے کہ اوریا نے [illegible] عورت سے خطبہ کیا [illegible]

لجلالته فاغتم لذلك اوريا فعاتبه
الله على ذلك حيث لم يترك هذه
الواحدة لخاطبها وعنده تسع و
تسعون امرأة (معالم التنزيل صفحہ ۶۰۰)
واصل القصة ان داود عليه السلام
رأى امرأة رجل يقال له اوريا فمال
قلبه اليها فسأله ان يطلقها فاستحيى
ان يرده ففعل فتزوجها وهي ام
سليمان وكان ذلك جائزا في
شريعته معتادا فيما بين امته
غير مخل بالمروة حيث كان يسئل
بعضهم بعضا ان ينزل له عن
امرأته فتزوجها اذا اعجبته
وقد كان الانصار في صدر الاسلام
يواسون المهاجرين بمثل ذلك من
غير نكير خلا انه عليه السلام
لعظم منزلته وارتفاع مرتبته
وعلو شانه نبته بالتمثيل على انه
لم يكن ينبغي له ان يتعاطى ما يتعاطاه
احاد امته ويسئل رجلا ليس له
الا امرأة واحدة ان ينزل عنها

بھیجا تھا) اور اوسکا دل اوس کی طرف
مائل ہوچکا تھا۔ کہ اوسکو لڑائی میں جانیکا
اتفاق ہوگیا۔ جب وہ چلاگیا تو داؤد
نے اس عورت سے خطبہ کیا (جو اسوقت
جائز تھا۔) اوس عورت نے حضرت داؤد
کو ان کی جلالت رتبہ کی نظر سے پسند کیا
اس سے اوریا کو رنج وغم ہوا۔ اوس پر
خدا تعالے نے حضرت داؤد پر عتاب
کیا کہ تمہاری ننا نوے بیویاں تھیں
تسپر بھی تم نے اس بیچارہ کی ایک مخطوبہ
کو نہ چھوڑا۔ **تیسرا قول** یہ کہ حضرت
داؤد نے اس عورت کو دیکھا تو اوسکے
شوہر سے طلاق کا سوال کیا۔ اوس نے
آپکے لحاظ سے طلاق دیدی۔ تو آپنے
اوس سے نکاح کرلیا جس سے حضرت
سلیمان پیدا ہوئے۔ یہ امر اون کی شریعت
میں جائز اور بلا انکار مروج تھا۔ جب کوئی
کسی عورت کو پسند کرتا تو اوسکے شوہر سے
طلاق کی درخواست کرتا۔ پھر وہ اسے چھوڑ
دیتا تو وہ نکاح کرلیتا۔ جیسا کہ اسلام کے
شروع میں قوم انصار میں یہ رواج تھا کہ

فیتنزل بهامع کثرة نسائه

(ابوالسعود صفحہ ۱ جلد ۷)

انصار مہاجرین کی خاطر سے عورتوں کو چھوڑ دیتے اور وہ انسے نکاح کرلیتے۔ مگر حضرت داؤد علیہ السلام چونکہ بڑے عالی منزلت اور بلند رتبہ تھے انہوں نے ایسا کیا تو ان کو اس مثال سے جو فرشتوں نے پیش کی تھی تنبیہ کیا گیا کہ آپ کو ایسا مناسب نہ تھا۔ جیسا کہ انکی امت کے عوام میں مروج تھا۔ کہ ایک شخص سے جسکے پاس صرف ایک عورت تھی درخواست طلاق کرتے۔ اور باوجود کثرت عورتوں کے اسکو نکاح میں لاتے

امام رازی نے ان تینوں وجوہات وتاویلات کو نقل کرکے اور اتفاقی نظر

اما وقوع بصره علیها من غیر تعمد فذلک لیس بذنب واما حصول المیل عقیب النظر فلیس ذنباً لان المیل لیس فی وسعه فلا یکون مکلفاً به و هذا الثانی خطبته وان کان جائزاً فی ظاهر الشریعة الا انه لا یلیق بلیك فان حسنات الابرار سیئات المقربین فهذه وجوه ثلثة لو حملنا القصة علی واحدة منها لم یلزم فی حق داؤد الا ترک الافضل والاولی۔ واما الاحتمال الثالث وهو ان هذه القصة علی وجه لا یلزم الحاق الکبیرة و

پڑجانے سے کسی عورت کی طرف میلان خاطر ہوجانے کا گناہ نہ ہونا ثابت کرکے کہا ہے کہ دوسری تقریر (امر خطبہ پر خطبہ کرنا) اگرچہ وان کی ظاہر شریعت میں جائز تھا۔ ولیکن بحکم حسنات الابرار سیئات المقربین یہ امر ان کی شان کے لئے مناسب نہ تھا۔ ان وجوہ ثلثہ سے جس وجہ سے اس قصہ کی تفسیر کریں۔ اس سے یہی ثابت ہوگا کہ حضرت داؤد نے ایک امر افضل واولے کو ترک کیا تھا ان وجوہات کو بیان وتسلیم کرنے کے ساتھ امام رازی نے ایک معنی اس آیت کے ایسے بیان کئے ہیں جس کی نظر سے یہ فعل داؤد ترک افضل وخلاف اولی بھی نہیں تھا بلکہ امر افضل ولائق مدح وثنا بن جاتا ہے۔

الصغيرة بداؤد عليه السلام
بل يوجب اعظم انواع المدح
والثناء. به وهوان نقول روى
ان جماعة من الاعداء طمعوا
فى ان يقتلوا نبى الله داؤد وكان
له يوم يخلو فيه بنفسه ويشتغل
بطاعة ربه فانتهزوا الفرصة
فى ذلك اليوم فتسوروا المحراب
فلما دخلوا عليه وجدوا عنده
اقواما يمنعونه منهم فخافوا فوضعوا
كذبا فقالوا خصمان الخ وليس فى
لفظ القرآن ما يمكن ان يحتج فى
الحاق الذنب بداؤد الا الفاظ اربعة
احدها قوله وظن داؤد انما فتناه و
ثانيها قوله فاستغفر ربه وثالثها
قوله اناب ورابعها نغفرنا له ذلك
ثم نقول وهذه الفاظ لاتدل على
شئ منها على ماذكروه وتقريره من
وجوه الاول انهم لما دخلوا عليه
لطلب قتله بهذا الطريق وعلم
داؤد ذلك دعاه الغضب الى ان

وہ یہ کہ ایک دشمنوں کی جماعت نے آپکو
قتل کرنا چاہا۔ آپ کا ایک دن ایسا تھا
جسمیں آپ اکیلے ہو کر عبادت میں مشغول
ہوتے۔ اُسدن دشمنوں نے فرصت پائی
اور مسجد کی دیوار کود کر مارنے کو آپڑے
وہاں جب اور لوگوں کو دیکھا جو اون کو
قتل سے بچا سکیں تو اونہوں نے یہ جھوٹی
بات بنائی کہ ہم دو جھگڑنے والے ہیں جسکا
قرآن میں بیان ہوا ہے۔ اب یہاں یہ
سوال ہوتا تھا کہ اس صورت میں وہ کونسا
امر ہوا جس سے وہ جا بچے گئے۔ اور
حضرت داؤد کا گناہ کیا تھا جس کی انہوں
نے بخشش مانگی۔ تو اسکا جواب امام
رازی نے یہ دیا ہے کہ جن الفاظ سے حضرت
داؤد کا گناہ نکالا جاسکتا ہے وہ صرف
چار لفظ ہیں۔ فتناہ۔ فاستغفر
اناب۔ فغفرنا لہ مگر ان الفاظ اربعہ
وہ گناہ ثابت نہیں ہوتا جو منکرین عصمت
بیان کرتے ہیں۔ ان الفاظ کی کئی وجہ سے
ایسی تقریر ہو سکتی ہے۔ کہ حضرت داؤد
کا دیا گناہ لازم نہ آئے۔ وجہ اول یہ کہ

يشتغل بالانتقام منهم الا انه
مال الى الصفح والتجاوز عنهم
طلبا لمرضاة الله تعالى قالت هذه
الواقعة هي الفتنة لانها جارية
مجرى الابتلاء والامتحان ثم انه
استغفر ربه فيما هم به من الانتقام
منهم وتاب عن ذلك واناب
فغفر له ذلك القدر من الهم
والعزم (تفسیر کبیر ص ۱۵ جلد ۷)

جب وہ لوگ قتل کے ارادہ سے مسجد میں
داخل ہوئے۔ اور حضرت داؤد کو اسکا علم
ہوگیا تو اون کو غصہ اس امر پر باعث ہوا
کہ وہ اس ارادہ کے انتقام میں اون کو قتل
کردیں پھر وہ اس غصہ کو ضبط کرکے درگذر
کیطرف مایل ہوئے۔ اور خدا کی رضامندی
کے لئے اون کے قصور کو معاف کیا۔ یہی امر
اون کی آزمایش کا تھا۔ اسمیں آپ کا بچنا
اور امتحان کرنا تھا کہ وہ درگذر کرتے ہیں یا
بدلہ لیتے ہیں۔ پھر اونھوں نے اس ارادہ قتل و انتقام کی خدا سے معافی چاہی۔ اور
اس سے توبہ کی۔ اور اسی کے لئے سربسجود ہوگئے۔ اور خدا کی طرف رجوع ہوئے
اور اسی کو خدا تعالیٰ نے معاف کیا۔

اس وجہ کے علاوہ تین وجہ اور امام صاحب نے بیان کی ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے

ثبت هذه الوجوه فنقول اما اذا
حملنا هذه الآية على هذا
الوجه فانه لا يلزم اسناد شيء من
الذنوب الى داود عليه السلام
بل ذلك يوجب اسناد اعظم
الطاعات ثم نقول حمل الآية عليه
اولى بوجوه الاول ان فصلها باربعة
وجوه (تفسیر کبیر ص ۱۹ جلد ۷)

کہ ان الفاظ سے حضرت داؤد کا کچھ
گناہ معلوم نہیں ہوتا ایک بڑا ثواب ہے
کہ جب آیت کے یہ معنے ہوں کہ جو لوگ
آپ کے پاس آئے تھے وہ دشمن تھے تو
اس سے کسی قسم کا گناہ (نہ صغیرہ نہ کبیرہ)
حضرت داؤد کیطرف منسوب نہیں ہوتا بلکہ
یہ معنے ان سے بڑے بھاری طاعت ثابت
کرتے ہیں۔ پھر امام نے فرمایا کہ اس آیت

یہی معنے مراد لینا دوسرے معنے مراد لینے سے بہتر ہے۔ اور اس امر کو چار دلیل سے ثابت کیا۔ جنکا ذکر ہم نے طوالت کے خوف سے چھوڑ دیا۔

بالجملہ حضرت داؤد سے کوئی امر جو کہ آیت مذکورہ میں منقول ہوا ہے کسی گناہ کے مرتکب نہیں ہوئے۔ بلکہ یا ایسا امر خلاف افضل کے جس سے اون کی عصمت باطل نہیں ہوتی۔ یا ایسے امر کے مدعی ہوئے ہیں جو افضل تھا۔ اور اس سے اون کی عصمت کی تائید نکلتی ہے۔

وازانجملہ قصہ حضرت سلیمان ہے جسکا اس آیت میں ذکر کیا ہے

ولقد فتنا سلیمان والقینا علی کرسیہ جسدا ثم اناب قال رب اغفر لی (ص - ع ۲)	اور ہم نے جانچا سلیمان کو اور ڈالا اوسکے تخت پر ایک دھڑ پھر وہ رجوع ہوا اور بولا اے رب میرے مجھ کو معاف کر

اس آیت کی تفسیر میں اکثر مفسرین نے عجیب عجیب قصے نقل کئے ہیں کہ حضرت سلیمان کی بادشاہی انگوٹھی پر منحصر تھی۔ [illegible] [illegible] [illegible] عورتوں سے ہمبستری کرتا رہا۔ حیض کی حالت میں بھی اور ان کو نہ چھوڑتا تھا۔ حضرت سلیمان ڈر کے مارے بھاگ گئے۔ اور مدتوں بہاڑ جھونکتے رہے۔ یا مچھلی پکڑنے والے شکاریوں کی نوکری کرتے رہے۔ جب وہ انگوٹھی شراب کے نشہ میں صخر کے ہاتھ سے دریا میں گر گئی۔ اور اوسکو مچھلی نگل گئی۔ اور وہ مچھلی پکڑنے والوں کے ذریعہ سے حضرت سلیمان کے ہاتھ میں آئی تو پھر حضرت کو بادشاہی ملی۔ اس مضمون کی بہت حکایتیں اور ہیں جو مفسرین نے نقل کی ہیں۔

ان حکایات کی دست آویز سے منکرین عصمت انبیا حضرت سلیمان کا گنہگار ہونا اس گناہ کے باعث سزا پانا دکھاتے ہیں۔ اسکا جواب یہ ہے کہ یہ حکایتیں اور روایتیں سب کی سب محض کذب ہیں۔ اور یہودیوں کے افترا ہیں۔ اسلام کی تفسیروں میں ان حکایتوں کا داخل ہوجانا ان لوگوں کی بدولت ہوا ہے۔ جو اہل کتاب اور یہودیوں سے روایت نقل کرنے کے عادی تھے۔ اور درحقیقت حضرت سلیمان کا جانچا جانا (جسکا اس آیت میں ذکر ہے) ایک ایسے خفیف امر کے سبب ہوا تھا۔ جو صرف سہو و نسیان پر مبنی تھا۔ نہ کسی گناہ صغیرہ یا کبیرہ کی وجہ سے اور وہ امر بھی ان ہی تفسیروں (جنمیں وہ حکایات مفتریات منقول ہیں) ذکر کیا گیا ہے۔ اور حدیث کی کتاب صحیح بخاری میں جو جملہ کتب اہل سنت اصح الکتب مانی جاتی ہے۔ وہ امر مروی ہے۔ پھر تعجب صد تعجب ہزار تعجب کہ ان مفسرین نے باوجود علم و نقل و بیان اس امر کے ان جھوٹی حکایتوں کو بھی اپنی تفسیروں میں نقل کردیا۔ اور ان کے سبب ناواقف مسلمانوں کو دھوکہ اور غلطی میں ڈالا۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ ان ہی مفسروں میں ایسے لوگ بھی ہو گذرے ہیں جو ان حکایتوں کو موضوع اور مکذب بتا چکے ہیں۔ اور اپنے بھائی مفسروں کے گناہ (نقل و بیان) کا کفارہ ادا کرچکے ہیں۔

ہم پہلے ان حکایات کے موضوع و مفترے ہونے پر ان مفسرین کی شہادت پیش کرتے ہیں پھر وہ امر بیان کریں گے جس کے سبب حضرت سلیمان جانچے گئے تھے اور وہ امر سہو و نسیان سے بڑھ کر نہیں ہے۔

صاحب کشاف نے کہا ہے کہ جو انگوٹھی اور شیطان اور حضرت سلیمان

اما ما یروی من حدیث الخاتم والشیطان وعبادۃ الوثن	کے گھر میں صورت پرستی کی حدیث نقل کیجاتی ہے۔ اوس کی صحت کا علم خدا ہی کو

فی بیت سلیمان فالله اعلم بصحته والی ان روی الحدیث بطوله ثم قال ولقد ابی العلماء المتقنون قبوله وقال هذا من اباطیل الیهود و الشیاطین لا یتمکنون من مثل هذه الافاعیل وتسلیط الله ایاهم علی عباده حتی یقعوا فی تغییر الاحکام وعلی نساء الانبیاء حتے یفجروا بهن قبیح (کشاف صفحہ ۱۲۳)

ہے پھر اسحدیث کو نقل کیا۔ پھر کہا کہ علماء جو (حدیث میں) مضبوطی رکھتے ہیں اس حدیث کی صحت سے انکاری ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث یہودیوں کی باطل من گھڑت ہے۔اور شیطانوں کو ایسی قدرت نہیں ہے۔ اور خدا تعالے کا اون کو اپنے بندو نپر ایسا تسلط دیدینا کہ کہ وہ احکام شرع کو بدل دیں۔ اور نبیوں کی بیویوں سے بدکاری کریں۔ قبیح امر ہے ۔ یعنے خدا کی شان اور لطف سے بعید ہے ۔

قال العلامة النسفی فی المدارك واما ما روی من حدیث الخاتم والشیطان وعبادة الوثن فی بیت سلیمان فمن اباطیل الیهود (فتح البیان صفحہ ۲۴ جلد ۲۔)

ایسا ہی علامہ نسفی صاحب مدارک نے کہا ہے۔ چنانچہ فتح البیان میں اُنسے نقل کیا ہے۔

فتح البیان میں جو اس قول کو نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس آیت کو یہودیوں کی باطل روایتوں سے شمار کرنا مناسب نہیں۔ کیونکہ اسحدیث کو نسائی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اور سیوطی نے اسکی سند کو قوی کہا ہے۔ چنانچہ آئندہ بیان ہوگا یہ تعجب کا محل ہے۔ نسائی کا اسحدیث کو روایت کرنا اور سیوطی کا اسکی سند کو قوی کہنا یا حاکم کا اوسکو صحیح کہدینا۔ اس حکائیت کو لائق اعتبار نہیں بنا دیتا۔ اور اس امر کی نفی نہیں کرتا کہ وہ یہودیوں کا افترا ہو۔ صحیحین کے سوا اون کتابوں میں جو صحاح ستہ کہلاتے ہیں یا جو تیسرے یا چوتھے طبقہ کی

کتابیں ہیں صحت کا التزام نہیں ہے۔ اون میں ایسی بھی حدیثیں ہیں جنکو آئمہ حدیث نے موضوع کہا ہے۔ (موضوعات ابن الجوزی ملاحظہ ہو) اور کسی حدیث کی سند صحیح یا قوی ہونے سے اوسکی صحت ثابت نہیں ہوتی جب تک کہ متن اور علتوں سے محفوظ نہ ہو اور خاصکر سیوطی کا کسی سند کو قوی کہنا کچھ وقعت نہیں رکھتا۔ اور حاکم کے تصحیح لائق اعتماد نہیں۔ ان مسایل کی دلیل و تفصیل کتب اصول حدیث مقدمہ ابن الصلاح وغیرہ میں ہے۔ اور جلد ۱۵ کے اشاعۃ السنۃ میں بھی ہو چکی ہے۔ لہذا ہم اس مقام میں اس تفصیل سے قلم کو روکتے ہیں۔

امام رازی نے ان حکایات کو نقل کرنیکے بعد انکو بدلایل عقلیہ باطل کیا ہے

واعلموا ان اهل التحقيق استبعدوا هذا الكلام من وجوه الاول ان الشيطان لو قدر على ان يتشبه بالصورة والخلقة بالانبياء فحينئذٍ لا يبقى الاعتماد على شئ من الشرائع فلعل هؤلاء الذين راهم الناس فى صورة محمد صلى الله عليه وسلم وعيسى وموسى عليهم السلام ما كانوا اولئك بل كانوا شياطين تشبهوا بهم فى صورهم لاجل الاغواء والاضلال ومعلوم ان ذلك مبطل للدين بالكلية۔

اور کہا ہے۔ کہ اہل تحقیق اس کلام کو (جو ان حکایتوں میں بیان ہوا ہے) کئی وجہ سے صحت سے بعید جانتے ہیں۔ وجہ اوّل یہ کہ اگر شیطان کو نبیوں کی صورت اور شکل میں مشابہ بن جانا جایز و ممکن ہے۔ تو اسصورت میں کسی شریعت پر اعتماد باقی نہیں رہتا۔ اس خیال سے کہ شاید جنکو لوگوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم و عیسے و موسے علیہم السلام کی صورت میں دیکھا تھا وہ در حقیقت وہ حضرات نہ ہوں بلکہ شیطان ہو جو لوگوں کو بہکانے کے لئے ان حضرات کی شکل بن گیا ہو۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ایسا خیال دین کو بالکل باطل کر دیتا ہے۔

الثانی ان الشیطان لو قدر علی ان یعامل نبی اللہ سلیمان بمثل ھذہ المعاملۃ لوجب ان یقدر علیھا مع جمیع العلماء والزھاد وحینئذ وجب ان یقتلھم وان یخرق تصانیفھم وان یخرب دیارھم ولما بطل ذلک فی احاد العلماء فلان یبطل مثلہ فی حق اکابر الانبیاء اولی۔

وجہ دوم۔ یہ کہ اگر شیطان کو نبی سے ایسا معاملہ جائز ہے تو اور علماء اور زاہدوں سے بطریق اولے جائز ہوگا۔ اسصورت میں اُسے چاہیئے کہ ان علماء کو قتل کر ڈالے اور اونکی کتابیں پھاڑ دے۔ اور اون کے گھر اوجاڑ دے۔ جب اسکا ایسا کرنا عام علماء کے حق میں باطل ہے۔ تو اکابر انبیاء کے حق میں ایسا کرنا بطریق اولے باطل ہونا چاہیئے۔

الثالث کیف یلیق بحکمتہ اللہ واحسانہ ان یسلط الشیطان علی ازواج سلیمان ولاشک انہ قبیح۔

وجہ سوم۔ یہ کہ خدا کی حکمت اور مہربانی کی نسبت یہ امر کیونکر مناسب ولایق ہو کہ وہ شیطان کو نبی کی بیویوں پر شہوت رانی کے لئے مسلط کرے۔ یہ امر تو بلاشک قبیح ہے۔

والرابع اوقلنا ان سلیمان اذن تلک المراۃ فی عبادۃ تلک الصورۃ فھذا کفر منہ وان لم یاذن فیہ البتۃ فالذنب علی تلک المراۃ فکیف یواخذ اللہ سلیمان بفعل لو یصدر منہ (تفسیر کبیر صفحہ ۲۲۲ جلد ۷)۔

وجہ چہارم۔ یہ کہ اس صورت پرستی کے لئے حضرت سلیمان نے اذن دیدیا تھا۔ تو ان کو کافر کیوں نہیں کہتے۔ اور اگر انکا اذن نہ تھا تو اس عورت کے جرم کے سبب حضرت سلیمان پر ایسا سخت مواخذہ کیونکر ہوا۔

یہ اس قصہ کے رد میں مفسرین کے اقوال ہیں اب وہ امر بیان کیا جاتا ہے۔ جس کے سبب حضرت سلیمان جانچے گئے۔

صحیح بخاری میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا حضرت

عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال قال سلیمان بن داود لاطوفن اللیلة علی سبعین امراة تحمل کل امراة فارسا یجاهد فی سبیل الله فقال له صاحبه انشاء الله فلم یقل فلم تحمل شیئا الا واحدا ساقطا احد شقیه فقال النبی صلی الله علیه وسلم لو قالها لجاهدوا فی سبیل الله وقال شعیب وابن ابی الزناد تسعین وهو اصح (صحیح بخاری ص۴۸۶ ج ۱)	داود کے بیٹے (حضرت) سلیمان نے کہا۔ آج رات میں ستر عورتوں سے ہم بستری کرونگا وہ سب کی سب حاملہ ہو کر سوار جنینگیں جو خدا کے راہ میں جہاد کرینگی۔ اد سکے ساتھی (فرشتہ یا مصاحب انسان) نے انشاءاللہ کہا۔ پر سلیمان نے نہ کہا۔ (یعنے آپ انشاءاللہ کہنا بھول گئے) تو کوئی عورت حاملہ نہ ہوئے بجز ایک کے جو ایک بچہ جنی جسکا ایک پہلو ادا ہوا تھا۔ آنحضرت نے فرمایا کہ اگر وہ انشاءاللہ کہتے تو سب کی سب بچہ جنتی اور وہ فی سبیل اللہ جہاد کرتے۔ اشعث و ابن الزناد راویوں نے اس روایت میں بجائے ستر

نوّے کہا ہے اور وہی صحیح ہے۔

اس حدیث کو مفسرین صاحب معالم ابوالسعود وغیرہ (جنہوں نے اس موضوع حکایت بیوی کو بھی نقل کیا ہے) اپنی تفاسیر میں لائے اور اوسکو اس آیت کا ایک محمل و مورد نزول بتائے ہیں۔

امام رازی نے تفسیر کبیر میں اس حکایت موضوعہ کو رد کرنے کے بعد کہا ہے

واما الوجوہ التی ذکرها اهل التحقیق فی هذا الباب فاشیاء الاول ان فتنة سلیمان انه	کہ اس آیت کی تفسیر میں جو وجوہات اہل تحقیق نے بیان کئے ہیں وہ کئی ہیں۔ اول یہ کہ سلیمان کی پنا جانا یوں ہوا۔ کہ

ولد له ابن فقالت الشياطين ان عاش صار مسلطاً علينا مثل ابيه فسبيلنا ان نقتله فعلم سليمان ذلك فكان يربيه في السحاب فبينما هو مشتغل بمهماته اذ القى ذلك الولد ميتاً على كرسيه فتنبه على خطاءه في انه لم يتوكل على الله فاستغفر ربه واناب۔ الثاني روى عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال سليمان لاطوفن الليلة على سبعين امرأة كل واحدة تاتي بفارس مجاهد في سبيل الله فقال له صاحبه ان شاء الله فلم يقل ان شاء الله فطاف عليهن فلم تحمل الا امرأة واحدة جاءت بشق رجل فجيئ به على كرسيه فوضع في حجره فذلك قوله ولقد فتنا سليمان (تفسیر کبیر صفحہ ۱ جلد ۷)

آپ کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو جنوں نے کہا کہ اگر یہ جیتا رہا تو باپ کی طرح ہم پر مسلط ہوگا ہمارا بچاؤ اسی میں ہے کہ اوسکو قتل کر ڈالیں یہ سنکر حضرت سلیمان نے اوسکو بادلوں میں پرورش کرنے کے لئے رکھا۔ ایک دن وہ اپنی مہمات میں مشغول تھے کہ یکایک وہ لڑکا مرا ہوا اُنکے تخت پر آ پڑا۔ اس سے وہ اپنے خطا پر متنبہ ہوئے کہ مینے خدا پر توکل نہ کیا تھا۔ پھر بخشش مانگنے لگے اور خدا کی طرف رجوع ہوئے دوسری وجہ یہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے حدیث مروی ہے۔ پھر اسحدیث کو (جو صحیح بخاری سی منقول ہوئی) بیان کیا۔ اور اوسکے اخیر میں ذکر کیا کہ وہ آدھا انسان اون کی کرسی پر اون کی گود میں رکھا گیا۔ یہی اس قول خداوندی سے مراد ہے کہ ہم نے سلیمان کو جانچا۔ یعنے سلیمان نے انشاء اللہ کہنے کے بغیر وہ کلمہ کہا۔ تو ہمکو پسند نہ آیا تسپر ہم نے مرا ہوا دھڑ اوسکی کرسی پر ڈالدیا جسپر وہ اپنی بھول کی بخشش مانگنے لگا۔ اور ہماری طرف رجوع ہوا۔

ان دو وجوہ کے سوا، دو وجہ امام رازی نے اور بیان کی ہیں جنسے حضرت سلیمان کا اس افترا یہود سے بری ہونا ثابت ہوسکتا ہے۔ اور چونکہ وہ وجوہات صرف عقلی ہیں جنکو بمقابلہ اس وجہ کے جو امام صاحب نے اور ہمنے بدست آویز حدیث صحیح بخاری کے بیان کی ہے۔ کوئی وقعت نہیں ہے۔ لہذا انکے نقل و بیان سے ہمنے تعرض مناسب نہیں سمجھا۔

اسمقام میں ایک تعجب کے ساتھ ذکر کرنے کے لائق یہ امر بھی ہے۔ کہ تہذیب الاخلاق ماہ جمادی الاول ۱۳۱۴ھ میں بصفحہ ۱۵۱ جہاں ان حکایات مفتریات یہود کو (جنکے رد میں ہمنے ان سے زیادہ مبالغہ کیا ہے۔ اور اسنے بڑھکر اسکا ثبوت دیا ہے۔) رد کیا ہے۔ وہاں اسحدیث کے مضمون کو جو ہمنے صحیح بخاری سے نقل کیا ہے نیز رد کیا ہے۔ اور کہا ہے۔ "نہایت تعجب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب سے ہے کہ انہوں نے اس سے بھی (یعنے حکایت مفتریہ یہود سے) زیادہ لغو اور مہمل قصہ اپنے ترجمہ قرآن کے حاشیہ پر لکھا ہے۔ اور بعض تفسیروں میں بھی یہ مہمل قصہ مندرج ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام از امراء خود منغص شدہ بخاطر آورد کہ امشب با صد زن صحبت دارم کہ ہر زنے پسرے زاید۔ وہریکے شہسوارے باشند جہاد کنندہ و بر احتیاج تعلق امرا نیفتد۔ فرشتہ گفت انشاء اللہ تعالے۔ بگو سلیمان سہو کرد پس ہیچ زن حاملہ نشد۔ الا یک زن طفل ناقص الخلقت زاد و آن طفل را بر تخت سلیمان انداختند۔ سلیمان متنبہ شد۔ و رجوع برب العزت کرد"

ایسے مہمل قصے جبکہ ایسے بڑے عالموں سے لکھے جاویں تو اور لغو نویسوں کا کیا پوچھنا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کو یہیں شبہہ ہوگیا کہ وہ کون لڑکا تھا جو سلیمان کے تخت پر ڈالا گیا۔ حالانکہ وہ لڑکا نہیں تھا جسکو انہوں نے ایک جھوٹی قصہ کا لڑکا خیال کیا ہے۔ بلکہ وہ مرا ہوا لڑکا تھا جسکا ذکر آگے ہوگا!!

پھر اس پرچہ کے صفحہ ۱۵۲ میں اس مرے ہوئے لڑکے کے بیان اور اس آیت کے مصداق اور مورد نزول کی تعیین بھی لکھا ہے۔ یہ مگر خدا رحمت کرے۔ نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی مرحوم پر کہ انہوں نے نہایت تفتیش سے اس اصلی قصہ کو ڈھونڈ کر نکالا۔ وہ لکھتے ہیں۔ در اصل جس قصہ کا اس آیت میں اشارہ ہے وہ قصہ کتاب ملاخیم میں لکھا ہوا ہے۔ چنانچہ اول کتاب ملوک کے فصل سوم میں لکھا ہے۔ (۱۶) آنگاہ دو زن زانیہ بنزد ملک آمدہ در حضورش ایستادند۔ (۱۷) و یک زن گفت کہ اے خداوند من من و ایں زن در یک خانہ ساکنیم۔ و دراں خانہ نزد او وضع حمل نمودم۔ (۱۸) و واقع شد کہ بعد از وضع حمل من روز سوم این زن نیز زائید و با ہم دیگرے با ما در خانہ نبود بلکہ سوائے ما دو نفر احدے دراں خانہ نبود۔ (۱۹) و پسر این زن بوقت شب مرد۔ زیرا کہ او بر رویش خوابیدہ بود۔ (۲۰) و وقت نیم شب برخاستہ و پسر مرا از پہلوئے من وقتیکہ کنیزکت خوابیدہ بود از من گرفت و در بغل خود خوابانید۔ (۲۱) و صبحدم وقتیکہ برائے شیر دادن برخاستم اینک مردہ است و صبحدم او را تشخیص نمودہ اینک پسرے کہ زائیدہ بودم نبودہ است (۲۲) و زن دیگر عرض کرد کہ نے بلکہ پسر زندہ از من است و پسر مردہ از تست۔ و آں دیگرے گفت نے بلکہ پسر مردہ از تست و پسر زندہ از من است و چنیں در حضور ملک مے گفتند (۲۳) پس ملک گفت کہ ایں یکے مے گوید کہ پسر زندہ از من است و آں پسر مردہ از تست و آں دیگرے مے گوید کہ نے بلکہ پسر مردہ از تست و پسر زندہ از من است (۲۴) ملک گفت کہ شمشیرے برائے من آورید۔ و شمشیر را نزد ملک آوردند۔ (۲۵) و ملک فرمود کہ پسر زندہ را بدو حصہ تقسیم نمائید و یک نیمہ بایں بدہید و نیمہ دیگر بدیگری (۲۶) و زنے کہ پسر زندہ از آن او بود در حالیکہ رحمش بر پسر او مضطرب مے گرد بملک متکلم شدہ گفت کہ اے خداوند پسر زندہ را باو بدہید والبتہ او را مکشید۔ اما آن

دیگرے گفت کہ نہ از آن من و نہ از آن تو باشد او را تقسیم نمائید۔ (۲۷) پس ملک جواب داد فرمود کہ پسر زندہ را باو بدہید۔ وا ورا البتہ مکشید کہ مادرش اوست (۲۸) و تمامی اسرائیل حکمی کہ ملک اجرا داشتہ بود شنیدہ و از ملک ترسیدند زیرا کہ دیدند کہ در قلبش حکمت خدائیست تا آنکہ حکم را جاری سازد۔

اس قصہ سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہی مرا ہوا بچہ سلیمان کے تخت پر ڈالا گیا تھا جسکی نسبت خدا نے فرمایا ہے۔ والقینا علی کرسیہ جسدًا پہلی دفعہ حضرت سلیمان نے حکم دیا تھا کہ دوسرے زندہ بچہ کو تلوار سے کاٹ کر دو ٹکڑے کئے جاویں۔ ایک ٹکڑا ایک عورت کو اور ایک ٹکڑا دوسری عورت کو دیا جاوے مگر جب اوس عورت نے جو درحقیقت زندہ بچہ کی ماں تھی اپنے دعوے سے دستبرداری کی اور کہا کہ بچہ دو ٹکڑے نہ کیا جاوے بلکہ اوسی عورت کو دیدیا جاوے جس نے اس بچہ پر جھوٹا دعوے کیا تھا۔ تو حضرت سلیمان سمجھے کہ درحقیقت یہی اس زندہ بچہ کی ماں ہے جو اسکا تلوار سے دو حصہ ہونا نہیں چاہتی۔ پس حضرت سلیمان نے اپنے پہلے حکم سے رجوع کی اور یہ حکم دیا کہ یہ بچہ اسیکو دیدیا جاوے جس نے اوس کے دو ٹکڑے ہونے کو منظور نہیں کیا۔ اسکی نسبت خدا نے فرمایا ثم اناب۔ اور حضرت سلیمان نے خدا سے اپنے پہلے حکم کی نسبت معافی چاہی۔ اور کہا رب اغفر لی۔ بس یہ صاف قصہ ہے جسکی نسبت قرآن مجید میں اشارہ ہے"۔

اس بیان صاف تہذیب الاخلاق پر ہمکو کئی وجہ تعجب ہے جنکو ہم کمال اخلاص سے ظاہر کرتے ہیں۔ صاحب تہذیب اور اُن کے اتباع بھی اگر اخلاص سے ان کو سنینگے تو یقین ہے اس سے جانبین کو فائدہ پہنچیگا انشاء اللہ تعالے۔

وجہ اول یہ کہ صاحب تہذیب کا ایک ایسے قصہ کو جسکا اصل مطلب حدیث صحیح البخاری (اصح الکتب بعد کتاب اللہ) میں موجود ہے۔ حکایت مفترِیہ یہود سے

بھی زیادہ لغو و مہمل کہنا اور پھر اس دعوے لغویت کی کوئی وجہ بتانا کمال تعجب کا محل ہے۔ آپ اگر اپنے اصول و عادت کے موافق صرف یہ کہتے کہ اس حدیث میں دو جگہ عن کا لفظ آیا ہے یا کچھ لفظی اختلاف روایات (سبعین وتسعین وغیرہ) بیان کرکے کہدیتے کہ یہ روایت بالمعنے ہے۔ لہذا یہ یقیناً رسول کا قول نہیں۔ اور ہمکو اسکی صحت میں شک ہے یا اسمیں کوئی تاویل کر دیتے تو ہم اسپر تعجب نہ کرتے۔ اور ان خود ساختہ اصول کی پابندی سے ایسا کہنے میں اونکو معذور سمجھتے۔ مگر اونہوں نے اپنے ان معمولی الفاظ کو چھوڑ کر اس قصہ کی نسبت یہ الفاظ کہدیئے کہ یہ قصہ حکایت مفتریہ یہود سے زیادہ لغو و مہمل ہے۔ تو اوسپر تعجب کیوں نہ ہو۔ کبھی حدیث صحیح بخاری کی نسبت کسی مسلمان سلف یا خلف نے ایسے الفاظ نہیں کہے۔ آپ نے ان سب کا خلاف کرکے دعوے کیا تھا تو اوسکو مدلل کیا ہوتا۔ آپ کا اس دعوے کو بے دلیل چھوڑ دینا زیادہ تعجب کا محل ہے۔

اگر صاحب تہذیب یہ عذر کریں کہ ہمنے اصل مطلب حدیث کو جو بخاری میں آئی ہے اور وہ صفحہ (۹۵) اشاعۃ السنتہ کے منقول ہے۔ لغو و مہمل نہیں کہا۔ بلکہ ان حواشی و زوائد کو جو شاہ صاحب وغیرہ مفسرین نے ملا دیئے ہیں کہ حضرت سلیمان امرا سے منغص خاطر ہوئے تو وہ کلام بولے۔ اور اس سے یہ مقصد ظاہر کیا کہ مجھے اپنے ارکان و امراؤں کی ضرورت و حاجت باقی نہ رہے۔ اون کو لغو و مہمل کہا ہے کیونکہ یہ شیخ چلی کیسے خیالات ہیں۔ کہ موجودہ مستطاف اورارکان دولت کو ایسے خیال سے مستغنے ہونا کہ میرے ہاں نوشے بیٹے ہونگے۔ تو اونکو ارکان دولت بناؤنگا شیخ چلی کی سی باتیں ہیں۔ جو اوس سے منقول و مشہور ہیں۔ تو اس عذر پر ہم صاحب تہذیب کو معذور سمجھ کر تعجب سے بری کرینگے۔ مگر اسکی شرط یہ ہے کہ اسصورت میں وہ اصل قصہ کو جو حدیث بخاری میں آیا ہے مان لیں اور اوسکو آیت کی تفسیر قرار دیں۔ اگر

وہ اس قصہ کا لائق تفسیر آیت قرآن ہونا ہماری کلام آئندہ میں ثابت و مدلل ہوتا دیکھ لیں۔

وجہ دوم - تعجب یہ ہے کہ انہوں نے مولوی چراغ علی صاحب بہادر کی اس بہادری کا کہ انہوں نے یہودیوں کی کتاب سے ایک مردہ لڑکا قصہ ڈھونڈ کر نکالا ہے۔ شکریہ ادا کیا۔ اور انکو دنا تیرے یاد فرمایا۔ حالانکہ جس لڑکے کو حضرت سلیمان کے حضور میں پہنچایا گیا تھا۔ اور اوسکے حق میں حضرت سلیمان نے فیصلہ کیا تھا۔ اوسکا قصہ صحیح بخاری میں موجود ہے۔ [1]

[1] وہ حدیث یہ ہے۔ جو صحیح بخاری کے صفحہ ۴۸۷ میں موجود ہے جسکا مضمون یہ ہے

وکانت امرأتان معھما ابناھما	کہ دو عورتوں کے دو بچے تھے ۔ بھیڑیا آیا
جاء الذئب فذھب بابن احدھما	تو ایک کے بچہ کو لے گیا۔ اوسکے ساتھ والی
فقالت صاحبتہا انما ذھب	بولی کہ تیرے بچہ کو بھیڑیا لے گیا۔ وہ بولی
بابنک وقالت الاخری انما ذھب	تیرے بچہ کو لے گیا۔ دونوکا جھگڑا حضرت
بابنک فتحاکما الی داؤد فقضی	داؤد کے پاس پہنچا۔ آپ نے وہ بچہ بڑی کو
للکبری فخرجتا الی سلیمان	دلوایا۔ پھر وہ حضرت سلیمان کے پاس آئیں
بن داؤد فاخبرتاہ فقال ائتونی	اور اس حال کے مظہر ہوئیں تو آپ نے
بالسکین اشقہ بینھما فقالت	فرمایا چھری لاؤ میں دونوں میں اسکو چیرکر
الصغریٰ لا تفعل یرحمک اللہ	بانٹ دوں۔ اون میں سے چھوٹی بولی
ھو ابنہا فقضی بہ للصغری	کہ آپ ایسا نہ کریں خدا آپ پر رحم کرے

یہ لڑکا اسی کا ہے یعنی بڑی کا آپ نے اس سے یہ سمجھ لیا کہ لڑکا چھوٹی کا ہے جبھی کاٹنے سے روکتی ہے۔ پھر اسیکو دلوا دیا۔

اس حدیث اور روایت کتاب یہود کا گو ان چار باتوں میں اختلاف ہے کہ وہ

باقی حاشیہ صفحہ (۱۰۲)

یہودیوں کی کتاب میں تو صرف دوسرے مردہ لڑکے کا ذکر زیادہ ہوا ہے جو کا نہ حضرت سلیمان کے پاس پہنچایا جانا ثابت ہے۔ نہ اوس لڑکے مُردہ کی نسبت حضرت سلیمان کا کوئی حکم دینا منقول ہے۔

پھر مولوی چراغ علی صاحب اپنا گھر چھوڑ کر یہودیوں کے ہاں کیوں گئے۔ اور صاحب تہذیب انکے اس فعل کے سبب کیوں شکرگذار ہوئے۔ مولوی چراغ علی صاحب نے اتنا نہ سمجھا کہ جس زندہ لڑکے کو حضرت سلیمان کے پاس وہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ (۱۰۱))

(۱) دونوں عورتیں زانیہ تھیں۔ یا نہیں (۲) اور ایک کا لڑکا اوسکے پہلو میں سوتے ہوئے مرا یا اوسکو بھیڑیا لے گیا۔ (۳) اور وہ مقدمہ حضرت داود کے پاس پہلے پیش ہوا۔ (۴) اور اوس زندہ لڑکے کا کاٹنے کو نبی نے چھری مانگی یا تلوار مانگی۔ مگر یہ اختلافات اصل حال سے جو غرض کے متعلق ہے خارج ہے۔ اور اصل حال متعلق غرض دونو کا ایک ہے۔ دونو کا اسپر اتفاق ہے۔ کہ (۱) وہ عورتیں زندہ لڑکے حضرت سلیمان کے پاس لے گئیں تھیں (۲) اور اوسی لڑکے کی نسبت حضرت سلیمان نے حکم دیا تھا (۳) اس لڑکے کے سوا کوئی مردہ لڑکا نہ حضرت سلیمان کے پاس گیا۔ نہ اُنہوں نے اوس کی نسبت کچھ حکم دیا۔

مولوی چراغعلی صاحب اور صاحب تہذیب الاخلاق زندہ لڑکے کا لحاظ کرتے تو اس کتاب یہود کی روائت کو چھوڑ کر صحیح بخاری کی روائت اخذ کرتے۔ نہ بر عکس عملیں لاتے۔ اور اگر مردہ لڑکے کا لحاظ تھا۔ تو اس روائت کتاب یہود کو بھی چھوڑ دیتے اور یہ خیال کرتے کہ جس مردہ لڑکے کو ہمنے سلیمان کی کرسی پر پہنچایا ہے۔ اور اسکے ذریعہ سے اس قصہ کو آیت کی تفسیر بنانا چاہا ہے۔ اس لڑکے کا تو اسمیں حضرت سلیمان کے پاس پہنچایا جانا۔ یا اونکے تخت یا کرسی پر ڈالا جانا بیان نہیں ہوا۔ پھر ہم اس روایت سے کیوں تمسک ہوتے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الالباب کر

عورتاں دے گئیں۔ اور جس لڑکے کی نسبت حضرت سلیمان نے حکم دیا اوسکا ذکر تو حدیث میں موجود ہے۔ اور جس مردہ لڑکے کا ذکر یہودیوں کی کتاب میں زیادہ ہوا ہے۔ اسکو حضرت سلیمان کے پاس ان عورتوں کا لیجانا۔ اور حضرت سلیمان کا اوس کی نسبت کوئی حکم دینا اس کتاب میں بھی پایا نہیں جاتا۔ پھر ہم اپنی کتاب چھوڑ یہودیوں کی کتاب سے کیوں متمسک ہوتے ہیں۔ اور صاحب تہذیب الاخلاق نے یہ خیال نہ فرمایا۔ کہ ہم تو ہمیشہ ان باتوں کو جو مفسرین نے یہودیوں سے لی ہیں رد کیا کرتے ہیں۔ پھر مولوی [illegible] صاحب کے [illegible] روایت کو [illegible] یہودی روایت کے جسکو ہمارے مذہب سے کوئی [illegible] نہیں ہے۔ جیسا کہ وجہ سوم میں معلوم ہوگا نقل کرنے پر ہم اونکا کیوں شکریہ ادا کرتے ہیں اور وہ اس نقل میں شکایت کے لایق کب ہو سکتے ہیں۔

وجہ سوم۔ تعجب [illegible] کہ اس روایت کتاب یہود کو [illegible] صاحب تہذیب اور مولوی [illegible] صاحب کے [illegible] کا [illegible] تعلق نہیں ہے۔ [illegible] روایت اس آیت [illegible] تفسیر [illegible] ہو سکتی [illegible] روایت [illegible] وہ لڑکے کو ان عورتوں کا حضرت سلیمان [illegible] لیجانا اور [illegible] کرنے پر ڈال دینا [illegible] [illegible] بیان ہوا [illegible] ان امور [illegible] کتاب [illegible] [illegible] مضمون [illegible] [illegible] لڑکے کو دو عورتوں کا لیجانا اور [illegible] حضرت سلیمان کا [illegible] حکم دینا ثابت [illegible] ہم اس [illegible] کتاب [illegible] کس نام و خیال سے [illegible] اس مسئلہ میں ہم اور ہمارے پیشرو مولوی [illegible] صاحب صریح اور فاش [illegible] تو [illegible] اس غلطی کو کس چیز کا نام اور کس شخص کا کام

وجہ چہارم۔ [illegible] نظر اس ڈبل اور فاش غلطی کے جملہ قول حضرت سلیمان کی [illegible] صاحب تہذیب [illegible] خیال کرنا کہ پہلے اپنے وہ حکم قطعی او جزی طور پر دیا [illegible] جب عورت [illegible] اضطراب کرتے دیکھا تب اوس حکم کو غلط سمجھا

منسوخ کیا اور بدلا اور اوس سے رجوع کیا - اور اوس پہلے غلط حکم کے نسبت خدا سے معافی چاہی - اور ذنب اغفرلی کہا - ایک ایسی ڈبل غلطی ہے - کہ ہر ایک آدمی عقلمند جسنے کچہریوں میں ججوں مجسٹریٹوں کو یہی محلوں کوچوں میں چوہدریوں کی پنچایت کو حکم کرتا دیکھا یا سُنا ہوگا - ایسی غلطی کا مرتکب نہیں ہوتا - اسے حضرت وہ حکم حضرت سلیمان کا قطعی اور جزمی اور عملی (عمل میں لانے کے لایق) حکم نہ تھا جسکو غلط سمجھ کر انہوں نے اس سے رجوع کیا - اور اوسکے لئے خدا سے معافی مانگی ہو - وہ تو پہلے ہی سے غیر قطعی وغیر جزمی وغیر عملی صرف آزمایشی حکم تھا - اور اوس حکم کے صادر کرنے سے صرف اس امر کا امتحان منظور تھا کہ دیکھئے کونسی عورت دونوں میں سے اس بچہ مقتول ہونے پر گھبراتی ہے - اور کون بے پروا رہتی ہے - جو گھبرایگی وہی اوسکی ماہوگی اس سے زیادہ اس حکم سے عمل ہرگز مقصود نہ تھا - اس صورت میں کب جایز اور عقل کے نزدیک ممکن ہے کہ پہلا حکم غلط وخطا ولایق رجوع وتوبہ متصور رہو - اور دوسرا اسکا ناسخ اور بدل بن سکے - حضرت سلیمان تو بادشاہ تھے - پھر بادشاہی کیسے تھی - صاحب وحی والہام وانعام الٰہی - کسی ادنے عقلمند کے پاس کوئی ایسی چیز متنازع فیہ جسکے جسمانی تقسیم سے اور توڑ پھوڑ سے اسکا نقصان ہو (جیسے چکی کا پاٹ یا مٹی کا پیالہ) لے جاؤ تو وہ ہرگز اوسکی نسبت یہ حکم نہ دیگا کہ اوسکو توڑ پھوڑ آدھوں آدہ بانٹ لو -

پھر کیا حضرت سلیمان کو (عیاذاً باللہ) اتنی عقل بھی نہ تھی کہ وہ انسان کے زندہ بچے کو مٹی کے پیالہ یا چکی کے پتھر کے برابر سمجھے اور اوسکی نسبت ایسا حکم جزمی وقطعی طور پر اور عمل میں لانے کی نیت سے دیدیتے -

صاحب تہذیب مدت تک سمال کاز کورٹ میں جج رہے ہیں - اور آپکے فرزند ارجمند ہائی کورٹ کے جج رہے - ان صاحبوں نے کبھی کسی چیز کی نسبت جو قابل قسمت جسمانی نہ تھا ایسا حکم نہ دیا ہوگا - پھر حضرت سلیمان کی نسبت ایسا حکم عمل میں

لانے کے لئے تجویز کرنا اور پھر اس سے اوسکو غلط سمجھ کر انکا رجوع د توبہ تجویز کرنا اونکو کب جائز و مناسب ہے۔

طرفہ یہ کہ خود اس کتاب یہود کی ۲۸۔آیت میں ان احکام حضرت سلیمان کو حکمت الہی قرار دیا گیا ہے۔ نہ یہ کہ حکم اول کو جہالت وسفاہت اور صرف دوسرے حکم ہو حکمت پھر اس کتاب کے ماننے والوں کو بھی یہ کب پہنچتا ہے کہ حکم اول سلیمان کو جہالت یا ظلم یا خطا قرار دے۔ اور اس سے انکا رجوع ومعافی مانگنا تجویز کریں۔

اس وجہ کو صاحب تہذیب غور سے سنینگے تو امید ہے اپنی اس غلطی کو مان لینگے۔ اور آئیندہ پرچہ تہذیب میں اس غلطی کا اعتراف چھاپ کر مشتہر کرینگے۔ اور تفسیر سورۃ ص میں اس غلطی کی اصلاح کر دیں گے۔ انشاء اللہ تعالٰے۔

پنجم وجہ تعجب یہ کہ صاحب تہذیب نے حضرت سلیمان کے حکم اول کو غلط قرار دے کر اس سے انکے رجوع کرنے کو قرآن کے لفظ اناب کا ترجمہ و مصداق ٹھیرایا ہے۔ یہ اون کی ادبی اور عربیت کی غلطی ہے۔ حکم اول حضرت سلیمانؑ کا غلط ہونا اور اوس سے رجوع کرنا مقصود خداوندی ہوتا تو اوسکو لفظ اناب سے تعبیر نہ کیا جاتا۔ بلکہ رجع یا تاب سے کیونکہ انابت عام رجوع یا غلطی سے رجوع پر نہیں بولا جاتا۔ بلکہ اسکا اطلاق خاص رجوع الے اللہ (خدا کیطرف رجوع کرنی) پر ہوا ہے۔ جو ایک اخص اطلاق ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوا ہے ویھدی الیہ من اناب اے الی اللہ (رعد۔ع۔۳۔) واتبع سبیل من اناب الی (لقمن۔ع۔۲۔) وخر راکعا واناب اے الی اللہ (ص۔ع۔۲۔) و الیک انبنا (ممتحنہ ع۔۱۔)

حدیث میں ادعیہ ماثورہ میں وارد ہے الیک انبت۔ مجمع البحار میں ہے الانابۃ الرجوع الی اللہ بالتوبۃ من اناب اذا اقبل و رجع۔ قاموس

میں ہے ناب الی اللہ تاب کا ناب ان شواہد سے اطمینان خاطر نہ ہو تو ہمارے دوست مولوی شبلی صاحب نعمانی سے اس کی تحقیق کرالیں جو کالج کے عربی مدرس ہیں

ششم وجہ تعجب یہ ہے کہ روائیت کتاب یہود میں مردہ لڑکے کو حضرت سلیمان کے پاس لانے کا ذکر تک نہیں ہے تو اس سے یہ کیونکر ثابت ہوتا ہے کہ وہ لڑکا حضرت سلیمان کے تخت یا کرسی پر ڈالا گیا۔ اور نہ کسی دربار شاہی یا عدالت مجسٹریٹی یا پنچایتی کا دستور و رسم ہے۔ کہ مردہ کو جسکے متعلق کوئی کیس ہو تخت شاہی یا میز ججی یا خاص چوکی یا چارپائی جائے نشست پنچوں پر لا ڈالیں۔ ہاں ہسپتال کی میزوں پر جہاں مردے چیرے جاتے ہیں لاشیں ڈالی جاتی ہیں۔ مگر مردون کی میز کا نہ قرآن میں ذکر ہے نہ اس کتاب یہود میں۔ پھر وہ قصہ کتاب یہود اس آئت کی تفسیر کیونکر ہوسکتا ہے۔ جسمیں یہ بیان ہے کہ ہمنے سلیمان کی کرسی پر دھڑ ڈال کر اوسکو آزمایش کیا۔

جب یہ قصہ ان وجوہات سے اس لائق نہ ٹھیرا کہ وہ قرآن کی آئت مذکورہ کی تفسیر ہوسکے تو اب صاحب تہذیب کو بجز اسکے کیا چارہ ہے۔ کہ وہ اس قصہ کو جو حدیث میں آیا ہے۔ اور اسمیں بنابر بیان امام رازی یہ تصریح بھی موجود ہے کہ وہ مردہ لڑکا حضرت سلیمان کی گود میں انکی کرسی پر لایا گیا تھا۔ اس آیت کی تفسیر و مورد نزول مان لیں۔ کیونکہ وہ حکایات و روایات مفتریات یہود کو ہماری مانند اکاذیب جان چکے ہیں۔ اور امام رازی کے بیان کردہ ان دو وجہوں کو جنکو بمقابلہ روائیت حدیث بخاری ناقابل وقعت سمجھ کر ہمنے نقل نہیں کیا۔ وہ ناپسند کرچکے ہیں۔ اور پہلی وجہ بیان کردہ امام صاحب کو کہ وہ آئت اس لڑکے حضرت سلیمان کی نسبت ہے جو بادلوں میں پرورش پاتا تھا۔ وہ بعید از قیاس سمجھ کر

قبول نہ کرینگے۔ پھر اس آیت کا محل صحیح ہے تو یہی ہے۔ جو حدیث بخاری میں ہے۔ لہذا امید ہے کہ اب اسکے ماننے میں ان کو کوئی عذر نہ ہوگا۔ اور تفسیر سورہ ص میں اس قصہ کو آپ اس آیت کا مورد و محل قرار دینگے۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

ناظرین و محبین تہذیب الاخلاق و اشاعۃ السنہ ہماری اس نکتہ چینی پر انصاف سے رائے زنی کریں اور آئیندہ کے لئے بھی امید رکھیں کہ جس نکتہ چینی تہذیب الاخلاق کا ہمنے رسالہ نمبر ۷ جلد ۱۶ میں وعدہ کیا تھا۔ وہ اسی دوستانہ و ملائمانہ طرز سے ہوگی جسکو صاحب تہذیب بھی پسند کرینگے۔ اور اسپر داد انصاف دینگے انشاء اللہ تعالےٰ

حضرات انبیاء علیہم السلام سے جنہیں ابتلاء آلہی آیا ایک حضرت **ایوب** علیہ السلام بھی تھے۔ جنکا سخت تکالیف مالی و جانی و اہلی میں مبتلا ہونا قرآن مجید میں مجملاً اور تفاسیر میں مفصلاً آیا ہے۔ مگر قرآن میں انکا کوئی قصور یا خطا بیان نہیں ہوا۔ اور نہ کسی حدیث صحیح میں اسکا ذکر آیا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ابتلا صرف رفعت درجات و مزید حسنات کے لئے تھا۔ نہ کسی خطا یا گناہ کے بدلے۔ ان کے سوائے بہت سے **انبیاء** ہیں جنکا ذکر قرآن میں ہے جیسے حضرت یعقوب۔ حضرت ہارون۔ حضرت ادریس۔ حضرت شعیب۔ حضرت ہود۔ حضرت صالح۔ حضرت زکریا۔ حضرت یحییٰ۔ حضرت الیسع وغیرہم صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین۔ ان سب حضرات کا بھی کوئی گناہ صغیرہ یا کبیرہ یا کوئی خطا و نسیان قرآن اور حدیث صحیح میں نظر سے نہیں گذرا۔

عیسائی جو جملہ انبیاء کو گنہگار جانتے ہیں وہ ان حضرات کا کوئی گناہ بیبل سے نکالیں تو اس سے اہل اسلام پر الزام قائم نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اہل اسلام بیبل کو محفوظ کلام آلہی نہیں جانتے۔ اور اسمیں یہود و نصاریٰ کے مفتریات کے دخل کا یقین رکھتے ہیں۔ لہذا اہل اسلام کو اس الزام کا جواب دینا ضروری نہیں ہے ؛

اب رہی عصمت سید المرسلین و خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ (جنپے عیسائیوں کو زیادہ تر پرخاش ہے۔ اور اون ہی کو گنہگار بنانے کے لئے اون کی سرتوڑ کوشش ہو رہی ہے۔) سو اس عصمت کا ثابت کرنا۔ اور جو اعتراض آپ کی عصمت پر مخالفوں نے اور اسلام کے نادان دوستوں نے کئے ہوئے ہیں۔ اُنکا جواب دینا ہمارا اول فرض تھا۔ ہمنے اس کے ادا کرنے کو اسلئے مؤخر کیا کہ اوسمیں ہمکو زیادہ تفصیل سے بحث کرنا۔ اور ریزر ووڈ فوس دکھانا مدنظر تھا جو خدا کی توفیق اور توفیقت سے عمل میں آتا ہے۔

پس واضح ہو کہ جن واقعات اور اقوال خداوندی اور افعال نبوی کی دستاویز سے آنحضرت کی عصمت پر اعتراض کیا جاتا ہے وہ کئی ہیں۔

ازانجملہ ایک واقعہ قرءت سورۃ نجم ہے جسکا ذکر ص۲۹ وغیرہ میں ہوا ہے اور اوسکا جواب بھی ص۳۰ وغیرہ میں گذرا ہے۔

وازانجملہ واقعہ فدیہ قیدیان بدر ہے۔ جسکا ذکر ص۳۳ میں ہوا۔ اور اُسکا جواب بھی ص۳۴ وغیرہ میں گذرا۔

وازانجملہ واقعہ نکاح حضرت زینب ہے۔ جسکا مفصل ذکر بیان رسالہ نمبر۶ جلد۱ ص۱۴۹ میں ہوا ہے۔ اور اس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اس نکاح میں آنحضرت نے خدا کا کوئی گناہ نہیں کیا۔

وازانجملہ یہ قول خداوندی ہے جسمیں آنحضرت کو خطاب ہوا ہے۔ کہ ہم نے

ووجدك ضالا فهدى (والضحى)	تجھے بھولا ہوا پایا۔ پس راہ دکھایا۔
ووضعنا عنك وزرك الذى انقض ظهرك (الم نشرح)	وازانجملہ یہ قول خداوندی ہے کہ ہمنے تیرا بوجھ جس نے تیری پیٹھ کو توڑ دیا تھا تجھسے اوتار دیا۔

منکرین عصمت آنحضرت خصوصاً عیسائی خیال کرتے ہیں کہ آنحضرت (نعوذ باللہ) گمراہ تھے۔ اور آپ کی پشت پر گناہوں کا بوجھ تھا۔

اسکا جواب خود ان ہی آیتوں میں موجود ہے کہ جو تھا نبوت سے پہلے تھا خدا نے آپ کو نبی کیا تو آپ کو راہ دکھایا۔ اور آپ کا بوجھ اوٹھا دیا۔ لہذا اس آیت سے آنحضرت کا حالت نبوت میں گنہگار رہونا نکالنا حماقت وجہالت ستدل کی دلیل ہے۔ نہ دلیل نفی عصمت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم۔

امام رازی اور دیگر مفسرین نے شہادت واقعات عینیہ سے ان دو نو آئیتون کی ایسی تفسیر کی ہے کہ اس سے نبوت سے پہلے بھی آپ سے گمراہی یا گناہ کرنے کی نفی ثابت ہوتی ہے۔

پہلی آیت کی تفسیر میں آپ فرماتے ہیں۔ جمہور علماء اسلام کا اسپر اتفاق ہے کہ آنحضرت نے کفر کا ارتکاب ایک لمحہ نہیں کیا۔ آپ کے حق میں خدا نے فرما دیا ہی کہ تمہارا ساتھی (آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم) نہ کبھی بہکا نہ گمراہ ہوا۔ اور جس بھول کا اس آیت والضحی میں ذکر ہے اسکی تفسیر میں کئی وجوہات بیان ہوئی ہیں ایک یہ کہ تجھے نبوت کے احکام اور شریعت کے احکام سے بے خبر پایا۔ تو تجھے اون کی طرف رستہ دکھایا۔ یہی مراد اس قول خداوندی سے ہے کہ تو نہ جانتا تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کس کس چیز کے ماننے کو کہتے ہیں

اما الجمهور من العلماء فقد اتفقوا على انه عليه السلام ما كفر بالله لحظة واحدة قوله تعالى ما ضل صاحبكم وما غوى وذكروا في تفسير هذه الاية وجوهاً كثيرة احدها وجدك ضالاً عن معالم النبوة واحكام الشريعة غافلاً عنها فهداك اليها وهو المراد بقوله ما كنت تدرى ما الكتاب ولا الايمان وقوله وان كنت من قبله لمن الغافلين

وثانيها حنك عن مرضعه حليمة
حين ارادت ان ترده الى جده
حتى دخلت على هبل وشكت
ذلك اليه فتساقطت الاصنام
وسمعت صوتا يقول انما هلاكنا
بيد هذا الصبي وفيه حكاية طويلة
وثالثها ما روي مرفوعا انه
عليه السلام قال ضللت عن
جدي وانا صبي ضائع كاد الجوع
يقتلني فهداني الله ذكره الضحاك
وذكر تعلقه باستار الكعبة وقوله
ع يا رب رد ولدي محمدا
اردده ربي واصطنع عندي يدا
فما زال يردد هذا عند البيت
حتى اتاه ابو جهل على ناقة و
محمد بين يديه وهو يقول
لا تدري ماذا ترى من ابنك
فقال عبد المطلب ولم قال اني
انخت الناقة واركبته من
خلفي فابت الناقة
ان تقوم فلما اركبته

اوراس قول خداوندی سے کہ تو اس سے
پہلے غافلوں سے تھا۔ وجہ دوم یہ کہ آپ
اپنی دائی حلیمہ سے جُدا ہو کر رستہ بھول
گئے تھے۔ جب وہ آپ کے دادا (عبدالمطلب)
کے پاس پہنچانے آئی تھی۔ وہ ہبل نامی
بُت کے پاس آپ کے بھول جانے کی
شکایت بطور فریاد کرنے لگی۔ تو سب کے سب
بُت گر پڑے۔ اور اوس نے یہ آواز بُت کی
سنی کہ ہماری ہلاکت اس لڑکے کے ہاتھوں
سے ہوگی۔ یہ حکایت طویل ہے۔ تیسری
وجہ یہ جو خود آنحضرت نے فرمائی ہے۔ کہ
میں چھوٹا لڑکا ضائع ہو جانے والا تھا۔ کہ
میں دادا سے جُدا ہو کر بھول گیا۔ اور بھوک
سے مرنے لگا۔ تو خدا نے مجھے رستہ بتا دیا
یہ ذکر ضحاک نے کیا ہے۔ اور اوس نے
یہ بھی ذکر کیا ہے کہ آپ کے دادا کعبے کے
پردہ کو پکڑ کر یہ مضمون شعر میں کہنے لگے۔ کہ
اے رب میرے بیٹے کو میری طرف پھیر لا
اور اسمیں مجھ پر احسان اور مہربانی کر دہ بار بار
یہ کہتے تھے کہ ابو جہل اونٹنی پر سوار ہو کر آیا
اور اوسکے آگے آنحضرت سوار تھے۔ وہ بولا

امامي قامت الناقة كان الناقة تقول يا احمق هو الامام فكيف يقوم خلف المقتدي وقال ابن عباس رضي رده الله الى جده بيد عدوه كما فعل بموسى حين حفظه على يد عدوه الى ان ذكر تسعة عشر وجوها - ثم قال العشرين روى علي عليه السلام عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال ما هممت بشئ مما كان اهل الجاهلية يعملون به غير مرتين كل ذلك يحول الله بيني وبين ما اريد من ذلك ثم ما هممت بعدهما بسوء حتى اكرمني برسالته فاني قلت ليلة لغلام من قريش كان يرعى باعلى مكة لو حفظت غنمي حتى ادخل مكة فاسمر بها كما يسمر الشبان فخرجت اريد ذلك حتى اتيت اول دار من دور مكة فسمعت عزفا بالدفوف

ہم نہیں جانتے تیرے اس بیٹے سے ہم کیا کچھ دیکھیں گے۔ عبد المطلب بولے کیا ہوا۔ وہ بولا مینے اونٹنی لوٹھایا۔ اور اسکو اپنے پیچھے سوار کیا۔ تو اونٹنی نہ اوٹھی پھر جب مینے اسکو اپنے آگے بٹھایا۔ تو وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اور بولی کہ او احمق یہ امام ہے۔ یہ پیچھے کیونکر ہوتا۔ ابن عباس نے کہا ہے خدا تعالے نے آپکو دشمن کے ہاتھ سے دادا کے پاس پہنچایا۔ جیسے دشمن کے ہاتھ میں موسے کو پرورش کیا۔ پھر امام نے اور وجوہات بیان کیں جنکا شمار انیس تک پہنچایا۔ پھر فرمایا بیسویں وجہ یہ جو حضرت علی نے روایت کی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ مینے کسی بُرے کام کا جو زمانہ جاہلیت میں لوگ کرتے تھے۔ بجز دو دفعہ کے جنہیں خدا تعالے میری ارادہ میں حائل اور آڑ ہوگیا۔ قصد نہ کیا تھا۔ یہانتک کہ خدا تعالے نے مجھے نبوت سے سرافراز فرمایا۔ پھر مینے کبھی بھی برائی کا قصد نہیں کیا۔ ایک شب مینے ایک نوجوان قریشی لڑکے کو جو مکہ سے اوپر کی جانب

والمزامیر فقالوا فلان بن فلان تزوج بفلانة فجلست انظر الیهم فضرب الله علی اذنی فنمت۔ فما ایقظنی الا مس الشمس ثم قلت له لیلة اخری مثل ذلک فضرب الله علی اذنی فما ایقظنی الا مس الشمس فما هممت بعدهما بسوء (تفسیر کبیر صفحہ ۴۰ جلد ۸۔)	بکریاں چراتا تھا۔ کہا کہ تو میری بکریاں بھی سنبھال رکھے تو میں مکہ جاؤں۔ اور وہاں نوجوانوں کی طرح گپ شپ سنوں اور کہوں۔ جب میں نکلا اور مکہ کے پہلے گھر پہنچا تو وہاں سے گانے بجانے کی آواز سنی اور یہ کہ فلاں شخص کا فلاں عورت سے نکاح ہوا۔ میں وہاں بیٹھکر دیکھنے لگا تو خدا نے مجھے ایسا سلایا کہ پھر مجھے آفتاب ہی نے جگایا ایسا ہی

ایک اور رات اتفاق ہوا۔ پھر مینے کبھی ایسی برائی کا بھی قصد نہ کیا۔

اور دوسری آئیت کی تفسیر میں آپ فرماتے ہیں۔ اس بوجھ سے جس نے

والوزر ما یکرهه من تغییرهم لسنة الخلیل وکان لا یقدر علی منعهم الی ان قواه الله تعالی قال له ان اتبع ملة ابراهیم الی ان ذکر وجوها تسعة (تفسیر کبیر صفحہ ۶۰۹)	آپ کی پیٹھ کو توڑا تھا وہ مراد ہے جو کفار مکہ نے سنت ابراہیم خلیل اللہ میں تغیر ڈال رکھا تھا۔ اور آپ کو اس سے منع کرنے کی طاقت نہ تھی۔ یہانتک کہ اللہ تعالے نے آپ کو طاقت منع کرنے کی دی۔ اور فرمایا

کہ تو دین ابراہیم کی پیروی کر۔

اور شرح مواقف میں ہے کہ وزر کے معنے بوجھ کے ہیں جیسے اس آیت

قد جاء الوزر بمعنے الثقل کقوله تعالی حتی تضع الحرب اوزارها فجاز ان یکون هنها مستعملا	میں ہے۔ جسکا ترجمہ یہ ہے" کہ لڑائی اپنا بوجھ رکھدے" یہاں لفظ وزر کا معنے بوجھ استعمال کرنا جایز ہوا تو اس بوجھ سی

الثقل الذی کان علیہ من الغم الشدید لاصرار قومہ علی الکفر و الشرک باللہ ولعدم استطاعتہ علی تغییر امر الدین فلما اعلی اللہ شانہ وشد ازرہ فقد وضع عنہ وزرہ وثقلہ ویقوی ہذہ التاویل قولہ ورفعنا لک ذکرک (شرح مواقف ص۶۹)	وہ غم کا بوجھ مراد ہے جو آپ کو قوم کے کفر و انکار پر اصرار کرنے سے اور آپ کو روکنے کی طاقت نہ ہونے سے ہوتا تھا۔ جب اللہ تعالے نے آپ کی شان و رتبہ کو بلند کیا اور آپ کی پشت مضبوط کر دی تو وہ بوجھ دور کر دیا۔ اس تاویل کی تقویت اس قول خداوندی سے ہوتی ہے جسمیں

فرمایا کہ ہمنے تیرے ذکر یعنے شان کو بلند کیا۔

بالجملہ یہ آیات کریمہ آنحضرت کی عصمت پر دلیل ہیں، نہ نفی عصمت پر۔

واز انجملہ یہ قول خداوندی ہے جس میں ارشاد ہوا ہے کہ خدا نے تجھے معاف کیا

عفا اللہ عنک لم اذنت لھم (سورہ توبہ۔ ع۔ ۷۔)	تو نے لڑائی سے ہٹ رہنے والوں کو پیچھے رہنے کی اجازت کیوں دی۔

منکرین عصمت کہتے ہیں (۱) پیچھے رہنے کی اجازت دینا گناہ تھا۔ تب ہی تو اس سے معافی ہوئی۔ (۲) اور کہتے ہیں کہ اسیواسطے یہ اعتراض ہوا۔ کہ تو نے کیوں اجازت دی۔ اسکا جواب یہ کہ آنحضرت کو پہلے کوئی حکم نہ ہوا تھا۔ کہ جو شخص کوئی عذر

والجواب عن الاول لانسلم ان قولہ عفا اللہ عنک یوجب الذنب ولم لا یجوز ان یقال ان ذلک یدل علی مبالغۃ اللہ فی تعظیمہ وتوقیرہ کما یقول الرجل لغیرہ اذا کان معظما عندہ	بیان کرے اوسکو قبول نہ کیا جائے۔ اور پیچھے رہنے کی اجازت نہ دیجائے۔ تاکہ اوس حکم کا خلاف کرنے سے گناہ لازم آتا اور یہ فرمانا کہ خدا نے تجھے اجازت دینا معاف کیا۔ خود بتا رہا ہے۔ کہ یہ فعل گناہ لائق مواخذہ نہیں بلکہ صرف خطا قابل عفو و

عفا الله عنك ما صنعت في أمري ورضي الله عنك ما جوابك عن كلامي وعافاك الله ما عرفت حقي فلا يكون غرضه من هذا الكلام إلا مزيد التبجيل إلى أن تمسك عليه بأشعار علي بن الجهم
الجواب عن الثاني أن تقول لا يجوز أن يقال المراد بقوله لم أذنت الإنكار فقوله عفا الله عنك يدل على حصول العفو وبعد حصول العفو يستحيل أن يتوجه الإنكار فنحمل قوله لم أذنت لهم على ترك الأولى الأكمل لا سيما وهذه الواقعة كانت من جنس ما يتعلق بالحروب ومصالح الدنيا (تفسیر کبیر جلد ۴)

درگذر ہے بلکہ اس سے تو اور آنحضرت کی تعظیم اور توقیر منجانب اللہ ثابت ہوتی ہے کہ قول آئندہ سے آپکے دل میں گناہ کا خیال پیدا ہو کر ملال نہ ہو۔ جیسا کوئی کسی بزرگ کو کہتا ہے کہ خدا آپ کو معاف کرے۔ یا خوش رکھے۔ یا راضی ہو۔ آپ نے میرے فلاں امر میں کیا کیا ہے۔ یا میرا حق نہیں پہچانا۔ اور یہ فرمانا کہ تونے کیوں اجازت دی بطور انکار و اعتراض نہیں ہے۔ کیونکہ معافی کے بعد کے اعتراض و انکار نامناسب ہے۔ اس سے مقصود یہی ہے کہ آپ ایسا نہ کرتے تو بہت اچھا ہوتا۔ مگر جو ہوا لائق معافی ہے نہ قابل مؤاخذہ اور گناہ۔

وازانجملہ یہ فعل آنحضرت کا ہے۔ کہ آپ نے ابن ام مکتوم نابینا کے

عبس وتولى أن جاءه الأعمى (سورہ عبس ع)
ولا تطرد الذين يدعون ربهم بالغداة والعشي يريدون وجهه (انعام ع ۔)

بے موقعہ آکر ایک سوال کرنے پر اس کو منہ پھیر لیا۔ اور رؤسا کفار قریش کے پاس خاطر سے مسکین اصحاب کو انکی آمد کے وقت اپنے پاس سے ہٹا دینے کا ارادہ کیا جس پر ان اقوال خداوندی کا نزول

ہوا۔ جو حاشیہ میں منقول ہیں۔

منکرین عصمت کہتے ہیں۔ اس فعل پر خدا نے عتاب کیا۔ اور اس ارادہ سے آپ کو روک دیا تو اوس سے معلوم ہوا کہ وہ فعل و ارادہ گناہ تھے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ آنحضرت نے اس فعل یا ارادہ میں کسی سابق امر و نہی کا خلاف نہیں کیا تھا۔ کہ اوسکو گناہ سے تعبیر کیا جا سکے۔ جو کیا یا کرنا چاہا تھا وہ آپ نے فہم و اجتہاد سے کیا۔ اور کرنا چاہا۔ اور آپ کی نیت و سمجھ میں وہ فعل و ارادہ اچھا تھا۔ ابن ام مکتوم کا تو سوال ہی بے موقعہ تھا۔ اور آمیں قطع کلام غیر پایا جاتا تھا جس سے آنحضرت نے اوس سے منہ پھیرا۔ اور کفار قریش کی آمد کے وقت میں فقراء صحابہ کو روکنے میں آپ نے خیال فرمایا کہ جو لوگ مسلمان اور میرے اصحاب ہیں وہ ہر وقت میری صحبت سے فیضیاب ہوتے رہتے ہیں۔ کفار قریش جو اپنے کفر اور تکبر دنیا کے سبب ان فقیروں کے پاس بیٹھنے سے عار کرتے ہیں۔ اون کو کوئی وقت خاص دیا جائے جسمیں فقیر نہ ہوں تو وہ بھی فیض صحبت سے فائدہ اوٹھاویں۔ مگر چونکہ اس فعل و ارادہ میں ابن ام مکتوم کی اور اون فقیروں کی دل شکنی ہوتی تھی۔ اور اوس سے یہ بھی آنحضرت پر کسی بدگمان کی بد گمانی ہو سکتی تھی۔ کہ آپ نے اون کی دنیا کا لحاظ کیا۔ اسلئے خدا نے

القائلون بصدور الذنب عن الانبیاء تمسکو بھذہ الایۃ وقالوا لما عاتبہ اللہ فی ذلک الفعل کان معصیۃ و ھذا بعید فانا قد بینا ان ذلک کان ھو الواجب للتعین الا بحسب ھذا الاعتبار الواحد وھو انہ یوھم تقدیم الاغنیاء علی الفقراء و ذلک غیر لائق بصلابۃ الرسول علیہ السلام واذا کان کذلک کان جاریاً مجری ترک الاحتیاط و ترک الافضل فلم یکن ذنباً۔ (تفسیر کبیر ص۴۳۸ جلد ۸)

والجواب انہ ترک الاولی مما یلیق بخلقۃ العظیم و مثلہ یعاتب

علی مثلہ (شرح مواقف ص۱۹۸)
والجواب عن الاوّل انه علیه السّلام ما طردهم لاجل الاستخفاف و الاستنکاف من فقرهم وانما عین لجلوسهم وقتاً معیناً سوی لوقت الذی کان یحضر فیه اکابر قریش فکان غرضه التلطف فی دخالهم فی الاسلام ولعله علیه السّلام کان یقول هؤلاء الفقراء لا یفوتهم بهذه المعاملة امرهم فی الدنیا و فی الدین و هؤلاء الکفار یفوتهم بهذا لمعاملة الدین والاسلام فکان ترجیح هذا الجانب اولی فلا قصیٰ مایقال ان هذا الاجتهاد وقع خطاءً الا ان الخطاء فی الاجتهاد مغفور به انه من باب ترک الاولی و الافضل لا من باب ترک الواجب
(تفسیر کبیر ص۲۷ جلد ۴)

نظیر شان وعظم خلق

آنحضرت کے اس فعل پر عتاب ظاہر فرمایا۔ اور اس ارادہ سے آپ کو روک دیا۔ جس سے صرف یہ ثابت ہوا۔ کہ آپ کا فعل و ارادہ گو نیک نیتی پر مبنی تھا۔ مگر اس میں آپ سے خطا اجتہادی ہوئی۔ آپکے خلق و شان کو یہی شایاں تھا۔ کہ اندھے کے سوال بے موقعہ پر حوصلہ و تحمل کو کام میں لاتے۔ اور کفار قریش کی آمد کے وقت بھی فقراء المسلمین کو روکنے کا ارادہ نہ کرتے۔ اور ان کی دل شکنی کا لحاظ فرماتے۔ اس فعل و ارادہ میں آپسے ترک اولیٰ و ترک افضل ہوا۔ اسپر آپ کو خدا تعالےٰ کا متنبہ کرنا عین عصمت ہے۔ نہ خلاف عصمت خلاف عصمت تب ہوتا جبکہ آپ اپنے اس خیال و خطاء اجتہادی پر قائم و مصر رہتے۔

وازانجملہ یہ قول خداوندی ہے کہ اے نبی اپنے گناہ کی خدا سے بخشش مانگ

واستغفر لذنبک۔ (سورہ محمد ع)

اور یہ ارشاد تاکہ خدا تعالےٰ تیرے اگلے

نمبر ۲ جلد ۲

يغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تأخر (سورہ فتح ع)	[پچھلے] پچھلے گناہ معاف کر دیے۔ اور آنحضرت
قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم انی قد استغفر الله واتوب الیه فی الیوم سبعین مرة (بخاری)	کا دائمی وعدت المعمری فعل کہ آپ خدا سے دن میں ستر دفعہ یا سو دفعہ بخشش مانگتے اور توبہ کرتے رہتے۔ یہ بھی آپ سے
ولمسلم انه لیغان علی قلبی حتی استغفر الله فی الیوم مائة مرة	مروی ہے کہ میرے دل پر پردہ یا حجاب آجاتا ہے۔ یہاں تک کہ میں دن بھر میں سو دفعہ خدا سے بخشش مانگتا ہوں۔

منکرین عصمت کہتے ہیں کہ آپ کے دل پر پردہ یا حجاب کا آجانا۔ پھر آنحضرت کا اس سے توبہ کرنا۔ اور بخشش مانگنا صاف بتاتا ہے کہ آنحضرت گنہگار تھے۔

مسٹر اکبر مسیح وغیرہ عیسائی اس دلیل پر بڑا زور دیتے ہیں۔ مسٹر اکبر مسیح اس کی تفصیل میں آنحضرت کے بعض ادعیہ کو اپنے خط مورخہ ۷۔ جنوری ۱۹۲۶ء مندرجہ کشف بغداد، جلد ۲ میں نقل کرتے ہیں جنمیں آنحضرت نے چھوٹے بڑے قصدی

اللهم اغفر لی ذنبی کله دقه وجله وعلانیته وسره اللهم اغفر لی جدی وهزلی وخطائی وعمدی وعلانیتی وسری۔	غیر قصدی کھلے چھپے گناہوں سے بخشش مانگی ہے۔ اور چونکہ مسٹر اکبر مسیح کو یہ معلوم تھا کہ اہل اسلام ان گناہوں سے ترک اولٰی وترک افضل مراد بیان کرتے ہیں

اور آپ کا بخشش مانگنا ایسے امور سے بلحاظ کمال ورع احتیاط وتقوے ہوا ہے اسلئے انہوں نے اسکے رد وجواب میں ایسے الفاظ قرآن کو پیش کیا ہے۔ جنمیں ذنب کا اطلاق کبیرہ گناہوں پر ہوا ہے۔ اور بخشش مانگنے کا حکم ایسے لوگوں کو ہوا ہے جنہوں نے کبیرہ گناہ کئے تھے۔

(۱) استغفری لذنبک (یوسف ع ۲)

(۲) ربنا فاغفرلنا ذنوبنا وقنا عذاب النار (آل عمران - ع ۲)

(۳) قل فلم یعذبکم بذنوبکم (المائدہ - ع ۳ -)

(۴) فدمدم علیھم ربھم بذنبھم (والشمس)

(۱) بیبی زلیخا کو کہا گیا ہے - کہ تو اپنے گناہ (فعل بد کے ارادہ و مطالبہ) سے بخشش مانگ -

(۲) عام مومنوں کی دعا قرآن میں منقول ہے کہ اے رب ہمارے گناہ معاف کر اور ہمکو دوزخ کے عذاب سے بچا۔

(۳) یہودیوں کو الزام دیا گیا ہے - کہ تم خدا کے بیٹے ہوتے تو تم کو خدا تمہارے گناہوں کے بدلے عذاب کیوں کرتا -

(۴) قوم ثمود کے حق میں کہا گیا ہے - کہ اون کو اون کے گناہ کے بدلے خدا نے اُلٹ مارا -

مسٹر اکبر مسیح اس خط میں لکھتے ہیں کہ ذنب کا لفظ قرآنی محاورہ میں کتنا واضح ہے جبکی کوئی تاویل نہیں ہوسکتی - یعنے پھر آنحضرت کے ذنب کی ترک افضل سے کیوں تاویل کیجاتی ہے -

پھر اکبر مسیح یہ بھی اس خط میں لکھتے ہیں کہ آنحضرت نے کھُلے الفاظ سے اپنے گناہوں اور ظلم کا اقبال کیا ہے - اور برطبق "من آنم کہ من دانم" اپنا گنہگار ہونا خود کھول کر بتا دیا ہے - پھر اون کے لوگ کیوں اون کی خوبیاں بیان کرتے ہیں - اور اون کے گناہوں کی یہ تاویلیں کرتے ہیں -

پھر اکبر مسیح نے آنحضرت کے تاریخی حالات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے مگر اوسکو مجمل رکھا ہے - کسی تفصیل یا تمثیل سے تعرض نہیں کیا -

اس قول خداوندی اور اقوال و افعال نبوی کا وہی جواب ہے جسکو مسٹر اکبر مسیح نے صحیح و بے جا تاویل سمجھا ہے - واقعہ میں آنحضرت سے نبوت سے

پہلے اور نبوت کے بعد کوئی ایسا فعل نہیں ہوا ... یا اون سے پہلے
دیگر واقعی نہ بناوٹی) شریعتوں کے رو سے یا عام اخلاق کی نظر سے گناہ کہا جا سکے و
معنداً جو آپ نے رات دن خدا سے گناہ کی معافی چاہی ہے۔ اور بخشش مانگی
ہے تو اوسکی وجہ بجز اسکے اور کچھ نہیں ہے کہ آپ نے بنظر اوس عالی رتبہ قرب الٰہی
و اتقاء کے ایسی باتوں کو جو عام لوگوں کے لئے مباح (جیسے جایز لذات دنیا سے
نفع اوٹھانا) بلکہ بعض حسنات (جیسے اولاد ازدواج سے پیار و التفات کرنا)
تھیں اپنے حق میں گناہ سمجھا ہے۔ اور بعض باتیں آپ سے ایسی بھی سرزد ہوئی
ہیں جنہیں بمقتضائے بشریت آپ سے ترک اولے ہوا۔ (جیسے کسی قدر تسلید خدا سے
غافل ہونا) یا اونہیں خطا و سہو واقع ہوا۔ وہ باتیں بھی بحکم عام اصول شریعت گناہ
نہیں کہلاتیں۔

مسٹر اکبر مسیح نے جو آنحضرت کے حق میں لفظ گناہ و یا ذنب سے وہ عام معنے مراد
قرار دیئے ہیں جو عام لوگوں کے حق میں اس لفظ کے معنے مراد لئے جاتے ہیں۔ اور
اوسپر چار آیات قرآن اور ایک دو حدیثوں کے محاورات کو سند بنا کر پیش کیا ہے
اسمیں وہ اپنے مذہب و تحقیق و اعتقاد سابق کو بھول گئے ہیں۔ اون کی غرض پرغاش
نے اون کو اپنی قلم سے لکھی ہوئی اور منہ سے کہی بات بھلا دی ہے۔ کیا سچ کہا گیا ہے

چوں غرض آمد ہنر پوشیدہ شد ۔ صد حجاب از دل بسوئے دیدہ شد

مسٹر اکبر مسیح کو اپنی وہ بات و تحقیق یاد نہیں رہی۔ جو رسالہ تنقیح الوہیت
مسیح کے صفحہ ۱۹ میں انہوں نے کہی ہے کہ "ہم اس کتاب کے صفحہ ۶۳ میں لکھ چکے ہیں
کہ محض ایک سے الفاظ استعمال کرنے کی وجہ سے دو مختلف اشخاص ہم مرتبہ نہیں
ہو جاتے" پھر اسکی تمثیل میں آپ اسکے متصل ہی فرماتے ہیں۔ جو الفاظ خدا کے لئے
غیر محدود وہی انسان کے لئے بالکل محدود اور ادنے معنے ادا کرتے ہیں۔ ازلیت و

ابدیت خدا کی صفات [illegible] میں [illegible] ان الفاظ الفا و امیگا[1] اول و آخر سے خدا
کی ازلیت و ابدیت بغیر کسی تشریح زائد کے ثابت ہوتی ہے۔ اسیطرح باوجودیکہ
جملہ سب کچھ جانتا ہے۔ سے فی نفسہ علم غیر محدود یا ہمہ دانی ثابت نہیں ہوتی۔
تاہم چونکہ کلام مقدس میں خدا سے صفات ہمہ دانی بہت واضح طور پر منسوب
ہوتی ہے۔ اسلئے جہاں کہیں لکھا ہے۔ خدا سب کچھ جانتا ہے۔ (۱۔یوحنا ۳/۲۰)
بلا تامل اس سے مراد ہمہ دانی لیتے ہیں۔ برخلاف اسکے چونکہ کلام مقدس انسان
کو نہایت وضاحت سے کم عقل و ناقص بتلاتا ہے۔ لہذا جب اوسکے لئے وہی الفاظ
تم سب کچھ جانتے ہو۔ (۱۔یوحنا ۲/۲۰) مستعمل ہوتے ہیں۔ تو اوس کا مفہوم ہمیشہ
محدود و ادنےٰ جانتے ہیں۔ اور اس کتاب کے صـ۹۳ میں
جو آپ نے کہا ہے۔ وہ بھی اسی کے معنے میں ہے۔ اصل عبارت اس صفحہ
کے بقیہ مضمون "عیسائیوں کے باہمی جنگ پر اسلامی رائے" کے پہلے ہی صفحہ میں منقول
ہوگی۔ مگر افسوس صد افسوس آپ ان باتوں کو آنحضرت کی عصمت سے پرخاش کرنے
کے وقت بالکل نسیاً منسیاً کر گئے۔ اور اس بات کو قلم میں لانے کے وقت کہ "لفظ
ذنب (یا گناہ) جو آنحضرت کے حق میں بولا گیا ہے۔ بعینہ وہی لفظ ہر جو زلیخا کے
حق میں (جبکہ اُسنے بدکاری کا ارادہ کیا تھا) اور مسلمان گنہگاروں کے حق میں جو
دوزخ سے پناہ مانگتی ہے اور یہودی اور معندین قوم ثمود کے حق میں بولا گیا ہے
اور معنے بھی اوس کے آنحضرت کے حق میں وہی مراد ہیں۔ جو زلیخا اور
گنہگار مسلمانوں اور یہودیوں اور ثمودیوں کے حق میں اس لفظ سے
مراد ہیں۔

ایسا ہی لفظ استغفر (یا بخشش مانگ) جس سے آنحضرت کو خطاب
ہوا ہے بعینہ وہی لفظ ہے ۔اور اسکے وہی معنے مراد ہیں۔ جو زلیخا کے خطاب میں

[illegible] ہوا لیا۔ اور اس سے

مسٹر اکبر مسیح اپنی ان عبارات و تمثیلات [illegible] بھول گئے۔ ہم اون کی اس کلام کے جواب میں اخلاص سے اور پیار سے کہتے ہیں کہ ول مسٹر اکبر مسیح دو مختلف اشخاص کے حق میں یا خطاب میں ایک سے الفاظ ذنب یا استغفار استعمال کرنیسے وہ دو نو ہم مرتبہ نہیں ہو جاتے۔ اور ان الفاظ کے معنے ایک ہی طرح کے نہیں لئے جاتے۔ بلکہ جب وہ الفاظ ایک مقدس رسول کے حق میں اور اوس کے خطاب میں استعمال کیئے جاویں (جسکی عصمت پر او قطعیہ عقلیہ نقلیہ قایم ہوں) تو اون سے ایسے محدود و مخصوص غیر ظاہری و تاویلی معنے مراد لئے جائیں گے۔ جسنے اون کی ثابت و مسلم عصمت میں فرق نہ آوے۔ اور جب وہی الفاظ کسی گناہ گار کے حق میں اور اوسکے خطاب میں استعمال کئے جاوینگے (جسنے زنا۔ چوری۔ قتل نفس۔ وغیرہ کبیرے گناہ کئے ہوں۔ یا کرنے کی کوشش کی ہو۔ مگر اوسمیں وہ مجبوراً ناکام رہا ہو۔ تو ان الفاظ سے غیر محدود وسیع اور ظاہری معنے مراد لئے جاوینگے جیسا کہ آپ نے صفحہ ۹۱ و ۶۳ تنقیح میں کہا ہے۔ اور اوسکو ایک اصول قرار دیا ہے۔ آپکا آنحضرت کے (جنکے تقدس اور ایفاریمیشن مصلح و ہادی ہونیکو اور اون کی کتاب قرآن مجید کے بڑا کار آمد خلاصہ بیئبل ہونے کو آپ اپنے خط مورخہ ۱۱۔ اکتوبر ۱۸۹۵ء کشف الحقایق نمبر ۳ جلد ۲ صفحہ ۴۶ میں تسلیم کر چکے ہیں) خطاب کو زلیخا کی حالت

ف آپ کے اس خط کی اصل عبارت یہ ہے۔ جو بقدر متعلق مطلب نقل کیجاتی ہے "اب میں آپ کو یہ بتاؤں کہ میں حضرت محمد صاحب کو کیا مانتا ہوں **حضرت محمد صاحب** یہودی اور عیسائی دین والونکے درمیان بلحاظ اپنے اثر کے سب سے بڑے **مصلح تھے**۔ وہ ایمان اور عقاید کے اعتبار سے ابتدائی زمانہ میں پکی نامری تھی۔ جو اپنے اصل میں یہودی بھی ہوا کرتے تھے۔ فرق

دیکھو حاشیہ صفحہ (۱۲۲)

فتنہ [redacted] سب پیش کرنا
اور دونوں کے [redacted] ہاں سے مراد لینا کمال تعجب و
افسوس کا محل ہے۔ اور یہ قیاس مع الفارق نہیں تو اور کیا ہے۔؟

یہ ہے۔ کہ اور کسی مصلح نے دعوائے نبوت کا نہیں کیا۔ گو غیر نبی کے لئے وحی کا دعوائے غیر معمولی نہ تھا۔ چنانچہ سویڈن بارگ یورپی مصلح کا جس کا فرقہ آجکل رونق پر ہے۔ وحی کا دعوائے تھا۔ حضرت محمد صاحب نے دعوے وحی کے ساتھ ایک دعوائے نبوت کا بھی کیا۔

محمد صاحب دین عیسوی کے ایک صورت کے مناد تھے قرآن

دین عیسوی کے ایک صورت کا بیبل کا خلاصہ ہے۔ جو عربی زبان میں عرب لوگوں کے لئے اس سے مصلح نے مرتب کیا۔ وہ خلاصہ بڑا کار آمد ہے۔ اور یہ مناد مصلح بھی بڑے کام کا۔ (خط مسٹر اکبر مسیح توحید ی عیسائی مورخہ ۱۱۔ اکتوبر ۱۸۹۵ء)

اس کلام میں جو آنحضرت کی تعریف پائی جاتی ہے۔ وہ مسٹر اکبر مسیح کے اس قیاس کو کہ انہوں نے آنحضرت اور زلیخا وغیرہ کے خطاب میں الفاظ کو یکساں و ہم معنے سمجھا صاف رد کر رہی ہے۔ اور اس کلام میں جو آنحضرت کو دین موسوی و عیسوی کا تابع بنایا ہے۔ اور آپ کی کتاب کو اونکی کتابوں کا خلاصہ کہا ہے۔ اسکا جواب ہم عنقریب دینگے۔ اور ثابت کر دینگے کہ آنحضرت تابع نہیں متبوع ہیں۔ شاگرد نہیں اُستاد ہیں۔ اور آپ کی کتاب صرف خلاصہ نہیں بلکہ محاکمہ و فیصلہ۔ ان هذا القرآن يقص على بني اسرائيل اكثر الذي هم فيه يختلفون۔ و انزلنا اليك الكتب مصدقا لما بين يديه ومهيمنا عليه۔ یہ آیات ہمارے دعوے کی مصدق ہیں۔ ناظرین انکی تفسیر کا انتظار کریں۔ جو مضمون میں بصفحہ (۲۴۴) ہوگی انشاء اللہ تعالےٰ۔

ہم مسٹر اکبر مسیح پادری سے [redacted] حاشیہ میں پایا جاتا ہے زیادہ بدگمانی نہیں کرتے۔ صرف یہی تجویز کرتے ہیں کہ مسٹر اکبر مسیح اپنے تحقیق رسالہ تنقیح کو اس کلام کے وقت بھول گئے۔ اور نیز وہ اپنے اس اعتراف کو جو خط ۱۱۔ اکتوبر ۱۸۹۵ء میں کر چکے تھے۔ فراموش کر گئے۔ امید ہے اب وہ ہماری یاد دہانی پر اپنی اس تحقیق کو یاد و خیال میں لائیں گے۔ اور نیز آنحضرت کی اس تعریف کو جو وہ خط ۱۱۔ اکتوبر ۱۸۹۵ء میں کر چکے ہیں۔ یاد میں لا کر صاف اقرار کرینگے۔ کہ ہمنے اس قیاس میں غلطی کی آنحضرت کے خطاب میں الفاظ ذنب اور استغفار ان معنے میں مستعمل نہیں ہوئے جن معنے میں بحالت ارادہ فسق و فجور زلیخا کے یا اور فاسقوں کے خطاب میں مستعمل ہوئے ہیں۔

اور اگر مسٹر اکبر مسیح دل سے آنحضرت کو ایک مقدس مصلح نہیں جانتے اور اعتراف خط ۱۱۔ اکتوبر ۱۸۹۵ء صرف زبانی جمع خرچ ہے۔ اور وہ آنحضرت کو (عیاذاً باللہ) صریح گناہوں کا مرتکب خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ انکا تاریخی حالات آنحضرت کی طرف اشارہ مشعر ہے تو پھر وہ مرد میدان نہیں۔ آنحضرت کا کم سے کم ایک گناہ (جس میں آپ نے قرآن اور اپنی شریعت کا عمداً خلاف کیا ہو۔ یا عام اخلاقی اصول اور اتفاقی سابق محقق شریعتوں کا خلاف کیا ہو۔ اور آنحضرت کیطرف سے مسلمانوں نے اسکا کافی عذر نہ کیا۔ اور شافی جواب نہ دیا ہو) ثابت کریں اور اوسکا اس خاکسار سے ایک ہزار روپیہ انعام لیں۔

اس ثبوت دینے اور انعام پانے کے بعد اون کو یہ کہنا کہ جو لفظ ذنب یا استغفار کا آنحضرت اور زلیخا وغیرہ کے خطاب میں وارد ہے۔ وہ دو نو جگہ ایک ہی معنے رکھتا ہے۔ زیبا ہو گا۔ ہنوز زیب نہیں دیتا۔ اور اگر آپ کو اپنا انداز ظاہری تہذیب و طرز ملائمت اس ثبوت سے مانع ہو تو آپ ان عیسائیوں میں سے جو

اسلام سے مرتد ہو کر [illegible] مقصود اس تبدیل مذہب سے
صرف ٹکڑا کمانا ہے کہ کسیکو پیش کریں۔ اور وہ بھی یہی انعام لیں۔ مگر جو شخص
بطمع مال یا بغیرت یا حمیت مذہب اس امر کی جرأت کرنے لگے تو اوسکو پہلے یہ
سوچ لینا مناسب ہے کہ اوس سے پہلے اسلام اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے
کس قدر یہودی و نصرانی مخالف و معاند گذرے ہیں۔؟ کوئی بھی اس ارادہ
میں کامیاب ہوا ہے ؟۔ اور کسی نے کوئی بات ایسی آنحضرت کی ثابت کی ہے
جس کا مسلمانوں نے دندان شکن جواب نہ دیا ہو۔ سیل صاحب مترجم
قرآن نے باوجود سخت پرخاش کے آنحضرت کے حق میں کوئی ایسی بات نکالی
جسکا جواب اہل اسلام کے لائق فاضلوں نے نہ دیا ہو۔ سر ولیم میور۔ جیسے
متعصب انگریز نے آنحضرت کے ”لائف“ (حالات زندگی) میں کوئی ایسی بات
لکھی تو صاحب خطبات احمدیہ نے اوسکی خبر لی۔ آنحضرت کی نسبت میں ایک بڑا
اون لوگوں کا الزام قتل عام کا ہے۔ اسکا جواب بھی صاحب خطبات احمدیہ
نے رسالہ جواب ڈاکٹر ہنٹر میں۔ مولوی چراغ علی صاحب نے اپنی کتاب بسط
جہاد میں اور اس خاکسار نے اپنے رسالہ اقتصاد فے مسائل الجہاد میں ایسا دیا ہے
کہ عیسائیوں کے پاس اسکا جواب نہیں۔

ایک الزام بابت نکاح حضرت زینب ہے جسکا جواب بھی عیسائیوں کو
رسالہ اشاعت السنہ نمبر ۶ جلد ۱۰ وغیرہ تالیفات اہل اسلام میں خاطر خواہ مل چکا
ہے۔ اور آئندہ جو صاحب اس میدان میں اوتریں سمجھ سوچکر اوتریں۔ ایسا نہو
کہ لینے کے دینے آویں۔

ہم بصورت لاجوابی و اسکات مدعی الزام کے اوس سے نقد کچھ نہ لیں گے
اوس سے یہی درخواست کرینگے کہ اگر وہ آنحضرت کا کوئی گناہ ثابت نہ کر سکے اور

اپنی بات میں ساکت [illegible] کرکے اسلام اختیار کرے۔

اس بیان میں آیات ذنب واستغفار سے تمسک کرنے والے عیسائیوں کا کافی وشافی ادا ہوا ہے۔ اب ہم اقوال اہل اسلام سے اپنے جواب کے مؤیدات نقل کرتے ہیں۔ جس سے اہل اسلام کی مزید اطمینان ہو۔ اور یہ جواب نقل سے مؤید ہو جیسا کہ عقل سے مؤید ہو چکا ہے۔

پہلی آیت سورہ محمد کی تفسیر میں **فتح البیان** میں کہا ہے۔ کہ اس سے

ای استغفر الله ان یقع منك ذنب او استغفر الله لیعصمك او استغفره مما ربما یصدر منك من ترك الاولی۔

مراد یہ ہے کہ خدا سے یوں بخشش مانگ کہ گناہ تجھ سے وقوع میں نہ آوے۔ یا یہ کہ خدا تجھے اس گناہ سے بچا کر رکھے۔ یا یہ کہ جو تجھ سے اولے وافضل امور ترک ہوتے ہیں وہ معاف کرے۔

قال القاضی عیاض المراد به الفترات والغفلات من الذکر الذی کان شانه صلی الله علیه وسلم الدوام علیه فاذا فتر وغفل عد ذلك ذنبا۔ فتح البیان ص۲۵۳ جلد ۱۰۔)

قاضی عیاض نے کہا ایسے امور سے مراد یہ ہے جو آپ سے یاد الٰہی میں جس پر آپ کی عادت اور شان مداومت کرنے کی تھی) سستی یا غفلت واقعہ ہوجاتی تھی۔ جب آپ اس یاد سے سست یا غافل ہوتے تو اوسکو گناہ سمجھتے۔ اور اس سے بخشش مانگتے۔

ویکون المراد بالذنب بعد الرسالة ترك ما هو الاولی و سمی ذنبا فی حقه لجلالة قدره وان لم یکن ذنبا فی حق غیره فهو

ایسا امر آپ کے حق میں گناہ آپکے عالی قدر کی نظر سے سمجھا گیا ہے۔ گو یہ دوسرے

من هاب ...

سیئات المقربین (تفسیر روح البیان
صفحہ ۲۹۲ جلد ۴-)

وثانیهما المراد هو النبی والذنب
ترك الافضل وهو بالنسبة
الیه ذنب وحاشاه من ذلك
وثالثها وجه حسن مستنبط وهو
ان المراد توفیق العمل الحسن واجتناب
العمل السیٔ ووجهه ان الاستغفار
طلب الغفران والغفران هو الستر
علی القبیح ومن عصم فقد ستر
علیه قبائح الهوی ومن طلب
الغفران طلب ان لا تفضحنا وذلك
یکون بالعصمة منه فلا یقع
فیه کما کان للنبی صلی الله علیه
وسلم وقد یکون بالستر علیه
بعد الوجود کما هو فی حق المؤمنین
والمؤمنات (تفسیر کبیر صفحہ ۵۴۲ جلد ۷-)

وثانیها المراد ترك الافضل
وثالثها الصغائر فانها جائزة
علی الانبیاء بالسهو والعمد

... گناہ میں ہے۔ یہ وہی بات
ہے۔ کہ عام نیکوں کی نیکیاں خاص قرب
والوں کی برائیاں ہیں"

پہلی آیت کی تفسیر میں امام رازی فرماتے
ہیں کہ اسمیں دوسری تاویل یہ ہے۔ کہ
اسمیں آنحضرت کو خطاب مراد ہے۔ اور
گناہ سے مراد ترک امور افضل ہے۔ جو
آپ کی نسبت گناہ ٹھیرایا گیا ہے۔
تیسری تاویل جو ایک عمدہ وجہ مستنبط یہ ہے
کہ اس استغفار سے مراد نیک عمل کی
توفیق اور عمل بد سے کنارہ کشی طلب
کرنا مراد ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ استغفار
کے معنے طلب غفران ہے۔ اور غفران بری بات کو ڈھانکنا
ہے۔ اور جسکو خدا گناہ سے بچاتا ہے۔
گویا اوسکی خواہش نفس کی برائیوں کو
ڈھانک لیتا ہے۔ اور جو شخص بخشش
مانگتا ہے۔ وہ یہ کہتا ہے خدایا میری
بے پردگی نہ کر۔ یہ امر گناہ سے بچا رکھنے
سے بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ آنحضرت کے
حق میں ہوا ہے۔ اور گناہ واقعہ ہو جانے
کے بعد اسپر پردہ ڈال دینے سے بھی ہوتا ہے

[illegible]

وهو يصونهم عن [illegible]

(تفسير كبير ص۵۵۵ جلد ۷)

ويمكن ان يجاب عنه بان الانسان لا ينفك عن ترك الافضل و الاولى وحينئذٍ يحتاج الى طلب المغفرة لان حسنات الابرار سيئات المقربين ولانهم ابدًا فى مقام هضم النفس واظهار الذلة والخضوع كما قال صلى الله عليه وسلم انى لاستغفر الله فى اليوم والليلة سبعين مرة

(تفسیر کبیر ص۱۰۲ جلد ۷)

[illegible] ہے یا

اور دوسری آیت کی تفسیر میں امام نے کہا ہے کہ دوسری تاویل میں یہ ہے کہ اس گناہ سے ترک افضل مراد ہے۔ تیسری تاویل یہ کہ صغیرہ گناہ مراد ہے اور صغیرہ گناہ کا صدور انبیاء سے ہو سکتا ہے اور وہ اون کو عجب (خودپسندی) و پندار سے بچاتا ہے۔ اور سورہ ص کی آیت سابق الذکر کی تفسیر میں امام نے کہا ہے کہ حضرت داؤد کے استغفار کرنے کا یہ جواب بھی ممکن ہے کہ انسان امر افضل و اولے کے ترک کرنے سے کبھی خالی اور جدا نہیں ہوتا۔ اور اسوقت اوسکو بخشش مانگنے کی حاجت پڑتی ہے۔ کیونکہ عام نیکوں کی نیکیاں خاص قرب والوں کے برائیاں سمجھی جاتی ہیں اور نیز وہ لوگ ہمیشہ کسر نفسی اور جناب باری میں اظہار ذلت اور عاجزی کے مقام میں رہتے تھے۔ چنانچہ آنحضرت نے فرمایا کہ میں رات دن میں ستر دفعہ بخشش مانگتا ہوں۔

اور حدیث استغفار اور پردہ یا حجاب کی شرح میں شیخ عبدالحق بھونے

قد تحير العلماء فى بيان معنى هذا الحديث ونحق بهم ان يتحيروا فى ذلك لانه لا مجال

لمعات شرح مشکوۃ میں کہا ہے۔ کہ علماء اس حدیث کے معنے بیان کرنے میں حیرت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور یہی

لاحداث [illegible]
المصطفوی وما یسطر فیه
من الحال وما قیل فیه فهو قول
بالظن والتخمین الا ما وقع فی
بواطن بعض المحققین من العارفین
من نورہ المبین وننقل من
کلامهم ما ذکروا فی ذلک فقیل
ان ذلک بسبب ما اطلع علیه
من احوالهم بعدہ فکان یستغفر لهم
هکذا قالوا۔ وقیل انه بسبب
یشتغل من النظر فی امور امته
ومصالحهم ومحاربة الاعداء
یری انه یشتغل بذلک وان کان
اعظم طاعة واشرف عبادة
من ملازمة عالی مقاماته و
رفیع درجته وتفردہ بربه و
خلوص قلبه وصرف همته عن کل
شئ سواہ وکان یعد ذلک ذنبا
ویستغفر منه وقیل قد یکون
هذا الغین السکینة التی تغشی
قلبه واستغفارہ اظهار العبودیة

[illegible] ونکو سزاوار ہے۔ کیونکہ کسی کی مجال
نہیں کہ وہ آنحضرت کے دل کی حقیقت
جانے۔ اور جو حالات اوسپر طاری ہوتے
ہیں اون کو پہچانے۔ اسباب میں جو کچھ کہا گیا
ہے صرف ظن اور تخمین سے کہا گیا ہے
بجز ان باتوں کے جو عارفوں نے آنحضرت
سے صاف روشنی حاصل کرکے کہی ہیں
یہاں ہم اون کے اقوال نقل کرتے ہیں
بعض عارفوں نے کہا ہے کہ اس پردہ
سے وہ حالات مراد ہیں کہ آنحضرت کے
بعد اُمت پر وارد ہوئے۔ اون کو خیال
میں لانے سے آپ کو رنج ہوتا۔ اور آپ
ان حالات کی نظر سے اس اُمت کے لئے
بخشش مانگتے۔ بعض عارفوں نے کہا ہے
کہ یہ پردہ بعض امور متعلق اُمت کی مصلحتوں
اور دشمنوں کی اون سے لڑائیوں کے فکر
میں مشغول ہوجانے کے سبب ہوتا تھا۔
یہ شغل اگرچہ بڑی طاعت اور اشرف
عبادت تھی۔ مگر جو عالی مقام اور بلند
درجہ آپ کو خدا سے خلوت اور اخلاص
اور ماسوی اللہ سے دل پھیر لینے کا حاصل

والاستغفار ویحتمل ان یکون
حالۃ خشیۃ واعظام یغشی القلب
واستغفارہ شکراللہ تعالی و
ملازمۃ العبودیۃ وقال بعض
الصوفیۃ ھذا غین الانوار لاغین
الاغیار کما قال بعض العارفین من
انہ کان یکشف علی قلبہ الشریف
فی کل ساعۃ انوار صفات الحق
وکان یترقی فی کل آن فی ھذہ
التجلیات وبعد بعد الترقی الی
درجۃ الفوق ماتحتھا بمثابۃ
ذنب استغفر منہ وھکذا حال
قلبہ دائما ابد الاباد۔
(لمعات شرح مشکوۃ)

... ب ہو جاتا
تھا۔ اسلئے آپ اوسکو گناہ سمجھتے۔ اور اس
سے بخشش مانگتے۔ بعض نے کہا ہے
کہ یہ پردہ اس تسکین کا نام ہے جو آپکے
دل کو ڈھانک لیتی ہے۔ اور استغفار اظہار
عبودیت اور احتیاج کا نام ہے۔ اور یہ
بھی احتمال ہے کہ پردہ سے حالت خشیت
و تعظیم الہی مراد ہو۔ اور استغفار سے
اوسکا شکر اور ملازمت عبودیت۔ بعض
صوفیہ نے کہا ہے کہ یہ انوار کا پردہ
ہے۔ نہ اغیار کا۔ چنانچہ بعض عارفین نے
کہا ہے۔ کہ آنحضرت کے مبارک دل پر
انوار صفات الہی کے تجلے ہوتے۔ اور
ہر آن ترقی کرتے۔ جب آپ نیچے کے
درجہ سے اوپر کے درجہ پر پہنچتے تو نیچے کے درجہ کو اوپر کے درجہ کی نسبت گناہ
سمجھتے اور اوس سے بخشش مانگتے۔ آپ کے دل کا ہمیشہ ابدالاباد یہی حال ہے۔
ملا علی قاری نے اس حدیث کی تشریح میں شرح فقہ اکبر میں کہا ہے۔

واما قولہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ لیغان
علی قلبی وانی لاستغفر اللہ فی
الیوم مائۃ مرۃ فقال الرازی
فی التفسیر الکبیر اعلم ان الغین

کہ پردہ وہ ہے جو دل کو ڈھانک لیتا ہے
جیسے باریک بدلی ہوا میں سورج کی
آنکھ کے لئے حجاب نہیں ہوتی۔ صرف
پوری روشنی کو روک لیتی ہے۔ پھر اس

يغشى لقلب [illegible]
وهو كالغيم الرقيق الذي يعرض
في الهواء فلا يحجب من عين الشمس
ولكن يمنع كمال ضوئها ثم ذكروا
لهذا الحديث تاويلات۔
اولها ان الله اطلع نبيه على مايكون
في امته من بعده من الخلاف وما
يصيبهم فكان اذا ذكر ذلك وجد
غينًا في قلبه فاستغفر لامته قلت
وفيه بعد ظاهر في الافهام من
جهة دوام تذكر ذلك المقام مع
انه صلى الله عليه وسلم كان في مرتبة
عالية من المرام۔
وثانيها انه صلى الله عليه وسلم
كان ينتقل من حالة الى اخرى رفع
من الاولى فكان الاستغفار لذلك
يعني لتوقفه وظنه انه حالة الاعلى
وهذا المعنى هو الاولى لمطابقة قوله
تعالى وللاخرة خير لك من الاولى
وثالثها ان الغين عبارة عن السكر
الذي كان يلحقه في طريق المحبة

[illegible] کی کئی تاویلیں علماء نے کی ہیں
ایک تاویل یہ کہ خدا نے آنحضرت کو
امت کے ان باہمی اختلافات اور مصیبتوں پر
اطلاع دی تو اون کی یاد سے آپکے دل پر
پردہ ہو جاتا۔ جس کے لئے آپ بخشش مانگتے
میں (ملا علی قاری) کہتا ہوں یہ تاویل
بعید ہے اور اس حجاب کا ہمیشہ
آنحضرت کے دل پر وارد ہوتے رہنا۔
آپ کے عالی رتبہ کے مخالف ہے۔
دوسری تاویل یہ کہ آپ ایک ادنے
حالت سے اونچی حالت کیطرف انتقال
کرتے تو نیچے کی حالت کو اعلے سمجھتے۔ اور
اسمیں توقف کرنے کے سبب اسکو گناہ
سمجھتے۔ یہ تاویل اس قول خداوندی کے
مطابق ہے۔ جو فرمایا ہے۔ البتہ تیری
دوسری حالت پہلی حالت سے بہتر ہی
تیسری تاویل یہ کہ پردہ اس حالت سکر
وبیخودی سے مراد ہے۔ جو سلوک
راہ محبت میں آپ کو لاحق ہوتی تھی۔
یہانتک کہ آپ اپنی ذات کے حالات
سے بالکل فنا وبے خبر ہو جاتے۔ پھر جب

حتی یصیر نائبا عن نفسہ [illegible]
فاذا عاد الی الصحو کان الاستغفار
من ذلک الصحو وھو تاویل
ارباب الحقیقۃ قلت ویؤیدہ
حدیث لی مع اللہ وقت لایسعنی
فیہ ملک مقرب ای جبرئیل
المقدس او نبی مرسل ای نفسہ
الانفس الا انہ قد یقال الاستغفار
لیس من الصحو بل من المحو لظاھر
قولہ علیہ السلام وانہ لیغان علی
قلبی حتی یمنعنی عن شہود ربی
فی مقام جمع الجمع الذی لایحجب
الکثرۃ عن الوحدۃ ولا یمنع الوحدۃ
عن الکثرۃ لاسیما وھو فی منصب
الرسالۃ وفی مقام تبلیغ الدعوۃ
والدلالۃ فکل ما یمنعہ عن المقام
الاکمل فنسبۃ الاستغفار الیہ
امثل۔ وقد یقال ان الغین
کنایۃ عن الغیر من ملاحظۃ
الخلائق۔ ومرابطۃ العلائق
ومضایقۃ العوائق کما ان العین

[illegible] ہوش کیحالت
سے استغفار کرتے۔ یہ تاویل اون لوگون
کی ہے۔ جو حقائق آگاہ کہلاتے ہیں +
میں (ملا علی قاری) کہتا ہوں اس تاویل
کی مؤید وہ حدیث ہے جو آپ نے فرمائی
ہے۔ کہ مجھے خدا کے ساتھ ایسا وقت خلوت
وتجرد بھی ہوتا ہے جسمیں میرے ساتھ
کسی مقرب فرشتے (جبرئیل امین) یا نبی
(نفس نفیس خود حضرت رسالت) کی گنجائش
نہیں ہوتی۔ یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ یہہ
استغفار حالت ہوش سے نہیں۔ بلکہ حالت
سکر و بے خودی سے ہے۔ اسکی تائید
آپ کا یہ قول کرتا ہے۔ کہ میرے دل پر
پردہ ہو جاتا ہے۔ جو مجھے تجلے الٰہی سے
(جو جمعیت کے مقام میں ہوتے ہیں) اور
ہمیں نہ کثرت وحدت کی حجاب ہوتی ہے
نہ وحدت کثرت کی) روک لیتا ہے یہ
معنے حجاب کے خاص کر آپ کے منصب
رسالت اور مقام تبلیغ دعوت کے لئے
مناسب ہیں جو محویت و بے خودی آپکو
ایسے کامل مقام تبلیغ رسالت اور دعوت

كناية عن مرا...
هو عين العلم والايمان و
زين العمل والاحسان كما
يشير اليه حديث الاحسان
ان تعبد الله كانك تراه اى
تكون فى مقام العبودية لله
بحيث لا يخطر ببالك ماسواه
والخواطر لا تنفك عن السرائر
فكلما خطر بباله سوى الله
قال استغفر الله . كما اشار
شيخ مشائخنا ابو الحسن البكرى
فى حزبه الى هذا المقام العلى
والحال السنى واوصى اليه
العارف ابن الفارض ايضا
بقوله ولو خطرت لى سواك
ارادة ، على خاطرى سهوا
حكمت بردتى ، ومن هذه
العبارات يفهم مضمون
كلام من قال من اهل الاشارات
حسنات الابرار سيئات
الاحرار -

... سے استغفار بہت بہتر ہے
اگرچہ وہ حالت آپ کے ذاتی حظ کے لحاظ
سے مفید ہے۔ یہ بھی اوسکی تاویل میں کہا گیا
ہے۔ کہ پردہ سے مراد غیر اللہ (مخلوقات) کا
خیال میں آنا۔ اور اُنسے تعلقات کا ربط ہونا۔ اور ایسی
مانعات کی تنگی کا پیش آنا جیسا کہ عین سے مراد خدا کی
ذات کا خیال رہنا اور اوسکی صفات کا مشاہدہ ہونا ہے
جو عین علم و ایمان اور زینت عمل و احسان ہے۔ جیسا کہ حدیث
میں آیا ہے۔ کہ عبادت کا احسان (یعنی اچھا کرنا) یہ ہے کہ تو خدا کی
ایسی عبادت کرے۔ کہ گویا تو اوسکو دیکھ رہا ہے یعنی تو عبودیت
کے مقام میں ایسا ہو کہ تیرے دل میں خدا کے سوا کسی کا خیال نہ گذرے اور
چونکہ دلوں کے خیالات غیر اللہ کے خطرات سے خالی نہیں ہوتے۔ لہذا جب
آنحضرت کے دل میں کسی غیر کا خطرہ
گذرتا۔ آپ اوسکو پردہ سمجھتے اور اوس سے بخشش
مانگتے۔ چنانچہ ہمارے مشائخ کے شیخ ابو الحسن بکری
نے اپنے حزب میں اس عالی مقام اور مخفی حال
کیطرف اشارہ کیا ہے۔ اور اوسی مقام کی
ابن الفارض عارف نے وصیت کرکے شعر
میں کہا ہے۔ اے خدا اگر تیرے غیر کا ارادہ
و خیال میرے دل میں بھولے سے بھی
پیدا ہو۔ تو میں اپنے اوپر مرتد ہوجانے کا

وثالثها وهو تاويل اهل
الظاهران القلب لا ينفك
عن الخطرات وخواطر
الشهوات وانواع الميل و
الارادات وكان يستعين
بالرب في دفع تلك الخواطر
قلت
وخامسها تبعاً لارباب الظاهر
انه كان استغفاره من رؤية العبادة
او من تقصيره في الطاعات او
عجزه عن شكر النعم في الحالات
ولذا كان عليه السلام يستغفر
اذا فرغ عن الصلوة وكذا اذا
خرج من قضاء الحاجات ومن
هذه القبيل قول رابعة العدوية
استغفارنا يحتاج الى استغفار
كثيرة وله معنيان احدهما
ادق من الآخر فتامل وتدبر
(شرح فقه اكبر صـ)

... اہل ... عبارات سے
اہل اشارات کے اس قول کا مضمون سمجھ
میں آتا ہے کہ عام نیکوں کی نیکیاں خاص
مقربین۔ اور قیود نفس سے آزاد لوگوں
کی برائیاں سمجھی جاتی ہیں۔
چوتھی تاویل اہل ظواہر کی ہے۔ کہ دل میں
ہمیشہ خطرات اور نفسانی خواہشات وارادات
وارد ہوتے رہتے ہیں۔ جیسے کوئی دل خالی
نہیں ہوتا۔ ان خطرات کو آنحضرت نے غین
کہا ہے۔ اور اس سے بخشش مانگی ہے۔
پانچویں تاویل یہ کہ اپنی عبادت کو عبادت
سمجھنا بھی ایک حجاب ہے۔ اس سے آپ
بخشش مانگتے۔ یا طاعت میں کچھ قصور کرنے
اور تمام حالات میں ادائے شکر نعمت سے
عاجز رہنے سے آپ استغفار کرتے۔ اسی واسطے
جب آنحضرت نماز سے فارغ ہوتے تو استغفار
کرتے ایسا ہی جب آپ قضا حاجت ضروریہ
فارغ ہو کر نکلتے تو بخشش مانگتے۔ اس تاویل
کی قسم سے مشہور ولیہ رابعہ بصریہ عدویہ کا
قول ہے کہ ہمارا استغفار (بخشش مانگنا) کئی استغفاروں کا محتاج ہے۔ اس قول کے
دو معنے ہیں۔ جن میں ایک دوسرے سے زیادہ باریک ہیں۔ کلام ملا علی قاری

خاکسار [illegible] ہے۔ کہ ان دو معنے سے اوّل یہ
ہیں (واللہ اعلم) جو ظاہری۔ اور دوسری ہیں کہ جب ہم خدا سے بخشش مانگتے
ہیں۔ اور استغفار پڑھتے ہیں تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم نہ صرف زبان سے
استغفر اللہ کہنے پر اکتفا کریں۔ بلکہ سیکڑوں بلکہ ہزاروں گناہوں کو جو ہمارے
دل، زبان، ہاتھ، پاؤں وغیرہ اعضائے ظاہری و باطنی سے سرزد ہوتے ہیں
پیش نظر رکھیں۔ اور ان سب گناہوں سے بخشش مانگیں۔

معنے دوم جو دقیق ہیں یہ ہیں کہ جو ہم استغفار کرتے ہیں اور استغفر اللہ کہتے
ہیں۔ یہ فعل اور کلمہ خود اس لائق ہے۔ کہ ہم اس سے استغفار کریں۔ اور خدا
سے اوس کے لئے بخشش مانگیں۔ کیونکہ یہ کلمہ جسطرح پر ہم کہتے ہیں۔ اور جس قدر
خلوص و حضور قلب اس میں ہم بجالاتے ہیں وہ خدا کی عظمت و تقدس اور
شان کے شایاں نہیں ہوتا۔ لہذا ہم کو اس استغفار سے استغفار کرنا چاہیئے۔
پھر اس استغفار سے جو اس استغفار کی ندامت و اعتراف تقصیر میں کریں گے۔
وعلے ہذا القیاس۔

محققین کا یہ خیال ہے۔ کہ نماز کے بعد آنحضرت کا تین دفعہ استغفار
اور توبہ کرنا یعنے **استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیه**
پڑھنا اسی اصول و خیال پر مبنی تھا جسکا مطلب و مقصود یہ ہوتا تھا۔ کہ اے الہ العالمین
ہم نے جو یہ نماز پڑھی ہے۔ اسمیں ہم نے تیرا حق عبادت جیسا کہ چاہیئے تھا
ادا نہیں کیا۔ اور جو عجز و خشوع و خلوص و حضور و قطع تعلق ماسوے اللہ تیرے
شان کے لائق تھا۔ وہ ہم سے پورا ادا **ما عبدناک حق عبادتک**
نہیں ہوا۔ ہم اس تقصیر کی معافی چاہتے ہیں۔ اور اس سے توبہ کرتے ہیں
اس استغفار سے یہ مطلب و مقصود نہ ہوتا تو نماز اور کونسے گناہوں کا محل تھا

بقیہ صفحہ (۱۴۸) نمبر ۵ جلد ہذا ملاحظہ ہو۔

نہ سلام پھیرتے ہی انسے توبہ کرنے کا وقت آگیا تھا۔

عیسائی ان اسرار و معارف روحانیہ کو سمجھنے سے ایسے کورے و عاری ہیں۔ جیسا اندہا دوزاد دیکھنے یا عنین (پیدائشی نامرد) لذت مباشرت سے وہ ان معارت کو کیونکر سمجھیں جبکہ اون کے ہادی نے اون کے زعم میں کبھی استغفار نہیں کیا۔ اور نہ اون کو استغفار سکھایا۔ اون کو عبادت دعا سکھائی تو یہ سکھائی کہ اے خدا ہم کو روز کی روٹی دے۔ لہذا اون کی دعا و عبادت یہی ہے۔ کہ خوب کھائیں اور عیش و خوشیاں مناویں۔ گرجا میں جاویں تو وہاں بھی راگ گائیں اور باجے بجائیں۔ اور ماہ جبینوں کے نظارہ کا لطف اوٹھائیں اور اون کے ہاتھوں سے ہاتھ ملاویں۔ اور خدا پر یا تو یہ بہت مہربانی کریں تو یہ بھی کہ یہ کلمہ بھی کہدیں کہ ہم نے مسیح کا خون بہایا وہ ہمارا کفارہ ہوگیا اور اسپر یقین کرلیں کہ بس ہم نے خدا کی عبادت کا حق ادا کیا۔ اب ہمارا حق خدا کے ذمہ ثابت ہوگیا۔ کہ وہ ہم کو اپنی آسمانی بادشاہت# میں داخل کریں

وہ حضرات ان اسرار و معارف کو سنیں گے تو امید نہیں کہ ان سے نفع اوٹھاویں۔ بلکہ خوف ہے کہ انپر ہنسی اوڑاویں۔ اور قہقہے لگا کر تالیاں بجائیں یہ اسرار معارف ہم نے اون کی خاطر سے بیان نہیں کئے۔ بلکہ حقائق شناس و منصف اہل اسلام کے لئے بیان کئے ہیں۔ اور خدا تعالے سے قوی امید ہے ان اسرار کو سننے اور پڑہنے سے اون کے ایمان تازہ ہونگے۔ اور وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے استغفار اور اظہار عجز و انکسار سے آپ کے تقدس و حقانیت و ولایت کا اور یقین بڑہائینگے۔

ذیل میں ہم قرآن و حدیث سے ان باتوں کی تائیدات نقل کرتے ہیں۔ جو علماء کرام نے توجیہات و تاویلات مذکورہ بالا میں کہی ہیں۔ تاکہ انسے

* دیکھو انجیل متی باب ۶ آیت ۹ سے ۱۱۔ # صفحہ ۲۲۸ ملاحظہ کرو

اہل ایمان و دیندار زیادہ ہوں۔ اور عیسائی وغیرہ مخالفین کی اس نکتہ چینی سے دلوں بندی ہو کہ یہ تاویلات و توجہات پیروان و ثناخوانان پیغمبر از خود کرتے اور کہتے ہیں۔ اور مثل مشہور "پیراں نئے پرند۔ مریداں مے پرانند" پر عمل کر رہے ہیں۔ اور درحقیقت اون کے پیغمبر نے نہ یہ باتیں کہی ہیں اور نہ توبہ استغفار و اعتراف گناہ سے یہ باتیں آپ کو مد نظر تھیں۔ لہذا یہ توضیحات توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ کا مصداق ہیں۔ جیسا کہ مسٹر اکبر مسیح نے اپنے خط ۷۔ جنوری ۱۸۹۶ء مندرجہ کشف الحقایق نمبر ۷ جلد ۲ صفحہ ۱۰۵ وغیرہ کہا اور انصاف کا خون کیا۔ اور مسلمانوں کی گردن پر بیرحمی کا چھرا چلایا ہے۔ وہ آنحضرت کی حدیث رب انی ظلمت نفسی ظلما کثیرا یعنے الٰہی مینے اپنی جان پر بہت سا ظلم کیا۔ نقل کر کے یہ فقرہ لکھتے ہیں "سچ ہے من آنم کہ من دانم چاہے لوگ کسی بزرگ کی خوبیوں کے بارہ میں کسقدر مبالغہ کیوں نہ کریں مگر پوچھا چاہیئے کہ وہ اپنی نظروں میں اپنے تئیں کیسا دیکھتا ہے"۔

ان تائیدات کو پڑھ کر اور سنکر مخدوم ہے تو اہل اور بے انصاف سے بے انصاف عیسائی بھی مان لے گا۔ اور کہیگا کہ اہل اسلام نے جو توجیہات آنحضرت کے استغفار و اعتراف ظلم و اظہار و انکسار کے متعلق بیان کی ہیں۔ وہ آنحضرت کے منشاء اور نیت کے عین مطابق اور اون کے اقوال سے مستنبط ہیں۔ اون کے پیروان کی از خود بے جا خوشامد اور صرف معتقدانہ تعریف نہیں ہے۔ اور نہ توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ کا مصداق ہے۔

آیات و احادیث سے اس بات کا ثبوت کہ جسقدر انسان بلند رتبہ ہوتا ہے اسیقدر خدا سے زیادہ ڈرتا ہے

ایک آیت میں ارشاد ہوا ہے۔ جنکو یہ لوگ پکارتے (اور پوجتے) ہیں

اولٓئک الذین یدعون یبتغون الی ربھم الوسیلۃ ایھم اقرب ویرجون رحمتہ ویخافون عذابہ (بنی اسرائیل - ع - ۶)

(یعنے حضرت عیسے و عزیر وغیرہ انبیاء) اون میں سے جو خدا کے حضور میں زیادہ قرب رکھتا ہے وہی خدا کی طرف وسیلہ (عبادت و طاعت) تلاش کرتا ہے - اور خدا کی رحمت کی امید رکھتا ہے - اور اوسکے عذاب سے ڈرتا ہے -

ایک اور آیت میں حضرت ابراہیم و اسحق و یعقوب و اسمعیل و لوط و نوح

انھم کانوا یسارعون فی الخیرات ویدعوننا رغبا و رھبا وکانوا لنا خاشعین (انبیاء - ع - ۶)

داؤد و سلیمان و ایوب و یونس و زکریا و یحیی (بحسب بیان انجیل پیر و مرشد حضرت عیسے) سلام اللہ علیہم اجمعین کا ذکر فرماکر ارشاد فرمایا ہے کہ یہ لوگ نیکیوں میں جلدی کرتے اور ہمکو رغبت اور خوف سے پکارتے اور ہم سے ڈرنے والے تھے -

ایک آیت میں نیکیوں میں جلدی کرنے والوں کی بطور تفسیر یہ علامت

والذین یؤتون ما اتوا وقلوبھم وجلۃ انھم الی ربھم راجعون اولٓئک یسارعون فی الخیرات وھم لھا سابقون (المؤمنون ع ۴)

بیان ہوئی ہے - کہ وہ طاعت کرتے ہیں (نماز روزہ وغیرہ ادا کرتے ہیں) اور پھر ڈرتے ہیں - کہ ہم کو خدا کیطرف جانا ہے - (یعنے دیکھئے وہاں ہماری نمازیں قبول و منظور ہوتی ہیں یا نہیں - اور وہ نمازیں ٹھیک ادا ہوئی تھیں یا نہیں) یہی لوگ ہیں جو نیکیوں میں جلدی کرتے ہیں - اور یہی سبسے اگاڑی بڑہنے والے ہیں -

اور آنحضرت نے فرمایا ہے سن رکھو خدا کی قسم ہے میں تم سب

اما واللہ انی لاخشاکم للہ و

کی نسبت خدا تعالے سے زیادہ ڈرنے والا

اتقاکم لہ (مشکوٰۃ صفحہ ۱۹ بروایت بخاری مسلم)	اور اونکے گناہوں سے زیادہ بچنے والا۔

اس قول آنحضرت کا عملی ثبوت یہ تھا کہ آپ نماز تہجد میں اسقدر دراز قیام

قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی تورمت قدماہ فقیل لہ لم تصنع ھذا وقد غفر اللہ لک ماتقدم من ذنبک وما تاخر قال افلا اکون عبدا شکورا متفق علیہ (مشکوٰۃ صفحہ ۱۱۰)	کیا کرتے تھے کہ آپ کے مبارک قدم سوج جاتے۔ کسی نے عرض کیا۔ کہ آپ تو بخشے بخشائے ہوئے ہیں۔ (یعنے پھر اتنی تکلیف کیوں اوٹھاتے ہیں) تو آپ فرماتے کہ پھر کیا میں شکر گذار بندہ نہ ہوں۔

سجدہ میں آپ بعض اوقات اسقدر طول کرتے کہ دیکھنے والا یہ گمان کرتا کہ

خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی دخل نخلا فسجد فاطال السجود حتی خشیت ان یکون اللہ تعالی قد توفاہ (مشکوٰۃ صفحہ ۹)	اس حالت میں آپ کی روح مبارک نکل گئی ہے۔ اکثر اوقات آپ نماز میں گریہ و زاری کرتے رہتے۔

ایسا ہی **عمل کمال خشیت** آپ کے روزہ رکھنے اور راہ خدا میں تمام مال خرچ کردینے اور کھانے پینے۔ پہننے۔ سونے۔ وغیرہ حاجات میں لذات و نعماء دنیا ترک کرنیمیں آپ سے پایا گیا ہے۔ اور دواوین سنت میں مروی ہے شائقین ملاحظہ تمثیلات اشاعۃ السنۃ نمبر ۴ جلد ۱۰ کا صفحہ (۱۷۱) وغیرہ دیکھیں۔

اس کمال پر آپ کا یہ خیال تھا کہ مینے کچھ نہیں کیا۔ اور مجھ سے خدا کی عبادت و اطاعت کا حق ادا نہیں ہوا۔ ما عبدناک حق عبادتک

لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک (ابوداؤد ترمذی وغیرہ)	اور یہ **مقال** کہ خدایا تیری صفت و تعریف میں نہیں کرسکا۔ تیری شان

وہی ہے۔ جو تونے خود اپنی شان بیان کی ہے۔ اور یہ اعتراف کہ میرا عمل میری

لن ینجی احدًا منکم عمله - قال رجل ولا ایاك قال ولا ایای الا ان یتغمدنی الله منه برحمته (مسلم صفحہ ۳۷٦ و مشکوٰة صفحہ ۱۹۹)	نجات کا موجب نہیں ہوسکتا جب تک کہ خدا کی رحمت مجھے ڈھانپ نہ لے۔

اس بات کا ثبوت کہ بڑوں کا چھوٹا قصور بھی چھوٹوں کے بڑے گناہ کے برابر سمجھا جاتا ہے۔ اور اس پر بڑا مواخذہ ہوتا ہے

ایک آیت میں آنحضرت کو خطاب ہوا ہے۔ کہ اگر ہم تجھے ثابت قدم

ولولا ان ثبتناك لقد كدت تركن اليهم شيئا قليلا ۝ اذا لا ذقناك ضعف الحيوة و ضعف الممات ثم لا تجد لك علينا نصيرا (بنی اسرائیل ع)	نہ رکھتے تو قریب تھا۔ کہ تو دقوم ثقیف کی ناجائز درخواست کی طرف) کسی قدر جھک جاتا تب ہم تجھے دُگنا عذاب زندگی میں اور دُگنا موت کے بعد۔ یعنے قیامت کو چکھاتے۔ پھر تو کسی کو نہ پاتا۔ جو ہمارے

مقابلہ میں تیرا مددگار ہوتا۔

ایک اور آیت میں آنحضرت کے ازواج مطہرات کو خطاب ہوا

یا نساء النبی من یات منکن بفاحشة مبینة یضاعف لها العذاب ضعفین وکان ذلك على الله یسیرا (احزاب - ع - ۴)	اے نبی کی بیویاں جو کوئی تم میں سے کھلی بے حیائی کی مرتکب ہوگی اوسکو دوگنا عذاب ہوگا۔ اور یہ کام خدا پر آسان ہے۔

اسی اصول پر آنحضرت کا اپنے اصحاب اور احباب کے ساتھ عمل درآمد تھا۔ اکابر صحابہ سے چھوٹے امر بھی آپ زیادہ عتاب فرماتے۔ چھوٹوں کی بڑی

باتوں پر درگذر فرماتے۔

ایک صحابی نے جو قوم کا امام ومقتدا تھا۔ قبلہ کی طرف کو تھوکا۔ تو

ان رجلا ام قوما فبصق فی القبلۃ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینظر فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین فرغ لا یصلی لکم الحدیث (ابوداود ص ۶۸)

آپ نے اوس کو امامت سے معزول کر دیا۔

قام اعرابی فبال فی المسجد فتناولہ الناس فقال لھم دعوہ وھریقوا علی بولہ سجلا من ماء الحدیث (بخاری ص ۳۵)

اور ایک اعرابی (جنگلی گنوار) نے صحن مسجد کے کونہ میں پیشاب کر دیا۔ تو اوس کو لوگوں نے ڈانٹا۔ آپ نے اون کو منع کیا۔ اور اوسکو نہ جھڑکا۔ اور نہ مارا۔ بلکہ نرمی سے سمجھا دیا۔ کہ مسجدیں اس کام کے لئے نہیں بنائی گئیں۔

عام مسلمانوں کے مباحات خواص کیلئے ممنوعات ہونے وخواص کے بعض مستحسنات اخص خواص کے حق میں سیئات ہونیکا ثبوت

ایک آیت میں آنحضرت کے ازواج مطہرات کے خطاب میں زینت کا لباس اور عمدہ پردے طلب کرنے پر (جو عام مستورات کے لئے حلال

یا یھا النبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیوۃ الدنیا وزینتھا فتعالین امتعکن واسرحکن سراحا جمیلا وان کنتن تردن اللہ ورسولہ والدار الاخرۃ فان اللہ اعد للمحسنات منکن اجرا عظیما۔

(احزاب ع ۴)

تھا۔ چنانچہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور عمل زمانہ آنحضرت اسپر دلیل ہے) آنحضرت کو یہ کہدینے کا حکم ہوا۔ کہ تمہیں دنیا کی زینت بکار ہے۔ تو آؤ میں تم کو طلاق دوں۔ اور اچھی طرح چھوڑ دوں اور اگر تم خدا ورسول اور پچھلے گھر (آخرت) کو چاہتی ہو۔ تو تمہارے لئے خدا نے

بہت کچھ تیار کر رکھا ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عام مسلمانوں کو سونا چاندی جمع کرنیکی اجازت دے رکھی تھی۔ اور فرمایا تھا کہ جس مال کی زکوۃ ادا ہوجائے۔ اوسکا جمع کرنا خزانہ جمع کرنا نہیں کہلاتا۔ (یعنے جس کی مذمت ان کی آیۃ ... میں آچکی ہے) مگر اپنی ذات کے لیئے اس اجازت پر عمل کرنا پسند نہ تھا اور آپ نے صاف فرمایا کہ مجھے پسند نہیں آتا کہ میرے پاس پہاڑ احد کے برابر سونا ایک رات رہے۔ بجز اوس دینار جس کو میں ادائے قرض کے لیئے رکھوں۔ یہی حال وعمل آپ کے بعض اخص خواص ابوذر غفاری جیسے عشاق نبوی۔ اور اصحاب صفہ کے صوفی منش فیوں کا تھا۔ ابوذر کا اس مسئلہ میں امیر شام سے جھگڑا کرنا۔ اور اس جھگڑے کے سبب حضرت عثمان کا ابوذر کو شام سے مدینہ میں بلالینا۔ بخاری وغیرہ میں منقول ہے۔ اصحاب صفہ میں ایک شخص فوت ہوا۔ تو اوسکا ترکہ ایک دینار نکلا جسپر آنحضرت ایک داغ کا ڈرسنا یاد دوسرے کے

ما ادی زکوته فلیس بکنز (بخاری ص۱۸۹۔ ابوداود ص۲۱۸)

والذین یکنزون الذهب والفضة ولا ینفقونها فی سبیل الله فبشرهم بعذاب الیم (توبہ رع ۵)

ما یسرنی ان لی احدا ذهبا یبیت عندی منه دینار الا دینارا ارصده لدین (شفاء عیاض واصله فی بخاری ص۱۹۵، مشکوۃ ص۱۵۶)

عن ابی ذر کنت بالشام فاختلفت انا ومعویة فی الذین یکنزون الذهب والفضة الحدیث (بخاری ص۱۸۹)

عن ابی امامة قال ان رجلا من اهل الصفة توفی وترك دینارا فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم کیة۔ ثم توفی اخر فترك

دینارین فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیتان او واہ احمد (مشکوٰۃ صفحہ ۱۶۲)	ترکہ میں دو دینار نکلے۔ تو آنحضرت نے اوس کو آگ کے دو داغوں کی وعید سنائی۔

آنحضرت نے اولاد سے محبت کرنے اور اون کو گود میں لینے اور چومنے کو طاعات اور حسنات میں شمار کیا تھا۔ اور اس پر آپ کا عمل بھی تھا۔

قبل رسول اللہ الحسن بن علی و عندہ الاقرع بن حابس التیمی جالس فقال الاقرع بن حابس ان لی عشرۃ من الولد ما قبلت منہم احدا فنظر الیہ رسول اللہ فقال من لا یرحم لا یرحم (بخاری)	ایک شخص نے اپنی اولاد کو چومنے سے آپ کے سامنے انکار ظاہر کیا۔ تو آپ نے اوسکو بے رحم قرار دیا۔ اور فرمایا۔ کہ جو رحم نہیں کرتا۔ اسپر رحم نہیں ہوتا۔
خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاقبل الحسن والحسین و علیہما قمیصان احمران یعثران ویقومان فنزل فاخذ ہما۔ فصعد بہما ثم قال صدق اللہ انما اموالکم واولادکم فتنہ (ابوداؤد صفحہ ۱۵۱)	ومعہذا ایک دفعہ امام حسن و امام حسین کو حالت خطبہ میں آنے کے وقت اٹھالیا اور اپنے پاس بیٹھایا۔ تو اس فعل کو فتنہ قرار دیا۔ جسکے یہی معنے ہیں کہ یہ فعل گو ایک قسم کی طاعت و نیکی ہے مگر بمقابلہ ذکر و یاد الٰہی نیکی نہیں۔ بلکہ فتنہ ہے۔ اور حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْن کا مصداق ہے۔

خدا کی دائمی یاد میں خصوصاً حالت عبادت میں خشوع و خضوع اور محویت اور دنیاوی خیالات و تعلقات سے قطع تعلق کے ضروری ہونے اور اس میں کمی کے داخل تقصیر ہونیکا ثبوت

ایک آیت میں آنحضرت کو خطاب ہوا ہے۔ کہ خدا کو یاد کرو اور

واذکر اسم ربك وتبتل الیه تبتیلا (مزمل - ع - ۱)	سب سے ٹوٹکر اوس کیطرف آجا ۔
قد افلح المؤمنون الذین هم فی صلوتهم خاشعون + (مومنون - ع - ۱)	ایک اور آیت میں عام مسلمانوں کو ارشاد ہوا ہے ۔ کہ فلاح و رستگاری پاگئے وہ مومن جو اپنی نمازوں میں دل دعاجزی کرتے ہیں ۔

ایک حدیث آنحضرت نے فرمایا کہ پانچ نمازیں ہیں جنکو خدانے فرض

خمس صلوٰة افترضهن الله تعالیٰ فمن احسن وضوٴهن وصلاهن لوقتهن واتم رکوعهن وخشوعهن کان له علی الله عهد ان یغفر له ومن لم یفعل فلیس له علی الله عهد ان شاء غفر له وان شاء عذبه رواه احمد (مشکوٰة صـ)	کیا ہے ۔ پس جو شخص اون میں پورا خشوع کریگا ۔ اُس کے لئے خدا کا وعدہ بخشش ہے ۔ جو ایسا نہ کرے گا اوس کے لئے کوئی وعدہ نہیں ۔ خدا چاہے تو بخشے چاہے عذاب کرے ۔
ان الله لا یستجیب دعاء من قلب غافل رواه الترمذی (مشکوٰة صـ۱۸۷)	ایک حدیث میں آنحضرت نے ارشاد کیا ہے ۔ کہ غافل دل یعنے بے خیال و بے حضور دل دعا مانگنے والے کی دعا قبول نہیں ہوتی ۔

اور ایک حدیث ارشاد ہوا ہے ۔ کہ نمازی خدا سے مناجاتیں کرتا ہے

المصلی یناجی ربه فلینظر ما یناجیه به (مشکوٰة صـ)	یعنے دعا مانگتا ہے ۔ پس چاہیئے کہ تم اپنی مناجات کی طرف نظر کرو ۔ یعنے خیال

کرو بے حضور و خیال نہ بولتے جاؤ ۔

اور ایک حدیث میں ارشاد ہوا ۔ عبادت کا احسان (یعنے

قال وما الاحسان - قال ان	اچھا کرنا) یہ ہے کہ تو خدا کی ایسی عبادت

تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک (بخاری ص۱۲)	کرے کہ گویا اوسکو دیکھ رہا ہے۔ اور اگر تو اوسکو نہیں دیکھتا تو وہ تو تجھے دیکھتا ہے

یعنے اگر اول تو تو اس عبادت میں ایسا محو و ماسوی اللہ سے متجرد ہو جا کہ گویا خدا تجھے نظر آ رہا ہے۔ اور اگر یہ مقام تجھے میسر نہ ہو تو تا حضور خیال ہو کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے۔ اب میں دوسری طرف التفات خیال نہ کروں۔ اوسی کے حضور میں عرضیں کرتا رہوں۔

ایک حدیث میں آنحضرت نے فرمایا ہے۔ جو شخص میرے اس

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من توضأ نحو وضوئی ھذا ثم صلی رکعتین لا یحدث فیھما نفسہ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ (صحیح بخاری ص۲۸)	وضو کی طرح وضو کرے پھر دو رکعتیں ایسی پڑھے کہ اون میں بجز یاد خدا کوئی دوسری بات اوس کے دل میں نہ آوے اوسکے پچھلے تمام گناہ بخشے جائینگے

آنحضرت کے اس قول سے اور جو ہمیں آپ کے فعل سے تشبیہہ ملی ہے۔ صاف ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت کو یہ درجہ حضور و محویت و تجرد عما سوی اللہ و تبتل الی اللہ نماز میں حاصل تھا آپ کا تو بڑا رتبہ عالی تھا۔ یہ درجہ محویت تو آپ کے غلاموں اور غلامان غلاموں اور ادنے پیروان کو بھی حاصل تھا۔

ایک موقعہ جنگ ذات الرقاع پر آنحضرت نے دو صحابی (ایک

فنزل النبی صلی اللہ علیہ وسلم منزلا فقال من رجل یکلؤنا فانتدب رجل من المھاجرین و رجل من الانصار فقال کونا بفم الشعب قال فلما خرجا الرجلان اضطجع المھاجری	مہاجر ایک انصاری) کو ایک جگہ پہرہ پر کھڑا کیا۔ ایک (مہاجر) لیٹ گیا۔ دوسرا (انصاری) نماز (نوافل) پڑھنے لگ گیا ایک شخص دشمن آیا اور اوس نے خیال کیا کہ یہ پہرہ دار ہے تو اسنے اوسپر تیر چلایا

وقام الانصاری یصلی و اتی الرجل فلما رای شخصه قال انه ربیئة للقوم فرماه بسهم فوضعه فیه فنزعه الله م حتی رماه بثلثة اسهم ثم رکع وسجد ثم انتبه المهاجر فلما عرف انهم قد نذروا به هرب فلما رای المهاجری ما بالانصاری من الدماء قال سبحان الله الا انبهتنی اول ما رمی قال کنت فی سورة اقرؤها فلم احب ان اقطعها (ابوداود ص۲۲ وصلی فی البخاری)

جس سے اوسکا خون جاری ہو گیا۔ پھر دو تیر اور مارے مگر اس انصاری نے کچھ پروا نہ کی۔ اور نماز پوری کی پھر مہاجر بیدار ہوا۔ اور دشمن نے سمجھا کہ یہ خبردار ہو گئے ہیں تو وہ بھاگ گیا۔ مہاجر نے جب انصاری کا خون دیکھا تو بولا سبحان تمنے مجھے پہلے تیر کے وقت کیوں نہ جگا دیا۔ اوس نے کہا میں سورہ کہف پڑھ رہا تھا۔ میرے دل نے نہ چاہا۔ کہ اوسکو ناتمام قطع کروں۔

حضرات ناظرین! خصوصاً ہمارے مخاطبین! تین تیر کاری لگیں اور خون بہا دیں اور وہاں خبر بھی نہ ہو کہ کس کو لگے ہیں۔ یہ محویت وازخود رفتگی نہیں تو اور کیا ہے۔

ایک نظیر اس کی کمال **شرمندگی** اور ندامت کے سبب سرافگندگی ہے چشم پر آب اور دل بے تاب ہونے کی حالت میں نہ کسی فخر یا بڑائی یا اظہار بزرگی کے خیال سے دفخر یا بزرگی کا خیال ہو گی۔ جبکہ وہ نظیر بچپن سا یہ عمر میں ایک دفعہ سے زیادہ پائی نہیں گئی۔ لہذا اوسکا ذکر لائق شرم ہے۔ نہ محل فخر۔ یہ نالائق **اپنی حالت** سے پیش کرتا ہے۔ تاکہ میرے حسن العقیدہ دوست اوس کے شائق ہوں اور اوس کی طلب وتحصیل میں سعی وکوشش کریں۔ اس حالت کے منکر اور اس سے تمام عمر کورے ہیں وہ دیکھ کہ یہ ناکارہ ونالائق ایک

ظہر یا عصر کے نوافل پڑھ رہا تھا۔ کہ میرے داہنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی پر زنبور (تتیا) یا بھڑ نے کاٹا جس سے مجھے ویسی ہی سخت سوزش ہوئی۔ جو ہوا کرتی ہے۔ میں نے اس حالت نماز میں ارادہ کیا کہ میں نماز ہی میں اسجگہ کو جہاں بھڑ نے کاٹا تھا ہاتھ سے دبا کر اوسکا زہریلا خون نکال دوں۔ تب مجھے اس انصاری کا واقعہ تیر لگنے کا یاد آگیا۔ اور یہ خیال پیدا ہوا کہ اوسکو تین تیر لگے تو بھی اوس نے کوئی پروا نہ کی۔ اور تو ایک بھڑ کے کاٹنے سے یہ ارادہ کر بیٹھا ہے۔ اس خیال سے جو مجھ ندامت اور پھر رقت اور خشیت الٰہی پیدا ہوئی تو اوس سے مجھے وہ درد و سوزش بالکل نسیاً منسیا ہوگئی۔ اور میری وہ نماز عجیب حلاوت سے ختم ہوئی۔ اس ایک آن کی رقت و خشیت کی برکت یہ بھی ظاہر ہوئی کہ نماز پڑھنے کے بعد بھی نہ سوزش رہی نہ درد اور نہ ورم۔ گویا بھڑ نے کاٹا ہی نہیں تھا۔ مگر افسوس صد افسوس ہزار افسوس کہ پھر وہ حالت کبھی نہ آئی۔ اللھم ارزقنی ما فاتنی واجبرنی وارفعنی۔

بزرگان دین کے ایسے حالات اگر لکھے جاویں۔ تو یہ مضمون ایک بڑا دفتر ہو جائے۔ تاہم ایک دو نظیریں اور اس مقام میں لکھی جاتی ہیں۔ تاکہ طالبان حق ان بزرگوں کی پیروی کریں۔

حضرت امام زین العابدین سے منقول ہے۔ کہ آپ جب وضو کرنے لگتے تو آپکے چہرہ کا رنگ زرد ہو جاتا کسی نے پوچھا یا ابن رسول اللہ وضوء کے وقت آپ کی ایسی حالت کیوں ہو جاتی ہے۔ تو آپ نے فرمایا کیا تو نہیں جانتا کہ وضوء کے بعد میں کس کے حضور کھڑا ہونگا؟۔

اور ایک دفعہ آپ نماز میں کھڑے ہوئے تو آپ کے پاس والے مکان میں اتفاقاً آگ لگ کر مشتعل ہوئی۔ لوگوں نے ہر چند کہا کہ النار النار یا ابن رسول اللہ۔ مگر آپ نے کچھ پروا نہ کی۔ اور نماز طمانیت کے ساتھ پوری

لی اسکے بعد آپ کو کہا گیا کہ آپ نے ہماری پکار کیوں نہ سُنا تو آپ نے فرمایا مجھے اس آگ کے خیال سے ایک اور آگ نے روک رکھا تھا (یعنے

الهتني عنها النار الاخرى

دوزخ کی آگ یا عشق الٰہی کی آگ)

ایک واقعہ اس سے بڑھ کر اور سُنو بصرہ کا قاضی بنی قشیر کا امام زرارہ

كان زرارة بن اوفى قاضي البصرة فكان يؤم بني قشير فقرء يوما في صلوة الصبح فاذا نقر في الناقور فذلك يومئذ يوم عسير على الكافرين غير يسير خر ميتا فكنت فيمن احتمله الى داره (ترمذی صـ۹۱)

بن اوفی نام اون کو صبح کی نماز پڑھا رہا تھا۔ کہ اس آیت پر پہنچا جسکا ترجمہ یہ ہے کہ جب کرنا میں پھونک ماری جائے گی یعنے حشر کے لئے تو وہ دن کافروں پر بڑا سخت ہوگا تو وہ جان بحق تسلیم کرکے گر گیا راوی حدیث کہتا ہے کہ میں بھی ان لوگوں میں شامل تھا جو اوس کو اوٹھا کر گھر لے گئے تھے۔

ایسے واقعات اور بھی بہت ہوئے ہیں۔ جنکا ذکر امام منذری نے کتاب ترغیب و ترہیب میں کیا ہے۔

جو شخص ان بزرگوں کی حالت محویت پر تعجب کرکے اون کو تسلیم نہ کرے تو وہ یہ خیال کرکے اون کی تصدیق کر سکتا ہے۔ کہ دنیا میں فاسق و بدکار لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کسی خیال بد (جیسے کبوتر بازی یا پتنگ بازی یا کسی عورت یا مرد کے عشق) میں مصروف اور محو ہو جاتے ہیں۔ تو وہ اس خیال محویت میں نہ کسی کی سنتے ہیں۔ نہ کوئی چیز در و دیوار دیکھتے ہیں۔ اور جس چیز کے شایق و عاشق ہوتے ہیں وہ اسیکو دیکھتے اور اوسی کی سنتے ہیں۔ پھر کیا طالبان مولے و عاشقان خدا اون سے بھی گئے گذرے ہوئے کہ اون کی محویت و استغراق محل تعجب

۰۰ انکا ہو۔

اسی محویت میں جب کسی قدر فتور یا قصور واقع ہو جاتا ہے۔ تو اہل اللہ عبادت وطاعت کرکے یہ کہہ اٹھتے ہیں۔ ما عبدناك حق عبادتك اور اپنی اس عبادت وطاعت کے بعد کلمہ استغفار پڑھتے ہیں۔ اور توبہ کرتے ہیں۔

اسی وجہ سے حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ نے فقہ اکبر میں فرمایا ہے کہ ایسا کوئی ایک بھی نہیں جو خدا کی عبادت ایسی کرے۔ جیسا کہ اس کا حق ہے۔

ولیس یقدر احد ان یعبد اللہ تعالیٰ حق عبادتہ کما ھو اھل لہ۔ لکنہ یعبدہ بامرہ۔

و لھذا قال بعض العارفین لولا امرہ سبحانہ بقرءۃ ایاك نعبد وایاك نستعین لما قرءتہ لعدم مقامی فی مقام حقیقۃ الاخلاص فی العبودیۃ وتخصیص الاستعانۃ فی العبادۃ وغیرھا من الحضرۃ الربوبیۃ ولعلہ علیہ السلام فی نحو ھذا المقام قال لا اُحصی ثناءً علیك انت کما اثنیت علی نفسك وکان یستغفر بعد فراغ العبادۃ ایماءً الی انہ مقصر فی اداء حق الطاعۃ (شرح فقہ اکبر صفحہ)

اور جس لائق خدا تعالےٰ ہے۔ ولیکن بندہ خدا کے حکم سے اسکی عبادت کرتا ہے۔ ملا علی قاری نے شرح میں لکھا ہے اور چونکہ خدا کی عبادت جیسے کہ چاہیئے ادا نہیں ہو سکتی۔ اس لیے بعض عارفوں نے کہا ہے کہ اگر خدا کا یہ حکم نہ ہوتا کہ تم نماز میں ایاك نعبد وایاك نستعین پڑھ لیا کرو تو میں نماز میں یہ کلمہ نہ پڑھتا کیونکہ میں عبودیت کو خالص خدا کے لئے کرنے اور مدد چاہنے کو عبادت میں ہو یا اور کاموں میں خدا تعالےٰ کے لئے مخصوص کرنے کے اصلی مقام میں ٹھہرا نہیں ہوتا شاید اسی مقام میں آنحضرت نے فرمایا ہے۔ لا اُحصی ثناءً علیك۔ اور اسی وجہ سے آپ نے بعد نماز استغفر اللہ کہا ہے۔ اور اشارہ ہے کہ میں خدا کی حق اطاعت سے جیسا کہ چاہیئے تقصیر وار ہوں۔

باب خوف المؤمن ان یحبط عملہ وھو لا یشعر قال ابراھیم التیمی ما عرضت قولی علی عملی الا خشیت ان اکون مکذبا الخ (بخاری صلا)

صحیح بخاری کے صفحہ (۱۲) میں مضمون کا ایک باب منعقد کیا ہے۔ کہ مومن اپنے اعمال کے بیکار ہو جانے سے ڈرتا رہتا ہے پھر ابراہیم تابعی سے نقل کیا کہ میں نے اپنے قول کا اپنے عمل سے مقابلہ و موازنہ کرکے دیکھا تو مجھے ڈر رہا ہے اس قول میں جھوٹا ہو رہا ہوں۔ یعنے اسلئے کہ جو کہتا ہوں سو کرتا نہیں ہوں۔ پھر اس مضمون کے بہت سے اقوال امام بخاری نے نقل کئے ہیں

ان مؤیدات کے خاتمہ پر ہم حضرت فخرالدین عراقی کی غزل کے دو بیت نقل کرتے ہیں۔ جسکو وہ کعبہ معظمہ کی گلیوں میں رو رو کر پڑھتے پھرتے۔ اور اپنی نماز اور طواف کعبہ کو اس موقع کی ہی سبب بیکار قرار دیتے۔ آپ فرماتے۔ ۵

بر میں چوں سجدہ کردم ز زمین ندا بر آمد ۞ کہ مرا خراب کردی تو بسجدہ ریائی ۞

بطواف کعبہ رفتم بحرم رہم ندادند ۞ کہ بروں درچہ کردی کہ درون خانہ آئی ۞

ان مؤیدات کو انصاف کی نگاہ سے دیکھنے اور غور و فکر کے ساتھ پڑھنے سے علیاپرواز کو معلوم ہو سکتا ہے کہ علماء کرام نے جو توجیہات و تاویلات آنحضرت کے استغفار پڑھنے اور توبہ کرنے اور اپنے گناہوں کا اقرار کرنے اور ان کی معافی چاہنے اور اس میں خدا کی طرف سے مامور ہونے کے متعلق بیان کی ہیں وہ عین تعلیم الٰہی و حال و قال آنحضرت کے مطابق اور اسی سے مستنبط ہیں۔ علماء نے از خود وہ باتیں نہیں بنائیں۔ اور وہ توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ اور شعر "چیزا پائے بند مرد ابلہ سے پرانند" کا مصداق نہیں ہیں۔ اور در حقیقت دنیا واقعہ آنحضرت سے کوئی گناہ ایسا نہیں کیا جس میں امر و نہی کا خلاف پایا گیا ہو یا کسی عام اصول اخلاق کا خلاف ہو بلکہ آپ نے بعض امور اولے و افضل کو ترک ہو جاتے یا بعض

سیئات کے جو عام مسلمانوں کے حق میں حسنات متصور ہوں عمل میں لانے سے یا کسیوقت
اسباب دنیا کیطرف خیال و توجہ ہو جانے یا خدا کی یاد یا محویت میں کمی ہو جانے کو
(وعلے ہٰذالقیاس) گناہ قرار دیا ہے اور اس سے استغفار کیا۔ ان ہی باتوں کو اپنے
چھپے اور کھلے اور چھوٹے اور بڑے۔ اور اگلے پچھلے گناہ سے تعبیر کیا ہے۔ اور اس
تعبیر و اعتراف تقصیر میں اپنا کمال ورجہ اتقا و خشیت اللہ کا ثبوت دیا ہے۔

افسوس مسٹر اکبر مسیح نے ان احادیث کو ایک اردو میں مترجم کتاب حدیث
میں دیکھ کر اون سے آنحضرت کے گناہگار ہونے پر تمسک کیا۔ اور اس اعتراف کو "من
آنم کہ من دانم" کا مصداق قرار دیا۔ اور علماء کی توجیہات و تاویلات کو معتقدانہ تعریفات
وبیجا خوشنامد خیال کیا۔ اور ان موجبات و تاویلات کے شواہد مویدات کو نہ دیکھا۔ تو
بیچارے دیکھتے تو کہاں اور کیا دیکھتے۔ مثل مشہور ہے۔ صاحب البیت ادریٰ
بما فیہ اپنے گہر کی بات گھر والا ہی جانتا ہے۔ غیر جو دروازہ یا کھڑکی کے آگے
سے گذر گیا کیا جانے اور کیا دیکھے۔ ولیکن مسٹر اکبر مسیح کے دعوے بے تعصبی اور
حق جوئی کی نظر سے اگر وہ دعوے سچا اور دل سے ہے۔ ہمکو امید ہے کہ ہمارے
اس مضمون کو پڑہ کر وہ اپنے اس خیال کو واپس لینگے۔ اور یقیناً جان جائیں گے
کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ اون کے اعتراف گناہ سے
اونکا بے گناہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

صفحہ (۲۵) سے اسمقام تک حضرات انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر نکتہ چینی کی
مخالفین کا جواب ادا ہوا ہے جس سے بخوبی ثابت ہوا کہ جن آیات یا احادیث یا واقعات
سے اسلام کے نادان دوست (منکرین عصمت) یا مخالفین اسلام جملہ انبیاء یا خاصکر
خاتم المرسلین کی عصمت کا خلاف ثابت کرتے ہیں اون سے عصمت کا خلاف
ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض متمسکات سے ان حضرات کی عصمت کا ثبوت

لتا ہے۔

ومعہذا ہم اس عصمت کے ثبوت اور ضرورت پر اس مقام میں چند عقلی و نقلی دلائل بھی بیان کرتے ہیں۔ جنکے بیان کا وعدہ صفحہ (۲۵) میں کر چکے ہیں۔

معتزلہ اس عصمت کی عقلی دلیل یہ بیان کرتے ہیں (چنانچہ تفسیر کبیر و شرح مواقف میں

لان صدور الکبائر عنهم عمداً یوجب سقوط هیبتهم عن القلوب وانحطاط رتبتهم فی اعین الناس فیودی الی النفرة عنهم وعدم الانقیاد لهم ویلزم منه افساد الخلائق وترک استصلاحهم وهو خلاف العقل والحکمة۔ (شرح مواقف صفحہ ۶۸۹)	بیان ہوا ہے) کہ اگر انبیاء کو عمداً کبیرے گناہوں کا صادر ہونا جائز ہو تو اس سے انبیاء کی ہیبت لوگوں کے دلوں سے اٹھ جائے اور اون کا رتبہ لوگوں کی نگاہوں میں گر جائے۔ اور کوئی اون کی پیروی نہ کرے اور اس سے خلقت کو بگاڑنا اور اون کی اصلاح نہ کرنا لازم آوے۔ اور یہ امر خدا تعالےٰ کی حکمت اور عقل کے مخالف ہے۔

اسلئے انبیاء سے صدور کبائر محال ہے۔

ہم اہل سنت اس دلیل کو اس پیرایہ میں ادا کرتے ہیں کہ حق تعالےٰ نے

اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم وانتم تتلون الکتب افلا تعقلون (بقرع ۵) یا ایها الذین امنوا لم تقولون ما لا تفعلون کبر مقتا عند الله ان تقولوا ما لا تفعلون (صف ع ۱)	قرآن میں فاسقوں کے قول کو جو اوس کی برخلاف عمل کرتے ہوں بے اعتبار ٹھیرایا ہے۔ اور اوسپر آیات منقولہ حاشیہ میں رد و انکار ظاہر کیا۔ اور فرمایا ہے کہ کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے ہو۔ اور اپنی جانوں کو بھول رہے ہو۔ اور فرمایا اے مدعیان ایمان وہ بات کیوں کہتے ہو جو

خود نہیں کرتے۔ پس اگر انبیاء ان فواحش اور گناہوں کے عمداً خود مرتکب ہوں جنسے وہ
وہ لوگوں کو منع کرتے ہوں تو اونکا قول بے اعتبار ہو جائے۔ اور اون کی دعوت
و تبلیغ بے اثر ٹھیرے۔ وہ لوگ ان ہی آیتوں سے اون کو مخاطب کریں۔ جنسے
خدا نے اون فاسقوں کو مخاطب کیا ہے۔ لہذا انبیاء کی شان کو شایان نہیں ہے
کہ وہ عمداً گناہ کریں۔ جو شخص خود گمراہ و فاسق ہوگا وہ دوسروں کو کیا خاک ہدایت
کریگا۔ ؎ او خویشتن گم است کرا رہبری کند۔

یہ عقلی دلیل ہے جو نقل اور شرع سے بھی مستند ہے۔ **نقلی دلائل** امام رازی نے
تفسیر کبیر میں سولہ ۱۶ بیان کئے ہیں۔ ہم اسمقام انہیں سے بعض کا خلاصہ نقل کرتے ہیں
پہلی دلیل یہ کہ اگر انبیاء گناہ کریں۔ تو وہ امت کے گنہگاروں سے زیادہ

سزاء پانے کے سبب کم درجہ ہو جائیں۔
کیونکہ بڑوں کو گناہ کی سزا زیادہ ملتی ہے
دیکھو آنحضرت کی بیبیوں کو کہا گیا کہ بیحیائی
کروگے تو تمکو دگنا عذاب ہوگا۔ اور
اگر صاحب زوج زنا کرے تو اوسکو
سنگسار کیا جاتا ہے۔ رنڈوا کرے تو
صرف اوس کو کوڑے لگتے ہیں۔
دوسری دلیل یہ کہ فسق کرنے کی
حالت میں وہ لائق شہادت نہیں رہتے
چنانچہ قرآن میں حکم ہے کہ فاسق کی گواہی
کی تحقیق کرو۔ اور نبی بھی تبلیغ احکام میں
گواہ ہوتا ہے۔ کہ خدا نے یہ حکم دیا ہے۔

احدھما لو صدر الذنب عنہم
لکانوا اسوء درجۃ من عصاۃ
الامۃ و ذلک غیر جائز بیان
الملازمۃ ان درجۃ الانبیاء
کانت فی غایت الجلال والشرف
وکل من کان کذلک کان صدور
الذنب عنہ افحش الا تری الی
قولہ یا نساء النبی من یات
منکن بفاحشۃ مبینۃ یضاعف لھا
العذاب ضعفین والمحسن
یرجم وغیرہ یجلد +
وثانیھا ان بتقدیر اقدامھم علی

الفسق وجب ان لا یکون مقبول
الشهادة بقوله تعالیٰ ان جاءکم فاسق
بنبأ فتبینوا ولا معنی للنبوة
والرسالة الا انه یشهد علی الله
تعالیٰ بانه شرع هذا الحکم۔

سادسها انه لو صدرت المعصیة
من الانبیاء لکانوا مستحقین
للعذاب واللعنة بقوله من یعص الله
الخ ولا لعنة الله الخ واجمعت
الامة علی ان احدا من الانبیاء
لم یکن مستحقا للعن ولا لعذاب۔

تاسعها قوله تعالیٰ وانهم عندنا
لمن المصطفین الاخیار وهذا
یتناول جمیع الافعال والتروك
وذلك ینافی صدور الذنب
عنهم۔

عاشرها انه تعالیٰ حکی عن ابلیس
قوله فبعزتك لاغوینهم اجمعین
الا عبادك منهم المخلصین۔

الثالث عشر ان الرسول افضل
من الملك لقوله تعالیٰ ان الله

پھر وہ فاسق ہوا تو اوس کی نبوت اور شہادت
احکام کہاں باقی رہے۔

چھٹی دلیل یہ کہ نبی گنہگار ہوتے تو مستحق
عذاب و لعنت ہوتے۔ کیونکہ قرآن میں
نافرمانوں کو عذاب کی خبر دی گئی ہے۔
اور ظالموں کو لعنت کہی گئی ہے۔ حالانکہ
کسی نبی کو نہ عذاب ہے نہ لعنت۔

نویں دلیل یہ کہ خدا نے انبیاء کو چیدہ
اشخاص قرار دیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے
کہ وہ ہر ایک فعل و ترک فعل میں چیدہ ہیں۔
اور یہ امر گنہگار ہونے کے مخالف ہے۔

دسویں دلیل یہ ہے کہ شیطان سے
خدا تعالیٰ نے نقل کیا ہے۔ کہ اوس نے
کہا میں تیرے مخلص بندوں کو نہ بہکاؤنگا
اور نبیوں سے مخلص کون ہے۔

تیرہویں دلیل یہ ہے کہ۔ رسول
فرشتوں سے افضل ہے چنانچہ
دلیل اس کی بیان ہو چکی ہے۔ اور
جب فرشتے خدا کا گناہ نہیں کرتے
تو رسول کیونکر گنہگار ہو سکتے ہیں۔

سولھویں دلیل یہ کہ خدا تعالیٰ نے

اصطفی آدم ونوحا وآل ابراهیم وآل عمران علی العلمین۔ وتقدم وجه الاستدلال والملائكة لا یعصون الله
السادس عشر قوله تعالی لا ینال عهدی الظلمین والمراد بهذا العهد عهد النبوة او عهد الامامة
(تفسیر کبیر جلد اول صفحہ ۴۵۶ وغیرہ)

نے فرمایا ہے میرا عہدہ نبوت یا امامت ظالموںکو نہیں پہنچتا۔ پس اگر نبی ظالم ہوتے تو اس عہدہ پر کیوں کر مامور رہتے۔

یہ دلیلیں اور جو دلائل اس عصمت انبیاء پر اور قائم کی گئی ہیں۔ وہ انبیاء کے نسیان وخطا (جسپر انبیاء قائم نہ رہیں فوراً متنبہ وآگاہ کئے جاویں) کی تجویز پر (جو اہل سنت کے نزدیک مسلم ہے) عاید و قایم نہیں ہوتے۔ کیونکہ خطا وسہو ونسیان پر مخلوق کی جسکا کمال غیر ذاتی وعلم محدود ہو بناوٹ اور فطرت میں داخل ہے۔ جسکا کبھی نہ کبھی صدور ناگزیر ہے۔ اور اس سے بچنا مشکل ومتعذر ہے۔ لہذا وہ نہ موجب بے اعتباری وکمی درجہ ہے۔ نہ شبہت فسق وظلم وعصیان نہ مستلزم عذاب ولعنت بلکہ وہ داخل عفو وبخشش ہے۔ چنانچہ خدا تعالے اپنے بندوں کو القا وارشاد فرمایا

ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا
(البقرة - ع -)
فانزل الله تعالی ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا قال فعلت (صحیح مسلم صفحہ ۷۸)
ومثله فی البیضاوی صفحہ ۱۲۸ فتح البیان صفحہ ۳۴۹ والمعالم صفحہ ۱۴۴)

ہے۔ کہ وہ اوسکی جناب میں درخواست کریں کہ اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں۔ یا خطا کریں تو تو ہم پر مؤاخذہ نہ کریو۔ اور پھر اسکا جواب بھی سنا دیا۔ کہ میں نے قبول کیا۔ اور ایسا ہی کرونگا۔

اور اس خطا کے صدور سے حضرات انبیاء کا فرشتوں سے درجہ اور رتبہ کم بھی نہیں ہوتا۔ کیونکہ فرشتے بھی اس خطا سے نہیں بچے

واذ قلنا للملائكة اني جاعل في الارض
خليفه قالوا اتجعل فيها من يفسد
فيها ويسفك الدماء ونحن نسبح
بحمدك ونقدس لك قال اني اعلم
مالا تعلمون وعلم آدم الاسماء
كلها ثم عرضهم على الملئكة فقال
انبئوني باسماء هؤلاء ان كنتم
صادقين ۔ قالوا سبحانك لا علم
لنا الا ما علمتنا انك انت العليم
الحكيم ۔ قال يا آدم انبئهم باسمائهم
فلما انباهم باسمائهم قال الم
اقل لكم اني اعلم غيب السموات و
الارض واعلم ما تبدون وما كنتم
تكتمون ۔ (بقره ۔ ع ۴ ۔)

يسفك الدماء تعجب من ان يستخلف
لعمارة الارض واصلاحها من يفسد
فيها او يستخلف مكان اهل الطاعات
اهل المعصية واستكشاف عما
خفي عليهم من الحكمة التي بهرت تلك
المفاسد والغتها واستخبار عما يرشدهم
ويزيح شبهتهم كسوال المتعلم لمعلمه

جب خدا تعالے نے اون سے کہا کہ
میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں
تو وہ اسوجہ سے کہ اون کے علم کا
غیر ذاتی اور محدود تھا ۔ ذاتی اور
وسیع نہ تھا ۔ (نہ اسوجہ سے کہ وہ تکبر یا
حسد میں مبتلا ہو گئے ۔ یا قول خداوندی
کے برخلاف مرتکب عصیان ہوئی)
یہ بول اوٹھے کہ کیا ایسے شخص کو خلیفہ
بناتا ہے جو اپنے قوائے شہوانیہ
وغضبیہ کے تقاضے سے زمین میں فساد
کرے گا ۔ ہمکو کیوں خلیفہ نہیں بناتا
جو تیری تقدیس وتنزیہہ کے سوا کچھ
نہیں کرتے ۔ اور فساد وعصیان کے
اسباب قوائے شہوانیہ وغضبیہ اور
اوسکا مادہ ہی نہیں رکھتے ۔ اور
دل میں یہ خیال کر بیٹھے ۔ کہ اگر خدا نے
آدم کو خلیفہ کیا تو وہ ہمارے جیسا
مطیع کب ہوگا ۔ اور اوس کو ہم
متقدمین تلامذہ حق کے برابر علم جلد
کیونکر حاصل ہوگا ۔

پھر جب خدا تعالے نے فرشتوں کے

وعمّا یختلج فی صدرہ ولیس باعتراض
علی اللہ ولا طعن فی بنی آدم علی وجہ
الغیبۃ فانہم اعلی من ان یظن بہم
ذلک لقولہ تعالی بل عباد مکرمون
لا یسبقونہ بالقول وہم بامرہ
یعملون -
وَنُقَدِّسُ لَکَ والمعنی استخلاف عصاۃ
ونحن معصومون احقاء بذلک والمقصود
منہ الاستفسار عما رجّحہم مع ما ہو
متوقع منہم علی الملائکۃ المعصومین
فی الاستخلاف لا العجب والتفاخر
کانہم علموا ان المجعول خلیفۃ ذو
ثلث قوی علیہا مدار امرہ شہویّۃ
وغضبیۃ تؤدیان بہ الی الفساد وسفک
الدماء وعقلیۃ تدعوہ الی المعرفۃ
والطاعۃ ونظروا الیہا مفردۃ وقالوا
ما الحکمۃ فی استخلافہ وہو باعتبار
تینک القوتین لا تقتضی الحکمۃ ایجادہ
فضلا عن استخلافہ واما باعتبار القوۃ
العقلیّۃ فنحن نقیم ما یتوقع منہا
سلیما عن معارضۃ تلک المفاسد وغفلوا

خیال کا خطا ہونا ثابت کر دیا - اور
آدم علیہ السلام کا بعض اشیاء کے
علم میں فرشتوں سے فائق ہونا
ظاہر فرمایا - اور یہ بھی اون کو جتا دیا
کہ یہ آدم باوجود مزاحمت قوائے
شہوانیہ وغضبیہ کے اپنی قوت عقلیہ کو ایسا
غالب کرے گا کہ اوسمیں وہ فرشتوں
سے جو قوائے شہوانیہ وغضبیہ نہیں
رکھتے اور وہ مجبورًا و بلا اختیار عصیان
سے پاک ہیں سبقت لیجائے گا -
تو اوس وقت انہوں نے اپنے خطا و
عجز کا خود اعتراف کیا - کہ حضور رب
العالمین تو اس غلط خیال سے جو
ہمنے تیرے فعل تیری مخلوق کی
نسبت کیا تھا پاک ہے - ہمارا
علم محدود اور اسیقدر تھا جسقدر
تونے ہم کو عطا کیا تھا - ہم نے
اس علم سے نتیجہ نکالنے میں دہوکا
کھایا - اور اب معلوم کیا کہ آدم
کو خلیفہ بنانے میں تونے بڑی
حکمت ظاہر کرنے والی ہے - اور

عن فضیلۃ کل واحدۃ من القوتین اذا صارت مھذبۃ مطواعۃ للعقل متمرنۃ علی الخیر کالعفۃ والشجاعۃ ومجاھدۃ الھوے والانصاف ولم یعلموا ان الترکیب یفید ما یقصر عنہ الاحاد کالاحاطۃ بالجزئیات واستنباط الصناعات واستخراج منافع الکائنات من القوۃ الی الفعل الذی ھو المقصود من الاستخلاف والیہ اشار تعالی اجمالا بقولہ قال انی اعلم ما لا تعلمون۔

الا ما علمتنا اعتراف بالعجز والقصور واشعار بان سؤالھم کان استفسارا ولم یکن اعتراضا وانہ قد بان لھم ما خفی علیھم من فضل الانسان والحکمۃ فی خلقہ واظھار لشکر نعمتہ بما عرفھم وکشف لھم ما اعتقل علیھم ومراعات للادب بتفویض العلم کلہ الیہ۔

ما کنتم تکتمون وفیہ تعریض بمعاتبتھم علی ترک الاولی وھو ان یتوقفوا مترصدین لان یبین لھم وقیل ما تبدون قولھم اتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفک الدماء وما یکتمون استبطانھم انھم احقاء بالخلافۃ وانہ تعالی لا یخلق خلقا افضل منھم (بیضاوی صفحہ ۴۴-۴۵-۴۶-)

بے شک تو خوب جاننے والا ہے۔

اس کے جواب میں خدائے تعالے کا یہ ارشاد کہ میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے تھے بطور تعریض ایک عتاب ہے۔ کہ کیوں انہوں نے بیان حکمت استخلاف آدم تک صبر نہ کیا اور کیوں اپنے دل میں یہ غلط خیال کر لیا کہ اگر خدا نے آدم کو خلیفہ بنایا تو وہ ہمارے برابر عالم و فاضل نہ ہوگا۔ خدائے تعالے اقوال ملائکہ کے اقوال مذکورہ کی تفسیر

بیضاوی و تفسیر جلالین وغیرہ میں یہی مطلب و مقصود بیان کیا ہے۔ جو معروض ہوا

ان الذین اعتقدوا ان الملائکۃ اتوا بالمعصیۃ فی قولھم اتجعل فیھا قالوا انھم لما عرفوا خطأھم فی ذلک السوال رجعوا تابوا واعتذروا عن خطائھم لقولھم سبحانک لا علم لنا الخ (تفسیر کبیر صفحہ ۲۲۳ جلد ۱)

تفسیر کبیر میں منکرین عصمت ملائکہ سے نقل کیا ہے۔ کہ وہ اعتراف و عذر ملائکہ سے انکا گنہگار ہونا نکالتے ہیں پھر اس اعتراف و عذر کے ایسے معانی بیان کئے ہیں جنسے اونکا صرف خطا کار ہونا ثابت ہوتا ہے۔ نہ گنہگار ہونا۔

بالجملہ ملائکہ کے اس قول سے اُن کی خطا ثابت ہوتی ہے۔ اور یہ خطاء عصمت کی منافی و مخالف نہیں ہے۔ لہذا حضرات انبیا علیہم السلام کے حق میں نسیان وسہو وخطا کی تجویز سے اونکا رتبہ ملائکہ سے کم نہیں ہوتا۔ اس بیان سے ثابت ہوا کہ جو اشکالات و محذورات عقلیہ والزامات نقلیہ انبیا، کو گنہگار فرض و تسلیم کرنے پر عاید ہوتے ہیں وہ اون کے سہو وخطا کی تجویز پر وارد نہیں ہوتے اور خطا و نسیان سہو کسی نقص کا موجب و اعتراض محل نہیں ہے۔ ہاں اگر خطا و نسیان پر انبیا متنبہ نہ کئے جاتے۔ اور لوگ اوسی خطا میں اون کی پیروی کرتے تو یہ امر ہدایت اور منصب نبوت کے مخالف تھا۔ مگر ایسا ہرگز وقوع میں نہیں آیا۔ جہاں کسی نبی سے سہو خطا واقع ہوئی اوسپر اون کو فوراً آگاہی ہوئی۔ خواہ خدائے تعالےٰ کی طرف سے یا اون کے دل سے یا غیر کے بتانیسے۔

عدد رکعات یا افعال نماز میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو سہو واقع ہوا تو آنحضرت کو لوگوں نے بھی آگاہ کردیا۔ اور ادہر خدا تعالےٰ کے اعلام سے اون کو یقین سہو ہوگیا۔ تو آپ نے سجدہ سہو کیا

مالک انہ بلغہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال انی لانسیٰ او انسّٰی لاسنّ (موطا مالک صفحہ ۳۵)

اور ایک حدیث میں بھی فرمایا کہ میں سلیمہ ہوتا ہوں تو بھول جاتا ہوں اس لئے کہ میں بلا قصد تو بھولتا ہی نہیں یا یوں فرمایا کہ بھلایا جاتا ہوں یعنے خدا کیطرف سے بغیر قصد کی غلطی کے وقوع میں آتا ہے۔ کہ یہ طریق بھی جاری کروں یعنے اور بھولنے والوں کے لئے راہ نکالوں کہ وہ نمازیں بھولیں تو کیا کریں۔

نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار میں کہا ہے۔ کہ مجوزین سہو آنحضرت کا

اتفق من جوز ذلك على انه لا يقر عليه بل يقع له بيان ذلك اما متصلا بالفعل او بعده كما وقع في هذا الحديث وفائدة جواز السهو في مثل ذلك بيان الحكم الشرعي اذا وقع مثله لغيره (نیل الاوطار صفحہ ۳۵۱ جلد ۲)

اس پر اتفاق ہے۔ کہ آنحضرت اس سہو پر قائم نہیں رہے۔ بلکہ آگاہ کئے گئے ہیں اور اس سہو کا یہی فائدہ ہے کہ ایسے واقعات کا حکم شرعی بیان ہوا۔ اسصورت میں یہ خطا بھی ایک ہدایت ٹھہری جس سے ایک شریعت معلوم ہوئی۔ اور یہ خطا مقرون بہ اطلاع بھی گویا ایک نوع کی عصمت ہوئی نہ خلاف عصمت۔

شائد سہو وخطا ونسیان کے لائق بخشش ومحل عفو قرار دینے پر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اسصورت میں حضرت آدم کے نسیان حکم ممانعت قرب شجرہ پر عتاب کیوں ہوا۔ اور حضرت موسے کے خطا قتل قبطی پر اس فعل کو ظلم کیوں کہا گیا۔ اسکا جواب بارہا دیا گیا ہے۔ کہ ان حضرات کی علو شان اور بلند مکان کی نظر سے جس میں بحکم حسنات الابرار سیئات المقربین بعض نیکیاں بدیاں متصور ہو جاتی ہیں۔ چہ جائے خطا ونسیان کہ یہ تو ایک قسم کے تقصیرات ہیں کو لائق عفو ہیں۔

عصمت انبیاء کا ثبوت کمال اور اختتام کو پہنچا۔ اور شبہات واستدلالات منکرین عصمت کا جواب بھی کافی وشافی ادا ہوا۔ اب ہم عیسائیوں

سے مخاطب ہوتے ہیں۔ اور اس امر میں نظر کرتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح کی عصمت بھی اسی معنے کر اور اسیقدر ثابت و مسلم ہے جسقدر اور جس معنے کر اور انبیاء کی (جیسا کہ اہل اسلام کا اعتقاد ہے۔) یا اس عصمت میں حضرت مسیح کو اور انبیاء پر فوقیت و مزیت ہے جیسا کہ عیسائی خیال کرتے ہیں۔

پس واضح ہو کہ مسٹر اکبر مسیح توحیدی عیسائی نے اپنے خط ۲۸۔ نومبر ۱۸۹۵ء (مندرجہ کشف نمبر ۵ جلد ۲ صفحہ ۴۰) یہ کہا ہے کہ میرا پہلا دعوے یہ ہے۔ کہ خداوند مسیح معصوم محض تھے نہ اون سے کوئی خطا ہوئی نہ نسیان نہ وہ کسی ذنب کے مرتکب ہوئے۔ نہ ترک اولے کی۔ ہر ایک لغزش سے وہ پاک تھے۔"

اور خط ۱۱۔ اکتوبر ۱۸۹۵ء (مندرجہ کشف نمبر ۲ جلد ۲ صفحہ ۲۷) میں یہ دعوے کیا ہے۔ کہ قرآن نے اور محمد صاحب نے مسیح کی فضیلت کو یہکہکے کہ حضرت مسیح معصوم مطلق تھے تسلیم کیا ہے۔

اور خط ۷ جنوری ۱۸۹۶ء مندرجہ نمبر ۶ و ۷ جلد ۲ کشف میں ان دعاوی پر چار دلایل پیش کئے ہیں جنکو ہم اون ہی الفاظ سے بلا حذف اختصار نقل کرتے ہیں۔ کیونکہ اون پر ہم کو بہ تفصیل کلام کرنا منظور ہے۔ آپ لکھتے ہیں "میں اس امر کی تسلیم کرتا ہوں کہ عدم عصمت انسان کو ایسی عارض ہوگئی کہ ہم کو کوئی شخص معصوم نہیں ملتا۔ باستثنا مسیح کے جس نے اپنی عصمت کو خدا کے فضل سے حقیقت میں پورے طور سے نگاہ رکھا۔ دلیل اسکی موافق دین محمدی کی یہ ہے

(۱) باوجودیکہ انبیاء اولوالعزم جنکی تاریخ یا حالات قرآن میں قلمبند ہیں مثلاً آدم۔ نوح۔ ابراہیم۔ موسے۔ یا اور انبیاء مثل داؤد و سلیمان۔ ایوب یوسف۔ یونس وغیرہ کے سب نے ضرور سمجھا۔ کہ اپنے خطا و ذنب سے اپنے پروردگار

کے روبرو توبہ کریں یا اپنے گناہوں کا اقرار کریں۔ صرف مسیح ایک نبی ہے جسکے حالات قرآن میں ہمکو مشرح ملتے ہیں۔ مگر تاہم کسی ایک مقام پر بھی کوئی حرف نہیں جس سے ثابت ہو کہ وہ اپنے تئیں خاطی یا عاصی جانتے ہیں۔ یا خدا سے اُنہوں نے خطا کی معافی چاہی یا خدا نے کوئی وعدہ مغفرت یا عفو کا اون سے کیا۔ استغفار کی ہدایت کی اور اسحالت کے لحاظ سے وہ بالکل فرشتوں کی مانند ہیں۔ جنکو نہ کوئی ضرورت ہے کہ وہ خواستگار عفو کے ہوں کیونکہ کسی خطا کا سرزد ہونا اون سے ثابت نہیں نہ خدا کا کوئی وعدہ اون کی بابت مغفرت کا ہے۔ پس اس دلیل منفی سے عصمت مسیح اوسی طرح ثابت ہوتی ہے جسطرح عصمت ملائکہ۔ اسوجہ سے شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں "کان عیسی علیہ السلام کانہ ملک یمشی علی وجہ الارض" "عیسے علیہ السلام گویا فرشتے تھے جو زمین پر چلتے تھے۔ (تاویل الاحادیث)

(۲) نص قرآن ہے کہ مادر مقدسہ مریم نے خدا سے دعا کی "انی سمیتھا مریم وانی اعیذھا بک وذریتھا من الشیطٰن الرجیم۔ فتقبلھا ربھا بقبول حسن" "یعنے اوسکا نام رکھا مریم اور میں تیری پناہ میں دیتی ہوں اوسکو اور اوسکی اولاد کو شیطان مردود سے۔ پھر قبول کیا اوسکو اوسکے رب نے اچھی طرح کا قبول (آل عمران۔ ع ۴) مقدسہ مریم اور اوس کی اولاد شیطان سے اللہ کی پناہ میں سونپی گئی۔ اور اللہ نے قبول کرلیا۔ اسکے معنے صاف ہیں کہ مریم اور حضرت مسیح شیطان یعنے گناہ سے مطلقاً محفوظ ہوئے اور حفاظت کا کفیل خود خدا ہے۔ اور عصمت اور معصومیت کے یہی معنے ہیں تمام مفسرین قرآن آیت کے اس معنے پر متفق ہیں اور یہ روشن ہے کہ اسطرح محفوظ شیطان سے ہونا کسی اور کا قرآن سے ناپیدا ہے۔ پس ہم مسیح کی عصمت پر

اوسکو بعض قطعی گردانتے ہیں۔

(۳) قرآن کے معارضہ میں حدیث کو کوئی وقعت نہیں پر تاہم قرآن کی تائید میں حدیث کو بھی ہم پیش کرتے ہیں خصوصاً اس حال میں کہ وہ ہمارے مخالفین کی مسلمہ ہیں اور ایسی مشہور دمعروف حدیث مسلم و بخاری کی کہ ہر مفسرین قرآن نے آیت متذکرہ کی تفسیر میں اوس کو پیش کیا ہے "مامن مولود یولد الا یمسه الشیطان حین یولد فیستهل من مسه الا مریم و ابنها" کوئی بچہ پیدا نہیں ہوتا۔ مگر کہ اوسکو شیطان وقت تولد کے چھوتا ہی پس وہ چلاتا ہے۔ اوسکے چھونے سے مگر مریم اور اوسکا بیٹا۔ اور بیضاوی آیت قرآن اور حدیث دونو کے معنے یہ بیان کرتا ہے کہ "ومعناه ان الشیطان یطمع فی اغواء کل مولود بحیث یتاثر منه الا مریم و ابنها فان الله عصمهما ببرکة هذه الاستعاذة" اور معنے اسکے یہ ہیں کہ تحقیق شیطان طمع کرتا ہے بیچ اغوا ہر بچہ کے بایں طور کہ مؤثر ہو۔ اوس سے مگر مریم اور اوسکا بیٹا۔ اللہ نے محفوظ کیا دونوں کو ببرکت استعاذہ یعنے دعا کے اور اس معنے پر دیکھو تحفۃ الاخیار حدیث نمبری ۹۲۷۔

(۴) ایک اور حدیث ہے بخاری اور مسلم کی میں اسجگہ اوسکو تحفۃ الاخیار سے نقل کرتا ہوں۔ (پھر وہ حدیث شفاعت نقل کی جس میں پیغمبروں کا اپنی گناہوں کو یاد کر کے لائق شفاعت ہونے سے انکار کرنا بیان ہوا ہے۔) اس کے بعد کہا ہے کہ اب جائے غور ہے کہ ان پیغمبروں نے جنکو اہل قرآن اولوالعزم مانتے ہیں ہر ایک قیامت کے روز اپنے اپنے خطاؤں کو یاد کرتا ہوا اپنے رب سے اونکے باعث شرماویگا۔ اس گروہ میں صرف ایک عیسیٰ روح اللہ وکلمۃ اللہ ہے جس کی کوئی خطا نہیں کہ وہ یاد کرے۔ اور اوس کے باعث اپنے رب سے شرماوی

اون کا کوئی گناہ اپنا نہیں کہ اوسکا ذکر کریں۔ وہ حضرت محمد صاحب کے اگلے اور پچھلے گناہوں کا مذکور کرتے ہیں۔ اور جو کچھ قیامت کے متعلق کی نامی ہے کہ جنہے گناہ کئے ہوں وہ بہ شفاعت پاوے اسسے یہ ہے کہ گناہ اوس کے معاف ہونگے۔ (حالانکہ گناہ تمام اہل بہشت کے معاف ہونگے) اور وہی محروم رہے جس سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا گویا عصمت بھی خطا ٹھہری"۔

اس دعوے اور اوس کے دلایل اربعہ کے جواب میں ہم خدا کی توفیق و تائید سے کہتے ہیں کہ اس دعوے کی سب تہ یہ مسٹر اکبر مسیح (دیکھو صفحہ ۹۴ و ۱۰۰ و ۱۰۱ کشف الحقایق) دو جز ہیں اول یہ کہ حضرت مسیح ایسے معصوم مطلق ہیں کہ اونسے خطا بھی سرزد نہیں ہوئی۔ اور یہ فضیلت مسیح کی قرآن نے اور آنحضرت نے تصریح کے ساتھ تسلیم کی ہے۔

دوسرا جزء یہ کہ اور کوئی نبی معصوم نہیں۔ سب کے سب خطاکار و گنہگار ہیں۔

اور جو دلایل اربعہ مسٹر اکبر مسیح نے پیش کئے ہیں وہ اون کے اس دعوے کی پہلی جزء کے دلایل ہیں۔ اور دوسری جزء کے دلایل انہوں نے وہ پیش کئے ہیں جنکے جوابات ہم بتفصیل دے چکے ہیں یعنے آنحضرت کا استغفار کرنا اور اس استغفار سے بجانب اللہ مامور ہونا اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرنا وعلے ہذالقیاس۔

اس مقام میں ہمکو صرف ان کے اون ہی دلایل اربعہ میں نظر کرنا باقی ہے جو اپنے جزء اول دعوے مذکور کے دلایل انہوں نے پیش کئے ہیں۔

اون کی پہلی دلیل کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ قرآن میں اور سب نبیوں کے خطاؤں اور گناہوں کے اقرار اور توبہ کے اظہار و استغفار کا ذکر ہے۔ صرف ایک مسیح کے خطا یا استغفار کا ذکر نہیں جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ فرشتوں کے مانند ہیں نہ اون سے خطا ہوئی نہ اون کو استغفار و توبہ کی ضرورت پڑی۔ اسو یہ بھی

شاہ ولی اللہ صاحب نے تاویل الاحادیث میں اون کے حق میں کہا ہے۔ کہ گویا وہ فرشتے تھے جو زمین پر چلتے تھے۔ اور یہ دلیل دلیل منفی کہلاتی ہے"

اس دلیل کے جواب میں بڑی محبت و دلی اخلاص کے ساتھ مسٹر اکبر مسیح کو کہا جاتا ہے کہ دعوے تو آپ کا یہ تھا کہ قرآن نے اور آنحضرت نے تصریح کے ساتھ یہ کہا کہ حضرت مسیح معصوم مطلق تھے۔ مسیح کی فضیلت تسلیم کی ہے۔ اور یہ دلیل آپ ایسی لائے ہیں جسمیں مسیح کی عصمت پر قرآن اور رسول کی کوئی تصریح نہیں ہے تو اون کے نسیان و استغفار کے ذکر و اظہار سے سکوت ہے جسکو آپ دلیل منفی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور سکوت محض کو یا بقول آپ کے دلیل منفی کو کوئی دانشمند یا منطقی جسکو منطق یا مناظرہ میں ادنے مداخلت ہو تصریح نہیں کہہ سکتا۔ لہذا آپ کی دلیل آپکے دعوے کی مثبت نہیں۔ اور آپ کی تقریب تمام نہیں ہوئی۔

اسکے جواب میں اگر آپ یہ کہیں کہ ہم صرف انگریزی خواں ہیں عربی منطق نہیں جانتے اسوجہ سے ہم سکوتی دلیل (یا بقول خود منفی دلیل) کو تصریح کہہ بیٹھے ہیں اور اس کی نسبت غلطی سے خط ۱۱۔ اکتوبر ۱۸۹۵ء میں یہ دعوے کر بیٹھے ہیں کہ قرآن نے اور محمد صاحب نے یہ کہا کہ حضرت مسیح معصوم مطلق تھے۔ فضیلت مسیح کو تسلیم کیا ہے"۔ اور در اصل ہم کو یہ کہنا چاہیئے تھا۔ کہ قرآن مجید اور آنحضرت مسیح کے گنہگار ہونے اور استغفار کرنے کے ذکر و اظہار سے ساکت ہیں۔ اون کا یہ سکوت اس فضیلت و معصومیت کی دلیل ہے۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ اس سکوت قرآن و آنحضرت کو حضرت مسیح کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ بہت سے انبیاء اور ہیں جنکا قرآن میں مشرحاً ذکر ہے۔ اور معہذا اونکے خطا و استغفار کا ذکر نہیں ہے چنانچہ صفحہ ا میں ہم اس امر پر تصریح کر چکے ہیں۔ لہذا یہ سکوت (یا بقول آپکے دلیل منفی) آپ کے دعوے خصوصیت و فوقیت مسیح کی دلیل نہیں ہو سکتی اسوجہ سے

خاکسار نے اپنے خط مورخہ ۱۵ جنوری سنہ ۱۹ عمندرجہ گشت نمبر ۶ جلد ۲ میں عرض کیا تھا کہ آپ کی دلیل آپ کے دعوے کی مثبت نہیں جسکو آپ نے نہ مانا۔ اور اوس کی وجہ بیان کرنے پر مجبور کیا۔ اب تو آپ نے وجہ سُن لی۔ اب بھی اس دلیل کو واپس لیں گے یا کچھ کسر رہی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا قول نقل کرنے کی تکلیف آپ نے ناحق و بلا فایدہ اٹھائی۔ حضرت شاہ صاحب نے مسیح کو فرشتہ کہا تو اس سے ثابت نہیں ہوتا۔ کہ حضرت مسیح سے خطا سرزد نہ ہوتی تھی۔ خطا سے تو فرشتے بھی خالی اور پاک نہ تھے۔ چنانچہ ابھی آپ کو معلوم ہو چکا ہے۔ جس شخص کو شاہ صاحب نے فرشتے کے مشابہ کیا ہو وہ اس خطا سے کیونکر پاک ہو گیا۔

حضرت شاہ صاحب نے اور خواص انسانوں کو بھی جو نیک اعمال کر کے فرشتوں کے خصایل حاصل کرتے ہیں۔ فرشتوں کی جماعت میں شامل و داخل کیا ہے۔ چنانچہ حجۃ اللہ البالغہ وغیرہ تصانیف میں آپ کی موجود ہیں۔ پھر کیا آپ ان لوگوں کو بھی خطا سے پاک مان لینگے ایسا ہوگا تو آپ کا دعوے خصوصیت مسیح کافور ہو جائیگا۔

جس مقام تاویل الاحادیث سے شاہ صاحب کا قول مذکور آپ نے نقل کیا ہے۔ وہاں حضرت مسیح کے خطا سے پاک ہونے کا کوئی صریح بیان یا اشارہ نہیں ہے بلکہ وہاں ملکت سی بہیمت

وقسم هم نفوس انسانية قريبة الماخذ من الملاء الاعلى ما زالت تعمل اعمالا منجية تفيد الخوف بهم حتى طرحت جلاليب ابدانها فانسلكت فى سلكهم وعدت منهم (حجة الله البالغة ص ۱۵ م)

وكان فى دين عيسى سهولة وسعة فاحل لهم بعض ما حرم عليهم لان النواميس الشاقة انما تنعقد فى مصادمة الملكية بالبهيمية وكان عيسى عليه السلام كانه ملك يمشى على وجه الارض

(تاویل الاحادیث ص۵۰) | کے مقابلہ کا ذکر ہے جیسا نتیجہ گناہ

شاہ صاحب اس قول میں یہ فرماتے ہیں کہ مسیح مین بہیمیت کا جو گناہ کراتی
نہ تھا۔ اسلئے خدا تعالے اون کو سخت احکام والی شریعت جو بہیمیت کو
ندی تھی۔ وہ تو فرشتے تھے۔ یعنے گناہ نہ کرتے تھے۔ لہذا وہ سخت ا
کی شریعت کے محتاج نہ تھے۔ شاہ صاحب کا قول نقل کرنیکے وقت یہ بھی
سوچا ہوتا کہ جس دعوے کی تائید وتصدیق میں ہم اس قول کو نقل کرتے
دعوے کو ہمنے قرآن یا آنحضرت کے صریح قول سے ہنوز مدلل وثابت
تاکہ اسکی تائید میں اس قول کی نقل کرنے کی گنجائش نکل آوے۔ اور او
بھی وہی معنے کئے جاویں جو قرآن اور قول نبوی کے صریح بیان سے
خدا ورسول کی کلام میں مسیح کے خطا سے پاک ہونے کا نام ونشان
نہ ہم نے نقل کیا ہے۔ تو حضرت شاہ ولی اللہ یا کسی اور مسلمان عالم کو کہ
کہ حضرت مسیح کی نسبت ایسا دعوٰے کرے۔ اور اسکے قول سے ایسا دعو
کیا جا سکے۔

آپ کی **دوسری دلیل** کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ مریم کی مادر مقدسہ
مریم کو اور اس کی اولاد (مسیح) کو شیطان سے خدا کی پناہ میں سپرد کی
کی۔ اور خدا نے مریم کو قبول کر لیا۔ اور اوس کے معنے صاف یہی ہیں کہ
شیطان یعنے گناہوں سے محفوظ ہوئے۔ چنانچہ تمام مفسرین نے اس
پر اتفاق کیا ہے۔ اور یہی عصمت کے معنے ہیں۔ اور یہ امر (شیطان سے م
کسی اور نبی کیلئے قرآن میں نہیں آیا۔ لہذا یہ آیت عصمت مسیح پر نص ہے۔
اسکے جواب میں ہم کسی قدر مسٹر اکبر مسیح کی ناواقفی اور کم توجہی پر اف
کہنے کے بعد کہتے ہیں۔ کہ مسٹر اکبر مسیح اتنا نہیں جانتے کہ لفظ عربی میں

محاورہ میں (جس کا یہ لفظ ہے) ... بھی وہ بھول گئے۔ کہ دعوے تو ہمارا یہ تھا کہ مسیح خطا بھی نہیں کرتے۔ اور اس امر کو قرآن اور آنحضرت صاف تصریح سے تسلیم کر چکے ہیں۔ (اور اسی معنے عصمت میں بحث و نزاع تھی گناہوں سے انبیاء کے معصوم ہونیمیں کس کو نزاع تھی) اور اس دلیل سے صرف گناہوں سے مسیح کا محفوظ ہونا ہم نے (سو بھی مفسرین کا قول اسمیں شامل کر کے نہ قرآن کی صریح آیت یا آنحضرت کا صاف قول دکھا کر) ثابت کیا ہے۔ نہ خطا سے محفوظ ہونا۔ لہذا یہ دلیل ہمارے دعوے کی دلیل کیونکر ہو سکتی۔

ہم مسٹر اکبر مسیح کو بتاتے ہیں۔ کہ نص مسلمان اس کلام کو کہتے ہیں جو ظاہر سے بڑھ کر وضاحت سے مراد بتاوے۔ ظاہر میں تاویل خلاف ظاہر کا احتمال ہوتا ہے نص اپنی وضاحت سے اس تاویل کے احتمال کو مٹا دیتی ہے۔ اس کی مثال یہ کلام ہے "وضو کا پانی لاؤ"۔ اگر صرف پانی لاؤ کہا جاتا تو احتمال تھا کہ اس سے کوئی عرق یا شراب مراد ہو۔ کیونکہ اون کو بھی مجازًا و تاویلًا پانی کہا جاتا ہے۔ مگر جب وضو کا لفظ بولا گیا۔ تو اس سے وہ احتمال اوٹھ گیا۔ اور معلوم ہوا کہ وہی پانی مراد ہے جو متعارف ہے۔ یہ معنے نص کے مسٹر اکبر مسیح کے خیال آئیں گے تو وہ سمجھ جائینگے کہ اون کی دوسری دلیل مسیح کے گناہوں سے معصوم ہونے میں نص تب ہوتی۔ جب اسمیں اون الفاظ سے تصریح ہوتی کہ خدا نے مسیح کو گناہوں سے بچا لیا۔ اسمیں تو صرف مریم کو قبول کرنے کا ذکر ہے۔ اوسکو کوئی نص کے معنے واقف مسیح کے گناہوں سے محفوظ ہونے میں نص نہیں کہہ سکتا۔

اس دلیل کے نص نہونے کے علاوہ یہ بھی مسٹر اکبر مسیح کو بتایا جاتا ہے۔ کہ اس دلیل کو اون کے دعوے سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ دعوے یہ تھا کہ مسیح خطا سے بھی محفوظ ہیں۔ اور یہ کہ قرآن نے اور آنحضرت نے اس محفوظیت کو بتصریح مان لیا ہے۔

اور اس دلیل سے اگر بحسب زعم [illegible] ترجیح ثابت ہوتا ہے تو صرف اعتقاد ثابت ہوتا ہے کہ مسیح کو خدا نے گناہوں سے بچا لیا ہے جو اس دعوے کی دلیل نہیں ہو سکتے اور تقریب تمام نہیں ہوتی۔

ہمارا یہ کہنا کہ یہ بات بھی بحسب زعم وبقول مسٹر مسیح اس آیت سے ثابت ہوتی ہے یعنے نفس الامر میں نہیں۔ یہ وجہ رکھتا ہے کہ آیت میں صرف خدا تعالی کا حضرت مریم کو قبول کرنا۔ اور اچھی طرح بڑھانا مذکور ہے۔ اس سے حضرت مسیح کے گناہوں سے عصمت نکلنا بجز مسٹر اکبر مسیح کسی دوسرے کے خیال میں نہیں آیا۔

مسٹر اکبر مسیح کا یہ کہنا کہ تمام مفسرین مسٹر اکبر مسیح کی مانند اس آیت۔ فتقبلها ربها بقبول حسن یعنے خدا نے مریم کو اچھی طرح قبول کیا۔ کے یہی معنے کرتے ہیں کہ خدا نے مریم اور اوسکی اولاد کو شیطان یعنے گناہوں سے بچا لیا محض غلط اور مغالطہ ہی جو بات مفسرین بیضاوی ابوالسعود وغیرہ نے کہی ہے کہ شیطان تمام بچوں کو پیدائش کے وقت چھونے سے بہکانے کی طمع کر لیتا ہی بجز مریم اور اوسکے فرزند کے کہ وہ والدہ مریم کی دعا سے بچگئے۔ وہ اس دعا کی نسبت حضرت اپنی حسن ظنی سے کہی گئی ہے۔ نہ آیت مذکور بالا کے لفظ تقبلها یا قبولیت مریم کے معنے وتفسیر میں۔

> انی اعیذها بك وذریتها من الشیطان الرجیم معناه ان الشیطان یطمع فی کل مولود بحیث یتاثر منه الا مریم وابنها فان الله عصمها ببرکة هذه الاستعاذة (بیضاوی صفحہ ۱۳۶)
> (ابو السعود صفحہ ۱۵۹ جلد ۲)

طرفہ یہ کہ مسٹر اکبر مسیح نے بھی اپنی دوسری دلیل کے ضمن میں یہ قول بیضاوی کا تفسیر انی اعیذها بك میں ذکر کیا۔ اوسی کے معنے کا بیان ٹھرایا ہے نہ تقبلها یا قبولیت مریم کی تفسیر میں۔

ان دو تفسیروں کے علاوہ [illegible] روح البیان وغیرہ ہمارے سامنے اسوقت ایسی موجود ہیں جنمیں یہ بات سرے سے بیان ہی نہیں ہوئی - پھر مسٹر اکبر مسیح کا وہ دعوے اتفاق مفسرین غلط نہیں تو اور کیا ہے -

ہمکو اس بات کے تسلیم کرنے میں عذر نہیں اور حضرت مسیح کی بہ برکت دعا والدہ مکرمہ مریم علیہا السلام گناہوں سے محفوظ و معصوم ہونے میں بھی کلام نہیں - بلکہ یہ اعتقاد ہی کہ والدہ مریم کی دعا سے حضرت مسیح اغوا شیطان سے بچائے گئے تھے - گو اس اعتقاد پر ہمارے ہاتھ میں بجز حسن ظنی کوئی دلیل نہین ہے - کیونکہ اس آیت میں قبولیت اس دعاء کا ذکر نہیں - بلکہ حضرت مریم کو بجائے لڑکے کے قبول کرلینے کا ذکر ہے -

ایسا ہی قسطلانی نے شرح بخاری میں کہا ہے - اسکے بعد جو قسطلانی نے کہا ہے - کہ ہاں حدیث میں (یعنے حدیث آئندہ ابو ہریرہ میں) اجابت اس دعاء کا اشارہ ہے - مگر وہ حدیث آنحضرت کی حدیث نہیں - بلکہ ابو ہریرہ کا قول ہے جو اون کی غلط فہمی پر مبنی ہے - چنانچہ ہم اوس کی تفصیل عنقریب کریں گے - شائد اسکی جانب قسطلانی نے لفظ فتامل سے اشارہ کیا ہے -

> ولیس فی الآیۃ دلیل علی انہ تعالی استجاب دعاءھا - بل الضمیر فی قولہ تعالی فتقبلھا ربھا المریم ای فرضی بھا ربھا فی النذر مکان الذکر - نعم الحدیث یدل علی الاجابۃ فتامل (قسطلانی جلد ۷ صفحہ ۹۵)

ہمکو کلام صرف اس میں ہے کہ یہ بات خدا تعالے نے کہی ہے - یا خدا تعالے کے کسی قول کا یہ اتفاقی مفہوم ہے - جسکا مسٹر اکبر مسیح کو دعوے ہے -

پھر مسٹر اکبر مسیح کا یہ کہنا کہ اسطرح (یعنے جیسا کہ مسیح کے لیے آیا ہے) شیطان سے محفوظ ہونا کسی اور کا قرآن میں نہیں آیا - بھی غلط در غلط ہے - خاص کر مسیح کا محفوظ ہونا - تو جیسا قرآن میں مذکور ہے ناظرین کو ابھی معلوم ہو چکا ہے - اور عموماً

فیعزتک لاغوینہم اجمعین الا عبادک منہم المخلصین۔ (والا ھذا صراط علی مستقیم ان عبادی لیس لک علیھم سلطان (الحجر ۳۴)

... (سے) بچتے ہوئے بندوں کا شیطان سے محفوظ ہونا قرآن کی آیات منقولہ حاشیہ وغیرہ میں کثرت کے ساتھ موجود ہے۔ مسٹر اکبر مسیح کو نظر نہ آوے تو کس کا قصور اور خاص کر آنحضرت کے لئے تو یہ محفوظیت بہت بسط و تفصیل کے ساتھ قرآن میں وارد اور صفائی سے ثابت ہے۔ چنانچہ مسیح پر آنحضرت کی ترجیح و فوقیت کے ثبوت میں ان آیات کا ذکر ہوگا۔ انشاء اللہ تعالے۔

بالجملہ آپ کی دوسری دلیل بھی ناتمام ہے۔ اور وہ مسیح کے گناہوں سے عصمت ثابت نہیں کرتی۔ چہ جائے خطاؤں سے۔

آپ کی تیسری دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ بشہادت حدیث بخاری و مسلم صرف ایک مسیح ہیں جو منجملہ تمام انبیاء مس شیطان سے محفوظ ہیں جسکے معنے یہ ہیں کہ شیطان اون کو اغوا نہیں کر سکا۔

اسکے جواب میں بھی افسوس سے کہا جاتا ہے کہ مسٹر اکبر مسیح کو استدلال کے وقت نہ اپنا دعوے یاد رہتا ہے نہ دلیل کے مضمون کی طرف توجہ ہوتی ہے۔ اس حدیث میں کہاں آنحضرت نے فرمایا ہے کہ خدا تعالے نے مسیح کو اوس کی تمام زندگی میں شیطان اور اوسکے گناہوں سے محفوظ رکھا تھا۔ حدیث میں تو صرف اتنا ذکر اور یہی لفظ ہے۔ کہ وقت تولد شیطان نے نہیں چھوا۔ وبس۔ اب اس سے یہ نکالنا کہ تمام زندگی میں اون کو شیطان گمراہ نہ کرے گا۔ یہ علماء کا اجتہاد ہے نہ رسول کا ارشاد۔ اور کسی عالم کا اجتہاد دوسرے شخص عالم کے لئے شرعی دلیل نہیں ہے جو چاہے اور موافق دلیل پاوے۔ اوسکو مانے۔ جو اوسکو مخالف دلیل سمجھے رد کرے۔ آپ نے اپنے مخاطب کے سامنے جسکو آپ غیر مقلد اہل علم جانتے ہیں۔ اور اپنے خط

۱۱۔ اکتوبر سنہ ۱۸۹۵ء مندرجہ کشف نمبر ۳ جلد ۶ صفحہ ۱۲ سنا چکے ہیں بیضاوی وغیرہ کے قول کی دست آویز اس حدیث کو عصمت مسیح کی دلیل سمجھ لیا۔ اور یہ خیال نہ کیا کہ حدیث میں تو گناہوں سے عصمت کا نام و نشان ہی نہیں۔ بیضاوی کا قول میرے دعوے کی تصدیق کیونکر کرے گا۔ اور اگر فرض بھی کر لیں اور بطور فرض محال مان لیں کہ آنحضرت نے یہ الفاظ فرما دئے ہیں جو بیضاوی نے کہے ہیں۔ تب بھی ان الفاظ سے ہمارا دعوے کہ مسیح خطا بھی نہیں کرتے تھے۔ کہاں ثابت ہوتا ہے۔ شیطان کا اغوا اور چیز ہے جس سے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب ہوتا ہے۔ اور خطا کرنا اور چیز اور ایک بشری صفت ہے جس کی وراثت بحکم حدیث خطا آدم فخطاءت ذریتہ۔ اولاد آدم سے ہر ایک کو (جنہیں آپ کے اور ہمارے اعتقاد میں حضرت مسیح بن مریم بھی ہیں) پہنچتی ہے۔ یہی بات سوچکر اس حدیث کی نقل کرنے سے قلم کو روکتے اور اپنے دعوے کے اثبات سے اسکو قاصر سمجھ کر اوسکی دست آویز سے تامل کرتے۔ گذشتہ را صلوٰۃ اب بھی مہربانی کریں اور اس حدیث کو واپس لیں۔ اسکو آپ کے دعوے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس مقام میں غالباً ناواقف اہل اسلام سوال کرینگے۔ اور یہ کہیں گے کہ مسٹر اکبر مسیح کے دعوے کو جانے دو۔ بیضاوی وغیرہ کے مفسرین کی تقلید کو بھی چھوڑ دو۔ اس حدیث کی بعض روایات میں حضرت ابو ہریرہ راوی حدیث کا یہ

عن ابی هریرة ان النبی صلی الله علیه وسلم قال ما من مولود یولد الا و الشیطان یمسه حین یولد فیستهل صارخا من مس الشیطان ایاه الا مریم وابنها	قول بعد روایت حدیث نبوی مروی ہے کہ چاہو تو اس عدم مس مریم و ابن مریم کی تصدیق میں یہ قول خداوندی پڑھ لو کہ اے خدا میں اس مریم کو اور اوس کی اولاد (مسیح) کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں سپرد

ثم یقول ابو ہریرۃ واقرؤا ان شئتم وانی اعیذھا بک وذریتھا من الشیطان الرجیم (بخاری صفحہ ۳۵۳)	کرلی ہوں جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ شیطان کا حضرت مسیح کو مس نکرنا اسی دعا والدہ مریم کے اثر و برکت سے ہے۔

جسکا نتیجہ گناہوں سے بچے رہنا تم نے بھی مان لیا ہے۔ اور اس تسلیم کا یہ نتیجہ تم کو ماننا پڑے گا۔ کہ منجملہ انبیاء اغوا شیطان سے صرف حضرت مسیح محفوظ ہیں۔ نہ دوسرا کوئی نبی۔ اس سے بڑھکر مسیح کے دعوے کے مطابق محفوظیت از خطا نہ سہی عصمت از گناہ تو حضرت مسیح کے لئے خصوصیت کے ساتھ ثابت ہوئی۔

اسکا جواب یہ ہے کہ بیشک اس حدیث کے ظاہری الفاظ کو دیکھکر نادانا اور حقیقت ناشناس اشخاص کو یہ شبہ پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ شبہ بھی ایسا کہ بادی الرائے میں برجستہ اور قوی اور لاینحل معلوم ہوتا ہے۔ مگر غور کرنے کے بعد یہ شبہ ہباءً منثورا اور کافور ہو جاتا ہے۔ اس خاکسار نے خداداد غور و فکر سے کام لیا تو محض خدا کے فضل و توفیق و تفہیم سے اسکا حل خیال میں آگیا۔ ہرچند وہ حل مستقل و مزب جیسا کہ عرض کیا جاتا ہے۔ کتب متقدمین و متاخرین میں نہیں دیکھا گیا۔ مگر اس حل کا اصل اصول علماء سابقین کی اشارات و تصریحات میں پایا تو اس حل کے پیش کرنے کا حوصلہ ہو گیا۔ اور وہ یہ ہے کہ اس حدیث میں کلام بلاغت نظام حضرت رسالت تو اسی حد تک ہے۔ جہاں ذکر ہے۔ کہ مسیح اور اوسکا بیٹا۔ اس مس شیطان سے محفوظ ہیں۔ اسکے بعد جو اس کی تصدیق کے لئے آیت پڑہنے کو کہا گیا ہے۔ وہ حضرت ابوہریرہ کا اپنا قول ہے۔ جسکو اونہوں نے آنحضرت کی طرف منسوب نہیں فرمایا۔ اور غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول حضرت ابوہریرہ نے اپنے فکر و اجتہاد سے کہا ہے۔ اور اس میں دہوکا کھایا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ قول نہیں سنا۔ اور نہ یہ قول بحکم عقل سلیم و فہم مستقیم آنحضرت کا قول ہو سکتا ہے

کیونکہ یہ قول ابوہریرہ کا آنحضرت کے قول سے جو آنحضرت سے ابوہریرہ نے نقل کیا صریح مخالف ہے۔ بلکہ صریح بیان قرآن کے بھی مخالف ہے۔ اس قول آنحضرت میں صاف تصریح ہے۔ کہ جب بچہ پیدا ہونے لگتا ہے۔ تو اس خاص پیدائش کیوقت شیطان اس بچہ کو مس کرتا ہے بجز مریم و ابن مریم کہ وہ اس مس سے محفوظ ہیں۔ اور اس قول ابوہریرہ میں جس دعاء والدہ مریم کا ذکر ہے۔ اور اسی دعاء کی برکت اور اثر سے حضرت مریم اور اون کے بیٹے کی محفوظیت کا اشارہ ہے۔ وہ دعا حضرت مریم کے پیدا ہو جانے اور اسکا نام مریم مقرر کردینے کے بعد وقوع میں آئی ہے چنانچہ

رب انی وضعتها انثی ولیس الذکر کالانثی وانی سمیتها مریم وانی اعیذها بک۔ الخ

نص قرآن میں یہ تصریح آچکی ہے۔ پھر عقل سلیم کے نزدیک کیونکر ممکن ہے۔ کہ مریم کا مس شیطان سے محفوظ رہنا اس دعا کے اثر و برکت سے ہو۔ اور جبکہ مریم علیہا السلام کا مس شیطان سے محفوظ رہنا اس دعا کا اثر نہ ہو سکا۔ تو انکے بیٹے حضرت عیسے کا محفوظ ہونا بھی اس دعاء کا اثر نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ ایک ہی وقت کی ایک دعا ہے جسکا ایک ہی اثر ہونا چاہیئے یہ تو نہیں ہوا۔ کہ والدہ مریم نے دو وقتوں میں دو دفعہ دعا کی تھی۔ مریم کے لئے اون کے پیدا ہونے سے پہلے۔ اور مسیح کے لئے مریم کے پیدا ہو جانے کے بعد تاکہ اون کی محفوظیت کو اس دوسری دعاء کا اثر قرار دیا جائے۔ اس بیان سے قول مذکور ابوہریرہ کا مخالف قول نبوی و نص قرآنی ہونا ثابت ہوا۔ تو اس سے یقین پیدا ہوتا ہے کہ یہ قول ابوہریرہ نے آنحضرت سے سنکر نہیں فرمایا۔ بلکہ اپنے فہم و اجتہاد سے کہا ہے جسمیں انہوں نے دہوکہ کھایا۔ اور غلطی کا ارتکاب کیا۔ لہذا وہ قول کسی کے استدلال کے لائق نہیں۔ اور اس سے جو نتیجہ پیدا ہو وہ لائق قبول نہیں۔

جن مفسرین بیضاوی وغیرہ نے حضرت مریم و ابن مریم کی مس شیطان سے

معنوطمینت کو اون کی والدہ کی دعا کا اثر و برکت قرار دیا ہے۔ اور اوسپر قول ابوہریرہؓ سے استشہاد کیا ہے اونہوں نے اس قول ابوہریرہ کو غور سے نہیں دیکھا۔ اور جن مفسرین (علامہ زمخشری صاحب کشاف شیخ سلیمان جمل۔ صاحب فتح البیان وغیرہ) نے اوسکو غور سے پڑہا اور سمجہا ہے۔ اونہوں نے اس کو محل اشکال و اشتباہ قرار دیا۔ پھر از انجملہ بعض نے جو فن حدیث کے امام نہیں۔ اور بہ نسبت حدیث معقولات سے زیادہ تعلق و توغل رکھتے ہیں (جیسے صاحب کشاف) اونہوں نے اس تمام حدیث کو صحیح تسلیم کرنے میں تامل کیا۔ اور بالفرض تسلیم اس میں ایسی تاویل کے جو اوس کے ظاہری مفہوم کی مخالف ہے۔ اور وہ انکار صحت حدیث سے بڑہ کر ہے۔

تفسیر کشاف میں کہا ہے کہ جو حدیث مروی ہے جس میں ہر مولود کو بجز مریم اور اوس کی اولاد کے شیطان کے مس کرنے کا ذکر ہے۔ اس کی صحت خدا ہی کو معلوم ہے یعنے وہ صحیح نہیں ہے۔ اور اگر وہ صحیح ہو تو اسکے معنے یہ ہیں کہ شیطان ہر ایک مولود کے بہکانے کی طمع رکھتا ہے۔ بجز مریم اور اوس کی اولاد کے کہ وہ معصوم ہیں الخ یز ہی اَور لوگ جو اون کی صفت رکھتے ہیں اسپر دلیل یہ قول خداوندی ہے کہ شیطان نے کہا میں تیرے بعض بندوں کو نہ بہکاؤں گا۔

اور بچہ کا چلانا ایک خیالی تشبیہ ہے

وما یروی من الحدیث ما من مولود یولد الا والشیطان یمسہ حین یولد فیستہل صارخا من مس الشیطان ایاہ الا مریم وابنہا فاللہ اعلم بصحتہ فان صح فمعناہ ان کل مولود یطمع الشیطان فی اغوائہ الا مریم وابنہا فانہما کانا معصومین وکذلک کل من کان فی صفتہما۔ لقولہ تعالی لاغوینہم اجمعین الا عبادک منہم المخلصین۔ واستہلال لہ

صار خامن [illegible] لطمعه فيه كانه يمسه ويضرب بيده عليه ويقول هذا ممن اغويه۔ ونحوه من التخييل قول ابن الرومی شعر

لما تؤذن الدنیا به من صروفها
یکون بکاء الطفل ساعة یولد

اما حقیقة للنس والنخس کما یتوهم اهل الحشو فکلا ولو سلط ابلیس علے الناس ینخسهم لامتلئت الدنیا صراخا وعیاطا مما یبلونا من نخسه (کشاف فتح)

[illegible] کی [illegible] گویا کہ وہ اوسکو چھوتا اور ہاتھ مارتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ یہ بچہ اون لوگوں میں سے ہے جنکو میں گمراہ کرونگا ایسے خیالی تشبیہ ابن الرومی کے ایک شعر میں پائی جاتی ہے اور حقیقۃً شیطان کا چھونا اور چوکنا جیسا کہ اہل حشو خیال کرتے ہیں ہرگز نہیں ہے۔

اور بعض نے جنکو کہ حدیث سے زیادہ تعلق و دلچسپی ہے۔ اور اون کے دل میں حدیث کی خصوصاً صحیحین کی عظمت ہے۔ اونہوں نے حدیث کو غیر صحیح کہنے کی جرأت نہیں کی۔ صرف اس اشکال کو ظاہر کر دیا ہے۔ مگر اوسکو حل نہیں کیا۔

جملہ اوں تفسیر فتح البیان میں کہا ہے۔ اسمقام میں ایک قوی شبہ پیدا ہوتا ہے

فی المقام اشکال قوی لم ار من نبه علیه من المفسرین وحاصله ان قولها وانی اعیذها بك معطوف علی ما قبله الواقع فی حیز لما وضعتها فیقتضی ان طلب هذه الاعادة انما وقع بعد الوضع فلا یترتب علیه حفظ مریم من طعن الشیطان

ہمنے نہیں دیکھا کسی مفسر نے وہ شبہ بیان کیا ہو۔ وہ یہ کہ قول والدہ مریم کا کہ اے خدا میں اس مریم کو شیطان سے تیری پناہ میں سپرد کرتی ہوں۔ ماقبل پر معطوف ہے جو لما وضعتہا کے نیچے داخل ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اونکی یہ دعا بعد تولد مریم ہوئی تھی۔ پھر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس

وقت نزوله ... من بطن امها فلا يتلاقی الحدیث مع الاٰیۃ بل یقتضی ظاہر الاٰیۃ ان اعاذتھا من الشیطان انما کان بعد وضعھا وھذا لا ینافی تسلط الشیطان علیھا بطعنھا ونخسھا وقت ولادتھا الذی ھو عادتہ فان عادتہ طعن المولود وقت خروجہ من بطن امہ تامل۔ قالہ سلیمان الجمل (فتح البیان ص۲۸۴ جلد ۱)	... مریم ... شیطان سے (جو عین تولد اور بچہ کے پیٹ سے نکلنے کے وقت ہوتی ہے) محفوظ ہوئیں۔ اس صورت ... یہ حدیث قرآن سے متفق نہ ہوئی۔ قرآن کے ظاہر الفاظ سے تو یہ پایا جاتا ہے۔ کہ جب والدہ مریم اوسکو جن چکی تب اونہوں نے دعا کی۔ اور یہ دعا اس مس شیطان کی نفی نہیں کرتی۔ جو پیدائش بچہ کے وقت ہوتی ہے۔ کیونکہ شیطان کی عادت ہے کہ وہ بچہ کو ماں کے پیٹ سے نکلنے کے وقت مس کرتا ہے اسبات کو سوچو یہ سلیمان جمل کا قول ہے)

محدثین میں سے قسطلانی شارح بخاری کے دل میں بھی یہ شبہ پیدا ہوا۔ اور اونہوں نے شرح صحیح بخاری میں اس شبہ کو بیان کرکے اسکا جواب بھی دیا۔ جو ضعیف جواب ہے۔

اس مقام میں آپ کی عبارت نقل کیجاتی ہے۔ پھر اون کے جواب کا ضعف ثابت کیا جائیگا انشاء اللہ تعالے۔

آپ فرماتے ہیں ابوہریرہ کے اس قول میں کہ چاہو تو آیت پڑھ لو اعتراض

ثم لقول ابو ھریرۃ واقرءوا ان شئتم وانی اعیذھا بک وذریتھا من الشیطان الرجیم۔ وھذا	وارد ہوتا ہے۔ کیونکہ آیت کا مضمون بتاتا ہے کہ حنتہ والدہ مریم کی دعا جسکی تفسیر اس حدیث (یعنے قول ابوہریرہ) میں یہ

فیه شئ من حیث ان [illegible]
الآیة یدل علی ان دعاء حنة
ام مریم باعاذتها وذریتها
من الشیطان المفسر فی الحدیث
بان یعصمهما من مس الشیطان
عند ولادتهما متاخر عن
وضعها مریم ولم ار من نبه
علی هذا والذی یظهر لی ان
تکون حنة علمت انوثة مریم
قبل تمام وضعها عند بروزها
الی ما یعلم منه ذلك فقالت
حینئذ انی وضعتها انثی وانی
اعیذها فاستجیب دعائها
ثم تکامل وضعها فاراد الشیطان
التمکن من مریم فمنعه الله ببرکة
دعاء امها والتعبیر عن البعض
بالکل سائغ شائع ولیس فی الآیة
دلیل علی انه استجاب دعائها
الی آخر ما نقلناه (قسطلانی صفحہ ۹ جلد ۲)

[illegible] ہے [illegible] وہ دونوں مس شیطان سے
بچائے گئے۔ حنہ کے مریم کو جننے سے
پیچھے ہوئی تھی۔ یعنے پھر مس شیطان سے
اسکا محفوظ رہنا اس دعاء متأخر کا اثر
کیونکر ہوسکتا ہے۔ قسطلانی فرماتے
ہیں کہ مینے اور کسی کو نہیں دیکھا جسنے
اس اعتراض پر تصریح کی ہو۔ پھر کہا
اسکا جواب جو مجھے ظاہر ہوا ہے
وہ یہ ہے۔ کہ حنہ کے مریم کو پورے
جننے سے پہلے صرف اسقدر حصہ جسم کے
دیکھنے سے معلوم ہوسکے کہ وہ لڑکی ہے
لڑکا نہیں، اسکے پیٹ سے نکلنے سے
معلوم ہوگیا ہوگا۔ کہ وہ لڑکی ہے۔ اسوقت
انہوں نے دعاء کی جو قبول ہو گئی۔
اور جب وہ پوری جنی گئی تو شیطان نے
اوسکو مس کرنا چاہا۔ مگر حنہ کی اس دعاء
کی برکت سے خدا نے اوسکو روک دیا
اور اس سوال کے جواب میں کہ خدا نے
تو مریم کے پوری پیدا ہو جانے کے

بعد دعاء کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ کہا جائیگا کہ جزء پر کل کا اطلاق مجازاً ہوتا ہے
اور یہ امر جائز اور مروج ہے یعنے دعاء کے وقت پیٹ نکلا تو بعض حصہ جسم تھا۔

جس حدیث کی [illegible] دل کا باہر ہونا ظاہر فرمایا - مگر
آیت میں یہ نہیں پایا جاتا کہ اون کی والدہ کی وہ دعا مقبول ہوگئی تھی - آخر قول
آخر تک جو پہلے بصفحہ (۱۹۶) منقول ہوچکا ہے -

راقم خاکسار کہتا ہے - علامہ قسطلانی کا یہ جواب نہایت ضعیف ہے - یہ جواب یہ ظاہر کرتا ہے - کہ علامہ قسطلانی نے قرآن مجید کے اس بیان کا خیال و لحاظ نہیں فرمایا - کہ حضرت مریم کی والدہ نے اسکا نام بھی مریم رکھدیا تھا - اور اس کے بعد وہ دعا مانگی تھی جس میں نام رکھنے کا پہلے ذکر کیا ہے - اور نہ یہ خیال فرمایا یہ امر دین یہود یا کسی اور مذہب میں معمول و مروج نہیں تھا - اور نہ اب ہے - کہ بچہ آدھا پیٹ کے اندر ہو اور آدھا باہر اور اسیوقت اسکا نام رکھدیا جاوے - قرآن کے یہ الفاظ وانی سمیتہا مریم وانی اعیذہا یعنے میں نے اسکا نام رکھدیا اور میں نے اسکو تیری پناہ میں سپرد کیا - صاف یقین دلاتے ہیں کہ وہ دعا والدہ مریم کی وضع تام اور مریم کے تولد تام کے عرصہ بعد ہوئی تھی - جبکہ مریم نام رکھنے کی سنت بھی رسم یہود کے موافق ادا ہوگئی تھی - اس بیان سے ناظرین کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ یہ شبہ تو قول ابو ہریرہ پر بہت لوگوں کے دل پر گذرا - مگر اسکا جواب شافی کسی نے نہیں دیا - اور اسکا حل کسی سے نہیں ہوا - اور اسکا جواب شافی و حل کافی وہی ہے - جو خدا نے اس خاکسار کو سمجھایا - اور اس کی قلم سے نکلوایا ہے - کہ وہ قول ابو ہریرہ نے اپنی رائے و اجتہاد سے کہا ہے - اور اس میں دہوکہ کھایا آنحضرت سے سنکر نہیں فرمایا - اور نہ وہ آنحضرت کا وہ قول ہوسکتا ہے - لہذا وہ لایق اعتماد و قبول نہیں ہے -

اس جواب پر اگر کوئی ناواقف یہ اعتراض کرے - کہ یہ کہتا کہ یہ قول ابو ہریرہ غلط ہے - اور اون کی غلط فہمی پر مبنی ہے - صحیح بخاری کے اس عالی رتبہ

اور وہ الا شان کے مخالف ہے۔ جو تمہارے نزدیک بھی مسلم ہے۔ کہ جو روایت بسند متصل ان کتابوں میں وارد ہے وہ اتفاقی صحیح ہے۔ اور لائق اعتماد و قبول ہے۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ صحیح بخاری یا صحیح مسلم کے مرویات کے صحیح و لائق اعتماد و قبول ہونے کے یہ معنے ہیں کہ جس شخص کا قول ان کتابوں میں بسند متصل نقل کیا گیا ہے اس شخص سے وہ قول صحیح ثابت ہے۔ اور اس قول پر اعتماد کرنا یہ معنے رکھتا ہے کہ وہ قول ضرور اوس شخص کا قول ہے۔ اور اس سے بسند صحیح مروی ہے۔ اسکے یہ معنے نہیں کہ جو قول کسی شخص سے ان کتابوں میں منقول ہے۔ وہ معنے و مطلب کے لحاظ سے بھی صحیح اور واجب القبول ہے۔ امام بخاری یا امام مسلم یا اور محدثین کی نقل و تصحیح لفظوں کے متعلق ہے۔ اور ان الفاظ کے اپنے قائل سے ثابت ہونے کا طمانینت بخش وسیلہ ہے۔ انکی نقل و تصحیح کسی حدیث یا قول کے معنے و مطلب کے ثبوت کی دلیل و وسیلہ نہیں ہے۔ لہذا جب تمنے مان لیا کہ حضرت ابوہریرہ نے بیشک وہ قول فرمایا ہے۔ جو امام بخاری نے اون سے نقل کیا ہے۔ تو ہم نے صحیح بخاری کی عظمت کو مان لیا۔ اسکے ساتھ اس قول کے معنے و مطلب کو بھی صحیح مان لینا اس عظمت ماننے کی جزو یا شرط نہیں ہے۔ کسی کے قول کو معنے اور مطلب کی نظر سے صحیح مان لینا اس قول کی ذاتی صحت اور اوسکی عظمت قائل کی وقعت و عظمت پر موقوف ہے۔ اگر وہ قول ایسے شخص کا ہے جسکے قول کو خدا نے تمام مسلمانوں کے لئے لائق سند و حجت قرار دیا ہے۔ جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تو اوسکا مان لینا سب پر فرض و واجب ہے۔ اور اگر وہ قول ایسے شخص کا ہے جسکا فہم و اجتہاد و رائے حجت شرعی اور تمام لوگوں کے لئے واجب العمل و التسلیم نہیں تو اس کا ماننا دوسرے لوگوں پر واجب نہیں۔ خصوصاً جبکہ وہ مخالف دلیل ہو

اب شاید کوئی یہ سوال کرے اور کہے کہ اس بیان سے یہ تو ثابت ہوا

کہ والدہ مریم کی دعا سے حضرت مسیح کا مس شیطان سے محفوظ ہونا حدیث نبوی سے بھی ثابت نہیں ہوتا۔ جیساکہ آیت قرآن سے ثابت نہیں۔ مگر حدیث نبوی سے اس قدر تو ثابت ہوتا ہے۔ کہ مس شیطان سے محفوظ ہونے کو صرف حضرت مسیح سے خصوصیت ہی۔ اور یہ محفوظیت ان ہی کا خاصہ ہے۔ خواہ اسکا سبب و موجب کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ اس سے بھی حضرت مسیح کی اور انبیاء پر فضیلت و فوقیت ثابت ہوتی ہے۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ شیطان کا ہر مولود کو تولد کے وقت مس کرنا اگر صرف بغرض ایذا جسمانی ہے اور اوس کا اثر ایمان و اخلاق مولود پر کچھ نہیں ہوتا۔ تو اس مس سے حضرت مسیح کا بچ جانا کوئی فضیلت کی بات نہیں ہے۔ بلکہ برعکس فضیلت اُن صالح و مقبول مولودوں کو ہے جو اس تکلیف و ایذا شیطان کے محل ابتلا رہوتے ہیں۔ کیونکہ اہل بلا اہل عافیت سے زیادہ اجر کے مستحق ہوتے ہیں۔ چنانچہ حدیث اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الامثل فالامثل اسکے مصدق و مؤید ہے۔

اور اگر شیطان کا مس کرنا بغرض تکلیف روحانی ہے۔ اور اون کے ایمان و اخلاق پر اسکا بد اثر ہونا اسکا خلاصہ لازمی ہے۔ تو اس مس سے جملہ انبیاء و اصفیاء کا بچ جانا بحکم ان نصوص مذکورہ حاشیہ کے جن میں بیان ہے کہ شیطان خدا کے مخلص بندوں کو نہیں بہکا سکتا۔ اور اون پر اسکا زور و غلبہ نہیں ہوتا ضروری و لازمی امر ہے۔ اور ان ہی نصوص کی شہادت سے جملہ انبیاء، بلکہ اور مخلصین و اصفیاء بھی اس وصف میں حضرت مسیح کے شریک ہیں۔ اس حدیث میں آنحضرت

لاغوینھم اجمعین الا عبادک منھم المخلصین۔ قال ھذا صراط علی مستقیم۔ ان عبادی لیس لک علیھم سلطٰن الا من اتبعک من الغاوین۔

(الحجر - ع ۳-)

کا صرف حضرت مسیح کو اس مس سے مخصوص و مستثنے کرنا بطور تمثیل ہو اہے۔
اور عدم مس کا اون ہی میں حصر حصر اضافی ہے۔ یعنے ان عام لوگوں کی نسبت۔ جو خدا کے مخلص بندے نہیں ہیں۔ اور مقصود اس حصر و تخصیص سے یہ ہے کہ مسیح اور مسیح کے سبھی ہم جنس وہم صفت وہم معنے مس شیطان سے محفوظ ہیں۔ ایسا ہی علماء متقدمین و متاخرین نے کہا ہے۔ اور اس تعمیم پر ان ہی آیات کو دلیل ٹھرایا ہے۔ اور علاوہ براں چند احادیث سے بھی استدلال کیا ہے۔

قسطلانی نے شرح صحیح بخاری میں کہا ہے۔ کہ عینی نے قاضی عیاض سے نقل کیا ہے۔ کہ تمام انبیاء اس صفت میں حضرت مسیح کے شریک ہیں قرطبی نے کہا ہے یہی مجاہد (تابعی) کا قول ہے۔ زمخشری (صاحب کشاف) نے اس حدیث میں معنے کی نظر سے طعن کیا ہے اور کہا ہے۔ کہ اگر ہم اوسکو صحیح مان لیں تو اوسکے معنے یہ ہیں کہ سب بچوں کو گمراہ کرنے کی طمع شیطان رکھتا ہے۔ (یعنے جو مس کرنے سے اُسکا مقصود ہے) بجز مریم اور اون کے فرزند کے کہ وہ دونو بچے ہوشے تھے۔ ایسے ہی وہ لوگ جو اون کی سی صفت رکھتے اُسپر دلیل ہے یہ قول خداوندی ہے۔ کہ خدا کے مخلص بندوں کو شیطان نہیں بہکاسکے گا۔

نقل العینی ان القاضی عیاض اشار الی ان جمیع الانبیاء یشارکون عیسی علیه الصلوة والسلام فی ذلك قال القرطبی وهو قول مجاهد وقد طعن الزمخشری فی معنی هذا الحدیث وتوقف فی صحته فقال ان صح فمعناه ان کل مولود یطمع الشیطان فی اغوائه الا مریم و ابنها فانهما کانا معصومین و کذلك کل من کان فی صفتهما لقوله تعالی الا عبادك منهم المخلصین

(قسطلانی صفحہ جلد ۷)

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں آنحضرت سے

قلت قد صح ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لفاطمۃ حین زوجها اللھم انی اعیذھا بک وذریتها من الشیطان الرجیم وکذلک قال لعلی ودعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم اولی بالقبول فعلی ھذا الحصر عدم المس فی مریم وابنها یکون حصرًا اضافیًا بالنسبۃ الی الاعم الاغلب (تفسیر مظہری)

یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آپ نے جب فاطمہ کا نکاح کر دیا تو اون کے لئے وہ دعا کی جو والدہ مریم نے کی تھی۔ ایسے ہی دعاء آپ نے حضرت علیؓ کے لئے کی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم والدہ مریم کی نسبت زیادہ مستحق قبولیت دعا ہیں۔ بناءً علیہ یہ حصر عدم مس جو حضرت مسیح میں ہوا ہے اضافی ہے۔ یعنے اون عام لوگوں کی نسبت جو حضرت مسیح جیسے نہ تھے۔ صاحب تفسیر مظہری نے تو اس وصف کو ایسا وسیع کیا ہے کہ انبیاء کے علاوہ اہل بیت نبی کو بھی اس میں شامل کر دیا ہے۔*

بالجملہ اس حدیث کو دعوائے مسٹر اکبر مسیح سے تو کوئی بھی تعلق نہیں۔ اور اسکے سوا وہ حضرت مسیح میں کوئی بھی ایسی خصوصیت و فضیلت ثابت نہیں کرتی۔ جو اور انبیاء بلکہ اولیاء و اصفیاء میں نہ ہو۔

آپ کی چوتھی دلیل حدیث شفاعت ہے۔ جسکے متفرق حصے صفحہ (۵۰ و ۵۲) میں منقول ہوئے ہیں۔ اور اسوجہ سے وہ یہاں پورے نقل نہیں ہوئے۔ اس حدیث سے جو مسٹر اکبر مسیح نے حضرت مسیح کی خصوصیت و فضیلت نکالی ہے۔ اسکا خلاصہ یہ ہے۔ کہ منجملہ انبیاء کے جو قیامت کے دن شفیع بننے سے انکار کرینگے۔ صرف مسیح ہے جسکی کوئی خطا نہیں کہ وہ یاد کرے۔ اور اسکے باعث اپنے رب سے شرماوے۔ انکا کوئی گناہ نہیں کہ وہ ذکر کریں۔ وہ محمد صاحب کے اگلے

پچھلے گناہوں کا (یعنے اون کے بخشے جانے کا) مذکور کرتے ہیں۔ اور اپنے تئیں لائق شفاعت نہیں جانتے۔ اور یہ کچھ قیامت کے منطق کی خامی ہے کہ جنہنے گناہ کئے ہوں وہ اسوجہ سے کہ اسکے گناہ معاف ہوئے۔ شفاعت پاوے۔ اور جس سے کوئی گناہ سرزد نہ ہوا۔ وہ محروم رہے۔ گویا عصمت (گناہ نہ کرنا) بھی ایک جرم ٹھہرا جسکی نسبت مسیح شفاعت سے محروم رہا۔" اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اس حدیث کے کسی طریق یا روایت میں یہ نہیں آیا کہ حضرت مسیح نے کوئی گناہ یا خطا نہیں کی۔ حدیث کا لفظ صرف یہ ہے۔ ولم یذکر ذنبًا یعنے جیسے اور انبیاء (آدم۔ نوح۔ ابراہیم۔ وموسیٰ کا ایک ایک گناہ یا خطا (شجرہ ممنوعہ سے کچھ کھا لینا یا قوم کے حق میں بد دعا کرنا۔ یا تین دفعہ بسبب ظاہر صورت جھوٹ بولنا۔ یا قبطی کو مار ڈالنا) مذکور ہوا ہے حضرت عیسے کا کوئی گناہ راوی حدیث نے یا آنحضرت نے ذکر نہیں فرمایا۔ یا یوں کہو کہ قیامت کے دن خود حضرت عیسے اپنا کوئی گناہ یاد نہیں کرینگے۔ یوں ہی اجمالاً اپنا لائق شفاعت نہ ہونا بیان کرکے بلا تفصیل سبب گناہ شفاعت سے انکار کرینگے اور کہیں گے کہ یہ مقام و درجہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے لئے مخصوص ہے۔ میں جسکی لائق نہیں ہوں۔

مسٹر اکبر مسیح نے جو اس لفظ لم یذکر ذنبًا کا مطلب یہ سمجھا ہے۔ کہ اون سے کوئی خطا یا گناہ سرزد ہی نہیں ہوا۔ ہوتا تو وہ بھی اوس کا ذکر کرتے جیسا کہ اور انبیاء ذکر کرینگے۔ تو ہمیں اُنہوں نے دہوکہ کھایا ہے۔ یا دیدہ دانستہ دہوکہ دینا چاہا ہے۔

آپ صاحب! گناہ ذکر نہ کرنے کی وجہ وہ نہیں ہے۔ جو آپنے غلطی سے سمجھی۔ یا مغالطہ دینے کو سمجھانی چاہی۔ بلکہ اُسکی وجہ اور ہے۔ جو ہم آپ کو بتاتے ہیں۔

اور اوس کو بدلائل عقلی و نقلی ثابت و مدلل کر دکھاتے ہیں۔ اودہر آئیے اور وہ وجہ ہم سے سنئے۔

راوی حدیث یا آنحضرت نے اون کے کسی گناہ (یا خطاء) کا ذکر اسلئے نہیں کیا اور حضرت مسیح بھی قیامت کو بوقت از کار از شفاعت اسلئے اسکا ذکر نہ کریں گے۔ کہ وہ گناہ یا خطا ایک یا دو ہوتے تو اوسکا ذکر بھی ہوتا۔ جیسے اور انبیاء کے ایک ایک خطاء کا ذکر ہوا۔ حضرت عیسے تو گناہوں (یا خطاؤں) سے لدے ہوے اور اُنکے بوجھ سے دبے ہوے تھے۔ (جیسا کہ صحابہ کے اس اصول سے ثابت ہے۔ کہ وہ تمام عمر استغفار سے خالی رہے۔ یا کسر نفسی یا فروتنی سے وہ خود اپنے آپ کو بہت گنہگار سمجھ کر کسی ایک گناہ کا ذکر نہ کرینگے۔ (جیسا کہ مسلمانوں کا اُن پر حسن ظن و اعتقاد ہے۔) پھر راوی حدیث یا آنحضرت یا خود حضرت مسیح گناہ کو یاد کرتے تو کس کس کو کرتے اسلئے اُنھوں نے اس اجمالی طور سے اعتراف گناہوں پر اکتفا کیا۔ اور انصاف کو کام میں لاکر یہ کہدیا کہ یہ درجہ و مقام شفاعت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی ہی شان کو لائق اور اون ہی سے مخصوص ہے۔ جو رات دن اُٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے چلتے پھرتے توبہ و استغفار میں لگے رہتے تھے۔ اور اپنے خطاؤں کو معاف کرا کے ایسے ہوگئے تھے۔ جیسے اور زاہد بے گناہ ہوتے ہیں۔ میرا یہ منصب نہیں کہ میں اس مقام میں قدم رکھوں۔

لفظ لعد یذکر کے معنے اور مسیح کے گناہ کا ذکر نہ ہونے اور مسیح کے اجمالی اعتراف گناہ سے شفاعت سے انکار کرنے کی وجہ آپ سُن چکے تو اسی سے آپ کو یہ بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ قیامت کی منطق خام نہیں ہے۔ بلکہ بڑی پختہ منطق ہے۔ اور مسیح کا درجہ شفاعت سے محروم رہنا۔ اور آنحضرت کا اس درجہ کو پا لینا اسوجہ سے نہیں کہ حضرت مسیح بے گناہ تھے۔ اور آنحضرت بخشے ہوے گناہگار ر ہے

اوس کی وجہ یہ ہے۔ کہ مسیح کے گناہ یا خطا بخشش و معافی نہ مانگنے کے سبب (چنانچہ عیسائی کہتے ہیں) یا مسیح کی کسر نفسی فروتنی والے خیال میں (چنانچہ مسلمان سمجھتے ہیں) بخشے نہ گئے تھے۔ اور سب کے سب جمع ہو کر اون کو دبائے اور شرما رہے تھے۔ اور آنحضرت بخشے بخشائے ہوئے تھے۔

معلوم ہوتا ہے آپ نے منطق انگریزی میں پڑھی ہے۔ جس میں عقلی منطق بہت کمی و خامی کے درجہ پر ہے۔ عربی میں منطق نہیں پڑھی جو بڑے زور کی منطق ہے۔ پڑھتے تو قیاسات کے منطق کا پختہ ہونا جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے خود دیکھ و جان لیتے۔

بیان وجہ عدم ذکر گناہ مسیح و عدم وقوع شفاعت مسیح کے متعلق جو کچھ ہم نے کہا ہے۔ اوسمیں سے **دو امر** ثبوت اور **دلیل طلب ہیں** -- اوّل یہ کہ مسیح سے خطا۔ یا گناہ سرزد ہوئے ہیں۔ دوسرے یہ کہ حضرت مسیح گناہوں یا خطاؤں سے عیسائیوں کے اصول و اعتقاد کے رو سے یا اپنے کسر نفسی و فروتنی والے خیال میں ملزم ہونے اور انکے بوجھ سے دبے ہوئے تھے۔

امر اوّل اگر ہمنے ثابت کر دیا تو امر دوم کا بار ثبوت اس سے زیادہ ہمارے ذمہ نہ رہے گا۔ کہ ہم عیسائیوں کا یہ اصول و اعتقاد اون کی کتابوں سے نقل کر دیں کہ حضرت عیسے نے تمام عمر استغفار نہیں کیا۔ اور توبہ کر کے اپنے گناہوں (یا خطاؤں) کو خدا تعالے سے معاف نہیں کرایا۔ کیونکہ یہ امر ظاہر و غنی ہے۔ و محتاج ثبوت نہیں ہے کہ گناہوں یا خطاؤں کو دور کرنے کا مصلحہ صرف توبہ و استغفار ہے۔ اور جو شخص گناہ کر کے توبہ و استغفار سے جو نہیں کرتا وہ گناہوں کے بوجھ سے دبا رہتا ہے۔ لہذا امر دوم کے ثبوت میں عیسائی کے اضطراب میں ہم کو ان کا وہی قول پیش کر دینا کافی و وافی ہو۔

ثبوت امر اول پر ہمارے پاس عقلی و نقلی دلایل موجود ہیں۔

ایک عقلی دلیل ایک یہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام انسان اور بنی آدم ہیں کہ
ایک [illegible] ہے۔ وہ جو آدمی ہے وہ خطا کرتا ہے۔ اس دلیل سے جو شکل اول بدیہی
الانتاج کی صورت میں ہے یقینی نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت مسیح خطا کرتے تھے
حضرات انبیا علیہم السلام سے ہم صرف صدور خطا و نسیان ہی کے قایل ہیں۔
اور ان ہی خطاؤں کو اُن کے رتبہ و درجہ کی نظر سے گناہ کہا گیا ہے۔ اس سے
زیادہ کبیرہ گناہوں کے کسی اور نبی سے صدور کے ہم قایل نہیں حضرت مسیح میں انکا
اثبات کر سکتے ہیں۔

اس دلیل کا پہلا مقدمہ (صغری) مسلم کل ہے یونی ٹیرین (توحیدی
عیسائی) تو حضرت مسیح کو صرف انسان اور آدمی مانتے ہی ہیں۔ اور فرقے پروٹسٹنٹ
رومن کیتھلک وغیرہ جو اونکو خدا کہتے ہیں وہ بھی خدا ہونے کے ساتھ اون کی انسانیت
کے بھی قایل ہیں۔ اور انکو ابن آدم بھی کہتے ہیں۔

دوسرے مقدمہ (کبرے) کے ثبوت پر یہ دلیل قایم ہے۔ کہ حضرت آدم ؑ
سے خطا و نسیان ہونا جو ان کی انسانیت کے لوازم طبعی سے تھا۔ جیسے سونا اور کھانا
پینا مسلم کل ہے۔ اور طبعی و عقلی دلایل سے ثابت و محقق ہو چکا ہے کہ باپ کے
طبعی و نیچرل صفات اولاد کی طرف منتقل و متعدی ہوتی ہیں۔ اور ہم رات دن
کے مشاہدات سے تجربہ کر رہے ہیں۔ کہ ہر ایک انسان سے ضرور کبھی کبھی خطا ہوتی
ہے۔ اسی نظر سے سید العقلا و خاتم الانبیاء نے فرمایا ہے خطاء آدم فخطات
ذریتہ (دیکھو صفحہ ۹۴) ایسا ہی انجیل سے ثابت ہے کہ تمام انسان خطا کار ہیں چنانچہ صفحہ (۲۳۱) میں بیان ہو گا

دوسری عقلی دوسری دلیل یہ کہ حضرت مسیح ایک انسان ہونے کی وجہ سے
علم محدود و عقل ناقص رکھتے ہیں۔ اور جو شخص علم محدود اور عقل ناقص رکھے اس سے کبھی

نہ کبھی وقوع خطا ایک لازمی امر ہے۔ اس دلیل سے بھی پہلی دلیل کی طرح یقینی نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ حضرت مسیح سے خطا کا وقوع ایک لازمی امر تھا۔

اس دلیل کا بھی پہلا مقدمہ تو ہمارے مخاطب مسٹر اکبر مسیح وغیرہ توحیدی عیسائیوں کے نزدیک مسلم ہے۔

مسٹر اکبر مسیح نے رسالہ تنقیح الوہیت کے صفحہ ۹۱ میں لکھا ہے "کلام مقدس انسان کو نہایت وضاحت سے کم عقل و ناقص العلم بتلاتا ہے" اور اسی اصول سے ان الفاظ "الفا و اومیگا و اول و آخر" کو جو مسیح کے حق میں بولے گئے ہیں محدود معنے میں مراد ہونا ثابت کیا ہے۔ دوسرے عیسائی بھی اگر انصاف کرینگے۔ اور مسیح کے ان حالات واقعات کو جنسے اون کی لاعلمی ظاہر ہوتی ہے۔ جیسے قیامت کی گھڑی سے بے خبر ہونا (مرقس $\frac{13}{32}$) یا حواریوں کے انتخاب کے وقت یہودا کے مرتد ہو جانے سے بے خبر ہونا۔ (لوقا $\frac{6}{13-16}$) وغیرہ وغیرہ جس کی تفصیل اشاعۃ السنہ نمبر ۱ جلد ۱۶ صفحہ ۵۴۴ میں ہو چکی ہے چشم بینا سے پڑھیں گے تو اون کو بھی یہ مقدمہ تسلیم کرنا پڑے گا۔

دوسرا مقدمہ عقلاء جہان کے تجربہ و مشاہدہ میں آچکا ہے۔ اور کل کا اسپر اتفاق ہے۔ کہ جو شخص علم محدود اور عقل ناقص رکھتا ہو اوس سے ضرور کبھی نہ کبھی خطا سرزد ہوتی ہے۔ دانشمندان اہل اسلام تو یہانتک قایل ہیں کہ اس سے فرشتے بھی نہیں بچ سکے جس بات کا اون کو علم نہ دیا گیا تھا انہیں اونہوں نے قیاس سے کام لیا تو دہوکہ کھایا۔ جسکا بیان صفحہ (۵۵) میں ہو چکا ہے۔ ابن آدم یا انسان فرشتوں سے بڑھ کر کیونکر ایسا ہو سکتا ہے۔ کہ اپنے علم محدود اور عقل ناقص سے نتائج نکالنے میں دہوکہ نہ کھاوے۔ اسی وجہ سے کہ انسانی علم محدود اور عقل ناقص ہے۔ جہان کے عقلاء نے اس عقل ناقص کے فیصلہ کو جانچنے و پرکھنے کو میزان و پیمانہ عقلی قواعد

(منطق) وغیرہ مقرر کئے ہیں۔ اور پھر بھی اون میں باہمی اختلاف اور لڑائی چلی جاتی ہے۔ کیونکہ ان قواعد اور میزان کے استعمال میں پھر اون سے غلطی ہو جاتی ہے۔ ان اختلافات کی تمثیلات پرانے حکیموں کے خیالات و مقالات سے دیکھنی چاہو تو۔ اشاعۃ السنہ نمبر ۳ جلد ۲ ملاحظہ کرو۔ اور خاص کر دانشمندان اہل مذاہب نے مذہب و الہام وحی الٰہی کی ضرورت تسلیم کی ہے۔ اور یہ بات ٹھہرا رکھی ہے۔ کہ انسان اپنے عقلی نتائج میں غلطی کرتا ہے تو اون کی اصلاح کے لئے وحی الٰہی و الہام کی ضرورت ہے۔ جسمیں غلطی کا دخل و امکان نہیں "وماکان ربک نسیا"۔ انسانی عقل و علم غلطی سے محفوظ ہوتی تو مذہب اور الہام کی ضرورت کو تسلیم کیا جاتا۔

نقلی دلیل ایک یہ کہ خدا تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ کہ جن لوگوں کو مشرکین پکارتے (پوجتے) ہیں اون میں بہت قرب والے

اولئک الذین یدعون یبتغون الی ربھم الوسیلۃ ایھم اقرب ویرجون رحمتہ ویخافون عذابہ ان عذاب ربک کان محذورا (بنی اسرائیل۔ ع ۶)	خدا کی طرف (طاعت کا) وسیلہ تلاش کرتے ہیں۔ اور خدا کی رحمت کی امید رکھتے ہیں۔ اور اوسکے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ تیرے رب کا عذاب ڈرنے کے لائق ہے۔

اس آیت کے عموم میں حضرت مسیح بھی داخل ہیں۔ کیونکہ اون کو ہزاروں رومن کیتھلک وغیرہ پوجتے اور پکارتے ہیں۔ اور یہ امر محل اختلاف و نزاع نہیں ہے کہ اوسکے ثبوت کے لئے ہم قرآن کی آیات نقل کریں۔ اور اس میں بھی شک و اختلاف نہیں کہ حضرت مسیح خدا کے مقربین میں داخل و شامل ہیں۔ لہذا آپ کا خدا کے عذاب سے ڈرنا اس آیت کی شہادت سے ایک لازمی امر ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ عذاب سے ڈرنا اپنے گناہوں کے یا خطاؤں کے خیال سے ہوتا ہے۔

"آن راکہ حساب پاک است از محاسبہ (مواخذہ) چہ باک"۔ بناءً علیہ یہ آئت صریح وصاف دلیل ہے کہ حضرت عیسیٰ سے بھی خطا صادر ہوئی اور وہ ان خطاؤں کی نظر سے خدا کے عذاب سے ڈرتے تھے۔

دوسری نقلی دلیل یہ قول خداوندی ہے کہ آدمی بنایا گیا ہے گھبرانے والا برائی پہنچے تو بے صبرا۔ بھلائی ہاتھ لگے تو کنجوس۔ بجز ان نمازیوں کے جو اپنی نماز پر ہمیشہ قائم ہیں اور بجز اون لوگوں کے جنکے مالوں میں سوالی اور نہ مانگنے والے کا حصہ مقرر ہے۔ اور بجز اون لوگوں کے جو قیامت کو مانتے ہیں۔ اور بجز اُن لوگوں کے جو خدا کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ کیونکہ اون کے رب کا عذاب اس لائق ہے کہ اس سے بے فکر نہ رہیں۔

ان الانسان خلق هلوعًا اذا مسه الشر جزوعًا۔ واذا مسه الخير منوعًا۔ الا المصلين الذين هم على صلوتهم دائمون۔ والذين في اموالهم حق معلوم للسائل والمحروم۔ والذين يصدقون بيوم الدين والذين هم من عذاب ربهم مشفقون۔ ان عذاب ربهم غير مامون (معارج ع ۱۰)

اس آیت کے لفظ الانسان کے عموم میں حضرت مسیح بھی داخل ہیں۔ پھر وہ یقیناً ان مستثنٰی لوگوں (دائمی نمازیوں خیرات کرنے والوں قیامت کو ماننے والوں خدا کے عذاب سے ڈرنے والوں) میں داخل ہیں۔ کوئی اہل ایمان نہیں کہہ سکتا کہ وہ ان چاروں صفات سے ممتاز ہوکر گھبرانے والے انسانوں سے مستثنٰی نہیں ہیں۔ اور خدا کے عذاب سے ڈرنا اسی صورت سے ہو سکتا ہے۔ کہ انسان سے کچھ خطا ہو اور وہ اپنے خطا کا معترف ہو آنراکہ حساب پاک است از محاسبہ (مواخذہ) چہ باک۔

تیسری نقلی دلیل خدا تعالےٰ کا یہ قول ہے کہ اگر خدا تعالےٰ لوگوں پر

ولو یؤاخذ اللہ الناس بظلمھم ما ترک علیھا من دابۃ ولکن یؤخرھم الی اجل مسمّی (النحل پ ۱۴ ر ۸)

اور اگر خدا لوگوں کو اون کے ظلم کے سبب مواخذہ کرنا چاہے تو زمین پر کسی ایک چلنے والے کو نہ چھوڑے ولیکن اون کو ایک وقت مقرر تک مہلت دیتا ہے۔

اس عموم لفظ الناس میں بھی حضرت مسیح علیہ السلام بھی داخل و شامل ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ خدا تعالے کی عبادت و اطاعت کا پورا پورا حق جیسا کہ چاہئے کسی بشر سے ادا نہیں ہوا۔ اور نہ طاقت بشری سے وہ ادا ہو سکتا ہے۔ اس نظر سے تمام لوگوں کی اس تقصیر کو خدا تعالے کا ظلم کہنا ظلم نہیں عین انصاف ہے۔ اس دلیل کی مزید تشریح دلیل ششم میں سوال نہ ہوگی انشاء اللہ۔

چوتھی نقلی دلیل یہ ہے۔ کہ حضرت کا ارشاد ہے۔ کہ آدم کے بیٹوں

کل بنی ادم خطاء وخیر الخطائین التوابون (مشکوٰۃ صفحہ ۲۰۶)

میں سے جو ہے وہ خطاکار ہے۔ اور بہتر خطاکار وہ ہیں جو توبہ کرنیوالے ہیں۔

اس عموم میں بھی حضرت مسیح داخل ہیں۔ لہذا اس حدیث کی صریح شہادت ہے۔ کہ وہ خطاء کرتے تھے۔ اور چونکہ ہمارے یقین و ایمان کے رو سے وہ نیکوکار اور بہترین لوگوں میں سے تھے۔ لہذا وہ توبہ و استغفار بھی ضرور کرتے ہوں گے۔ اور اون کی خطائیں معاف ہوتی رہتی ہیں۔ (لو عیسائی اون کی معافی میں خوش نہیں اور گناہوں کے بوجھ میں اون کے دبے رہنے میں راضی ہیں)

پانچویں نقلی دلیل آنحضرت کا یہ قول ہے۔ کہ اے خدا تو اگر بخشش کرنا

عن ابن عباس الذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش الا اللمم قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم

چاہتا ہے تو بڑے گناہ بخشدے۔ تیرا ایسا بندہ کونسا ہے جس نے چھوٹے گناہ نہ کئے ہوں۔ اور تو اون کو نہ بخشتا ہو۔

ان تغفر اللهم تغفر جمًا وأي
عبد لك لا ألمّا (جامع ترمذی)
(۲)

(یعنے چھوٹے گناہوں کی بخشش سے
تو کوئی بندہ بھی محروم نہیں رہ سکتا پس
خاص عنایت تو یہ ہے کہ بڑے
گناہوں کی بھی بخشش ہو جائے)

یہ قول آنحضرت کا ایک شعر امیہ بن الصلت پرانے موحد شاعر کا مضمون ہے آنحضرت نے اسکو پسند کیا اور اپنی دعا میں اس کو پڑھ دیا۔ آنحضرت کا بڑے گناہوں کی بخشش چاہنا اسی اصول پر مبنی ہے جو اوپر بیان ہوا۔ کہ بڑے لوگ اپنے چھوٹے گناہوں کو بھی بڑا سمجھتے ہیں۔ حسنات الابرار سیئات المقربین اس عموم قول نبوی میں بھی حضرت مسیح داخل ہیں۔ کیونکہ وہ بھی ایک بندہ خدا تھے اور بندوں میں داخل شامل۔ شائد حضرات عیسائی کہیں۔ کہ ان دلائل میں عموم سے استدلال کیا گیا۔ اور اس عموم سے حضرت مسیح کا گنہگار ہونا ثابت کیا ہے۔ حضرت مسیح کے خاص نام کے متضمن کوئی دلیل پیش نہیں کی گئی۔ لہذا ان کے اس عذر کو اٹھانے اور ان کی خاطرداری اور خوش کرنے کیلئے ہم چند دلائل ایسی لاتے ہیں جس میں گناہگاروں یا خطاکاروں کی فہرست میں حضرت مسیح کا نام بھی داخل و درج ہے۔ دیکھئے اسپر عیسائی ہم کو کیا انعام دیتے ہیں

پہلی نقلی دلیل آنحضرت کا یہ قول ہے کہ اگر خدا تعالیٰ مجھکو اور مسیح کو ہمارے گناہوں کے سبب پکڑنا چاہے۔ تو ہم کو عذاب کرے اور اسمیں وہ ظالم نہ ہو۔

لو یؤاخذنی الله وعیسیٰ بن مریم بذنوبنا
لعذبنا ولا یظلمنا شیئا - واشار
بالسبابة والتی تلیها - وفی روایة

لیجئے یہ صاف نام مسیح پر تصریح ہے۔ کہ
اگر خدا گناہوں کے سبب مسیح کو پکڑنے
لگے تو اسمیں بھی وہ ظالم نہ ہو۔

لم یواخذنی الله وابن مریم بما جنت هاتان۔ یعنی الابهام والتی تلیها لعذبنا ولم یظلم شیئًا رواه ابن حبان فی صحیحه (ترغیب و ترہیب منذری)

یہ حضرت مسیح کے مرتکب خطا ہونے پر قرآن و حدیث کے دلایل ہیں۔ انجیلی دلائل جنسے مسیح کی خطائیں ثابت ہوتی ہیں۔ اس کثرت سے ہیں کہ ہم اس مضمون میں اون کو پورا نہیں کر سکتے۔

ازانجملہ بعض خطاؤں کی تمثیلات کو قرآنی بحث کو ختم کر کے انجیلی بحث پیش کرینگے انشاء اللہ تعالےٰ۔

ان دلائل مستند قرانیہ وحدیثیہ امر اوّل جسکا ذکر صفحہ ۱۸۵ میں ہوا تھا۔ کہ حضرت مسیح سے خطا یا گناہ سرزد ہوئے ثابت ہوا۔ اور امر دوم کہ حضرت مسیح نے اپنے خطاؤں سے توبہ واستغفار نہیں کیا خود عیسائیوں کا مسلمہ ہے۔ چنانچہ بصفحہ ۱۶۱ رسالہ منقول ہوا۔ ان دونوں امروں کے ثابت ہونے سے ہمارا یہ دعوےٰ ثابت ہوگیا کہ انکار راز شفاعت کے وقت حضرت مسیح سے کسی گناہ کا مذکور نہ ہونا۔ اور مسیح کا صرف اجمالی طور پر اس لفظ سے کہ میں شفاعت کے لائق نہیں ہوں۔ گناہوں کا اقرار واعتراف کرنا اسیوجہ سے ہوا تھا کہ اون کے گناہ یا خطا بست تھے جو استغفار نہ کرنے کے سبب جمع ہوگئے تھے۔ (جیسا کہ عیسائیوں کے اصول مذکور کا لازمہ ہے۔) یا حضرت مسیح فروتنی سے ان کو بہت سمجھتے تھے (جیسا کہ مسلمانوں کا اعتقاد ہے) اس عدم ذکر گناہ کیوجہ وہ نہیں ہے جو مسٹر اکبر مسیح نے بیان کی ہے۔ کہ اون سے کوئی خطا یا گناہ سرزد ہی نہیں ہوا۔ لہذا یہ دلیل چہارم مسٹر اکبر مسیح میں ویسی ہی ناتمام اور اون کے دعوے کے اثبات سے قاصر ہے جیسے کہ تین دلائل اوّل ناکام ہیں۔ اس بیان با برہان سے آفتاب نیمروز کی طرح عیاں ہوا۔ کہ مسٹر اکبر مسیح نے اپنے دعوےٰ کی جزو اوّل پر

جو دلائل اربعہ قائم کئے تھے۔ ان میں ایک دلیل بھی اون کے دعوے کی دلیل نہیں ہو سکتی
اور حضرت مسیح کو عصمت میں دوسرے انبیاء پر کوئی ترجیح و فوقیت نہیں ہے۔ عمداً
گناہ کرنے سے سبھی انبیاء پاک و معصوم ہیں۔ و خطا و سہو و نسیان سے حضرت مسیح
بھی پاک نہ تھے۔

اب ہم دعوے مسٹر اکبر مسیح کا معارضہ کرتے ہیں۔ اور اپنے اس دعوے مذکورہ
صفحہ (۳) پر کہ اگر ترجیح کیطرف رجوع کیا جاوے تو آنحضرت کی حضرت مسیح پر ترجیح
ثابت ہوتی ہے۔ دلائل قائم کرتے ہیں۔

پس واضح ہو کہ حسب بیان و تصریح مسٹر اکبر مسیح
جو اون کے خط ۲۰ جنوری ۱۸۹۶ء میں موجود ہے[1]۔

---

[1] مسٹر اکبر مسیح نے وہ دلائل اربعہ جنکے جوابات ہم صفحہ ۱۰ سے صفحہ ۹۲ تک ادا کر چکے ہیں خط ۱۰ جنوری ۱۸۹۶ء میں تحریر کر کے ارسال کئے تھے ہم نے اپنے خط نمبری ۳۲ مورخہ ۱۵ جنوری ۱۸۹۶ء مندرجہ کشف نمبر ۲ جلد ۲ صفحہ ۱۰ میں اون کو لکھا تھا کہ آپ نے جو آیات و احادیث و اقوال اہل سنت نقل کئے ہیں وہ میرے عقیدہ کے مخالف اور آپکے دعوے کے موافق و مثبت نہیں۔ پس مناسب ہے کہ آپ اپنی کل تحریر کو دوبارہ ملاحظہ کر لیں دیکھئے واپس لیں۔ اور اپنے دعوے کے ثبوت میں کوئی آیت یا حدیث یا انجیل کی کوئی دلیل پیش کریں۔ اگر نہ ہو سکے تو مجھے اجازت دیں۔ میں انجیل سے ثابت کروں کہ حضرت مسیح علی نبینا و علیہ السلام ان معنے کر جو آپ نے تجویز کر رکھے ہیں معصوم نہ تھے۔ اور وہ بارہا مرتکب خطا ہوئے۔

اسکے جواب میں آپ نے خط ۲۰ جنوری ۱۸۹۶ء مندرجہ کشف نمبر ۲ جلد ۲ صفحہ ۱۰ میں لکھا اسکے ساتھ آپ یہ فرماتے ہیں کہ مجھے اجازت دیں کہ میں انجیل سے ثابت کروں کہ حضرت مسیح ان معنے کر جو آپ نے تجویز کر رکھے ہیں معصوم نہ تھے۔ اور وہ بارہا مرتکب

مسیح جنکی عصمت سے بحث ہے دو ہیں ایک قرآنی مسیح دوسرا انجیلی مسیح ان دونوں کے مصداق و مفہوم سے جو مراد مسٹر اکبر مسیح کی ہے اوسکو وہ جانیں - ہم کو اس سے غرض نہیں - ہماری مراد جو ان الفاظ کے مفاہیم سے ہے - اوس کو ہم بیان کرتے ہیں -

خطا ہوئے - جناب مولوی صاحب ! ابھی انجیل سے بحث نہیں - آپ کو چاہیئے کہ اگر یہ دعوئے حق ہے - تو آپ اسکو قرآن سے ثابت کریں کہ مسیح بارہا یا صرف ایک ہی بار مرتکب خطا ہوئے - کیونکہ آپ خوب سمجھے کہ میرا دعوئے یہ ہے - بموجب قرآن مسیح بالکل معصوم ہیں - ان سے کبھی کوئی خطا نہیں - اور اوس کو میں ثابت کر چکا ہوں اور جب وقت آوے گا یہ بھی ثابت کرونگا - کہ بربنا انجیل بھی مسیح اس معنے میں معصوم ہیں - اور جو آپ نے شکوک ہونگے اون کو رفع کردینا میرا ذمہ ہے - پھر لو فرضًا اگر آپ یہ ثابت کردیں کہ انجیلی مسیح سے خطا ہوئے تو یہ ماننا پڑے گا - کہ قرآنی مسیح انجیلی مسیح سے افضل ہے - اور اس حالت میں بھی آپ قرآنی مسیح کی فضیلت تسلیم کرینگے اور ہمارا مقصود یہی ہے ۔"

(نقل از … صفحہ (۱۹/۳))

مسٹر اکبر مسیح کے اس قول کا جواب بھی ہمارے بیان سابق اور لاحق سے مسٹر اکبر مسیح اور دیگر ناظرین کو خیال میں آجائے گا - اور معلوم ہوگا کہ جس مسیح کی فضیلت کے مدعی مسٹر اکبر مسیح ہیں اس کی فضیلت نہ قرآن سے ثابت ہوتی ہے نہ انجیل سے - اور جس قرآنی مسیح کی فضیلت قرآن تسلیم کرتا ہے وہ محل بحث و نزاع نہیں ہے - نہ ہم کو اس کی فضیلت کے ثبوت سے انکار و نقصان ہے - اور نہ مسٹر اکبر مسیح کو اوس کی فضیلت کے ثبوت کا دعوئے اور نہ اس سے کچھ فائدہ - وہ مسیح تو ہم مسلمانوں کا مسیح ہے اسکی فضیلت ثابت ہونے سے ہمارا ہی فایدہ ہے وہ عیسائیوں کا مسیح نہیں ہے کہ اسکی فضیلت ثابت ہونے سے اونکا فایدہ ہو -

قرآنی مسیح ہم اس مسیح کو سمجھتے ہیں جس کے محامد و کمالات قرآن کریم نے بیان کئے ہیں۔ اور اون پر منزل انجیل شریف کے حق میں "ھدی و نور" فرمایا ہے۔

انجیلی مسیح ہم اس مسیح کو سمجھتے ہیں جس کے اقوال و حالات و تعلیمات موجودہ اناجیل اشخاص اربعہ (متی۔ مرقس۔ لوقا۔ یوحنا) میں منقول ہیں۔ اور ان کو ان اناجیل اور اوس کے حواشی نے مصلوب و ملعون قرار دیا ہے۔

قرآنی مسیح کو ہم اہل اسلام مقدس نبی او منجملہ اولوالعزم رسل ایک عالی درجہ کا رسول جانتے ہیں اور اون پر یا اون کی مانند اور اولوالعزم رسولوں پر خاتم المرسلین کو ایسے طور پر ترجیح دینا جس سے اون کی توہین و تنقیص شان لازم آوے۔ جائز نہیں سمجھتے۔ کیونکہ خاتم المرسلین نے خود اپنی زبان درافشان سے یہ حکم دیا ہوا ہے۔ کہ انبیاء میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت میں ترجیح نہ دو۔ اور نیز آپ نے فرمایا

> قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تفضلوا بین الانبیاء۔ وقال لا ینبغی لاحد ان یقول انا خیر من یونس بن متی (صحیح بخاری ص۴۸۵) معناہ لا تفضلوا بعضا بحیث یلزم منہ نقص المفضول (حاشیہ صحیح بخاری)

کسی کو لائق نہیں ہے کہ یہ کہدے کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں۔ جس کے معنے کرمانی وغیرہ محدثین نے بھی بیان کئے ہیں کہ ایسے طور پر ایک کی فضیلت بیان نہ کر جس سے دوسرے کی منقصت شان لازم آوے۔ اس قرآنی مسیح پر ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عصمت میں ترجیح صرف اس قدر (جس سے حضرت مسیح کی منقصت و توہین شان لازم نہیں آتی) بیان کر سکتے ہیں۔ اور اس سے زیادہ کی اجازت نہیں پاتے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عصمت و حفاظت کا خدا تعالیٰ نے

نے جسقدر اہتمام کیا ہے۔ اور اوسکا ذکر اپنی مقدس کتاب قرآن کریم میں فرمایا ہے اور اسکے اثر و نتیجہ سے ہمکو آگاہ کر دیا ہے۔ اسقدر اہتمام عصمت و حفاظت حضرت مسیح کا نہیں کیا۔ اور نہ قرآن میں اسکا ذکر فرمایا۔ اور نہ اوس کے اثر سے ہم کو آگاہ کیا ہے۔ اس اہتمام اور اسکے نتیجہ و اثر کا ذکر ان آیات میں پایا جاتا ہے۔ جن کو منکرین عصمت آنحضرت دلیل عدم عصمت سمجھتے ہیں۔ اور ہم نے ان آیات کے جوابات و تشریحات میں یہ ثابت کر دیا ہے۔ کہ وہ آیات آنحضرت کی عصمت کے دلائل ہیں نہ نفی عصمت کے۔

مثلاً آنحضرت نے بعض اشخاص کو لڑائی سے ہٹ رہنے کی بے موقعہ اجازت دی تو اوسپر آپ کو فوراً اطلاع ہوئی۔ تاکہ آئندہ ایسا نہ ہو۔ (صفحہ ۱۲۳) دیکھو)۔ ایک نابینا کے بے موقعہ سوال پر آپ نے منہ پھیر لیا۔ تو اوس سے جھٹ روکا گیا۔ (صفحہ ۱۵ وغیرہ دیکھو)۔ فقراء صحابہ کو اغنیاء کفار کے وقت میں آنے سے روکنا چاہا۔ تو حکم نازل ہوا۔ کہ ایسا نہ کرنا چاہیئے۔ (صفحہ ۱۲ وغیرہ دیکھو)، قوم ثقیف کی بے جا درخواست کو منظور کرنے سے پہلے ہی آپ کو اس سے روکا گیا۔ (صفحہ (۱۳۱) دیکھو)۔ ابیرق[۵] کی

---

[۵] اسکا ذکر آگے رسالہ میں نہیں ہوا۔ اسکا مختصر حال یہ ہے۔ کہ ابیرق کی بیٹی طعمہ یا بشیر نے ایک شخص کی زرہ چرائی۔ پھر ایک یہودی کے ذمہ لگا دی۔ اوس کے لوگوں نے چاہا کہ ہم اسکی برأت و صفائی کی شہادت دیکر آنحضرت کو اسکا حامی بنائیں۔ آنحضرت نے اون کی شہادت پر حمایت کا ارادہ کیا تو فوراً اس آیت کا نزول ہوا۔ انا انزلنا الیک الکتٰب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ ولا تکن للخائنین خصیما (نساء۔ ع ۱۶) یعنی ہم نے تیری طرف کتاب حق کے ساتھ اسلیئے اوتاری ہے کہ تو خدا کی نمائش سے لوگوں میں حکم کرے۔ پس تو خیانت والوں کا حامی نہ بن جایو۔ یہ قصہ عامہ تفاسیر میں ہے اور کتب حدیث سے جامع ترمذی میں بصفحہ (۴۹۳) ہے مفسرین نے نام چور کا طعمہ بتایا ہے۔ ترمذی سے نے بشیر +

بعض ولاد کی بے جا حمایت کرانا۔ اوس کی قوم نے آپ سے چاہا۔ تو علے الفور اُس سے روک دیا گیا۔ اسی طرح ہمیشہ آپ کی حفاظت و عصمت ہوتی رہی۔ اور کسی غلطی یا خطاء پر آپ کو قیام نہیں ہوا۔ اور نہ کسی نے اس میں آپ کا اقتداء کیا۔ یہانتک کہ آپ کا دین آپ کا عمل آپ کی ہدایت آپ کا طریق غلطی و خطا سے پاک اور خالص مخلص ہو گیا۔

اور یہ بات ظاہر ہے۔ اور بضمن تمہید معنے عصمت بیان ہو چکی ہے۔ کہ بُری چیز کی بُرائی پر آگاہ کرنا۔ اور اچھی چیز کی اچھائی بتاتے رہنا عصمت کے قوی ذرائع اور عمدہ وسایل و اسباب سے ہے۔

اس دائمی تادیب و حفاظت و صیانت و ہدایت کے ساتھ آپ کو ہر وقت توبہ و استغفار کی خدا کی طرف سے ہدایت ہوتی رہتی۔ و دن رات آپ کی اس میں گذرتی جس سے ہر ایک لغزش و خطاء سے آپ کی اور بھی صفائی و پاکی عمل میں آئی جس کا اثر و نتیجہ وہ ظاہر ہوا۔ جو آیات منقولہ ذیل میں بیان ہوا ہے۔

(۱) انک لعلی ھدی مستقیم (الحج ع ۹)

(۱) بلا ریب تو سیدہ راہ پر ہے (یعنے جس حکم و ہدایت پر ہم نے تجھے قایم کر دیا ہے۔ روکا ٹوکا نہیں۔ وہ سیدھی راہ ہے اس میں ذرہ بھر بھی خطا نہیں۔

(۲) انک لتھدی الی صراط مستقیم

(۲) بے شک تو سیدہ راہ کیطرف لوگونکو ہدایت کرتا ہے۔

(۳) انک لتدعوھم الی صراط مستقیم (المومنون ع ۴)

(۳) اس میں شک نہیں کہ تو سیدہ راہ کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے۔

(۴) انک علی الحق المبین (النمل ع ۶)

(۴) یقیناً تو ایسے حق پر ہے جسکا حق ہونا ظاہر ہے۔ یعنے اسمیں خطاء کا اشتباہ نہیں۔

(۵) وانزل الله علیک الکتب والحکمۃ وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل الله علیک عظیما۔ (النساء ع ۱۰)	(۵) خدا نے تجھ پر کتاب اوتاری اور تجھے حکمت (دین کی دانشمندی) علا کی اور وہ کچھ سکھایا جب کا تجھے علم نہ تھا۔ اور تجھ پر خدا کا بڑا ہی فضل ہے۔
(۶) من یطع الرسول فقد اطاع الله (نساء ع ۱۱)	(۶) جس نے رسول کا کہا مانا۔ خدا کا مانا۔ (یعنے اس لئے کہ وہ خدا ہی کا

کہا کہتا ہے۔

(۷) واطیعوا الله واطیعوا الرسول وان تطیعوہ تھتدوا۔ (نور ع ۷)	(۷) خدا کا۔ اور رسول کا کہا مانو (یعنے وہ ایک کہتا ہے) اگر منہ پھیرو گے تو

رسول کے ذمہ ہے جو اس پر رکھا گیا۔ اور تمہارے ذمہ ہے جو تم پر رکھا گیا۔ رسول کا کہا مانو گے تو راہ پاؤ گے (یعنے اس لئے کہ اوس میں خطا نہیں)

(۸) بل جاء بالحق وصدق المرسلین (والصافات ع ۲)	(۸) وہ رسول ایسے احکام لایا ہے جو حق ہیں۔ اور وہ پہلے رسولوں کی (ضروری

احکام میں) تصدیق کرتا ہے۔

(۹) وما اتاکم الرسول فخذوہ (الحشر ع ۱)	(۹) رسول جو تم کو (حکم یا اور جو کچھ) دے۔ اوس کو قبول کرو۔ (یعنے اسلئے

کہ وہ خدا کی طرف سے ہے۔)

(۱۰) ما ضل صاحبکم وما غوی وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی علمہ شدید القوی (نجم ع ۱)	(۱۰) تمہارا صاحب (رسول) بہکا نہیں اور نہ بے راہ چلا۔ اور وہ اپنی خواہش سے (احکام دین میں کچھ) نہیں بولتا۔ (جو وہ

کہتا ہے) وہ ہمارا حکم ہے۔ جو اوسکو پہنچتا ہے۔ جس کو اُسے مضبوط قوتوں والے۔

(خدا) نے سکھایا ہے۔ (یعنے اسمیں خطا کا دخل نہیں)

(۱۱) وما تنزلت به الشیاطین (الشعراء ع ۱۱)	(۱۱) اس قرآن کو شیاطین نے نہیں اتارا (یعنے اسمیں انکا دخل نہیں)
(۱۲) ان ولیی الله الذی نزل الکتب وهو یتولی الصالحین (اعراف ع ۲۴)	(۱۲) (تو کہدے) میرا حمایتی و مربی و ہادی وہ اللہ ہے جس نے اس کتاب

کو اتارا۔ اور وہی سب نیک بندوں کا متولی ہے۔

(۱۳) النبی اولی بالمؤمنین من انفسهم (احزاب ع ۱)	(۱۳) نبی مسلمانوں کی اپنی جانوں سے اون پر حکم کرنے کا زیادہ حق رکھتا ہے

(کیونکہ اوس کے حکم میں خطا کی آمیزش نہیں۔ اور وہ اون کی جان سے بڑھ کر خیرخواہ ہے۔

(۱۴) هو الذی ارسل رسوله بالهدی ودین الحق لیظهره علی الدین کله ولو کره الکافرون (توبہ ع ۵)	(۱۴) وہی ہے جسنے رسول کو ہدایت دین اور حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ تاکہ اوسکو۔ اور سب دینوں پر غالب کرے

(چاہے کافر اس سے ناخوش ہوں۔

(۱۵) یا اهل الکتب قد جاءکم رسولنا یبین لکم کثیرا مما کنتم تخفون من الکتب ویعفوا عن کثیر قد جاءکم من الله نور وکتاب مبین (مائدہ ع ۳)	(۱۵) کتاب والو! تمہارے پاس ہمارا رسول پہنچا جو تم کو تمہارے بہت چھپائے ہوئے احکام) بتاتا ہے اور بہتیری باتوں سے درگذر کرتا ہے۔ بیشک تمہارے پاس نور (یعنی رسول)

پہنچا۔ اور کتاب بیان کرنے والی (قرآن)

(۱۶) انا نحن نزلنا الذکر وانا له	(۱۶) اس ذکر (قرآن) کو ہم نے ہی

لحافظون (حجر - ع - ۱)

اُتارا اور ہم ہی اوس کے نگہبان ہیں (اس کہ اوس میں ایک حرف یا نقطہ کا تغیر ہو)

(۱۷) ھو الذی ینزل علی عبدہٖ آیات بینت لیخرجکم من الظلمات الی النور (حدید - ع -)

(۱۷) وہی ہے جس نے اپنے بندہ پر کھلی (روشن) آیتیں اتاری ہیں تاکہ وہ تمکو اندھیروں سے اُجالے کیطرف نکالے۔

(۱۸) یا ایھا النبی انا ارسلناک شاھدا مبشرا ونذیرا داعیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا۔ (احزاب - ع - ۲ -)

(۱۸) اے نبی ہم نے تجھے (دوسرے نبیوں کے لئے گواہ) اور ایمان والوں کے لئے خوشخبری سُنانے والا اور (منکروں کو عذاب سے) ڈرانے والا اور خدا کے حکم سے اس کی طرف (لوگوں کو) بلانے والا - اور ایک روشنی دینے والا چراغ بنا کر بھیجا ہے۔

(۱۹) انا فتحنا لک فتحا مبینا لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر ویتم نعمتہ علیک ویھدیک صراطا مستقیما (فتح ع)

(۱۹) ہم نے اس لئے تجھے فتح نصیب کی ہے۔ کہ تیرے اگلے پچھلے خطا سب معاف ہوں (اور تو اون سے پاک ہو) اور تجھ پر نعمت ربانی پوری ہو۔ اور تجھے سیدھی راہ پر (جسمیں ذرہ بھر خطا و کجی نہ ہو) وہ چلادے۔

(۲۰) عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا۔ (بنی اسرائیل - ع - ۹ -)

(۲۰) (تو امید رکھ کہ تجھے تیرا رب ایک ایسے مقام میں کھڑا کرے گا جس میں (سب لوگ) تیرے شکر گزار ہیں) تعریف کرینگے (یعنے مقام شفاعت جو اس عصمت کا آخری پھل و نتیجہ ہے)

اس مضمون کی آیات قرآن میں صدہا ہیں مگر اختصار کی نظر سے

ان آیات ذکر پر اکتفا کیا گیا - یہ آیات نص قاطع ہیں - کہ آنحضرت سراپا عصمت و نور و ہدایت و حق استقامت تھے - خطا کا ان میں دخل و شائبہ نہ تھا - خداتعالے خود آپ کا متولی و حامی و محافظ رہا - اور اس حمایت حفاظت الٰہی میں دین کو کامل و مکمل بنا کر وہ خدا کی طرف گئے - اور جبتک دنیا قایم ہے انکا دین غالب اور اون کا قرآن محفوظ و خدا کی عصمت و حمایت و صیانت و حفاظت میں رہیگا جسکا یہ اثر اس وقت تک کس و ناکس موافق و مخالف نے دیکھ لیا - کہ اس قرآن کے لاکھوں حفاظ ہیں - ایک لفظ یا شوشہ میں کوئی غلطی یا اشتباہ ڈالنا چاہے - تو ڈال نہیں سکتا اس کے مقابلہ میں ہم حضرت مسیح کی عصمت اور اون کی انجیل کی حفاظت کے اہتمام کی طرف نظر کرتے ہیں - تو باوجود اس امر کے کہ قرآن میں حضرت مسیح کے حالات و صفات و مقالات مصرحاً و مشرحاً منقول و موجود ہیں - اس میں اہتمام حفاظت و عصمت مسیح کا کہیں ذکر و نام و نشان نہیں پاتے - اس سے ہمارا مقصود یہ نہیں کہ خداتعالے اون کی حفاظت و حمایت عصمت و صیانت میں اہتمام نہ کرتا تھا - بلکہ صرف یہ مقصود ہے کہ اون کے حق میں اہتمام کا قرآن میں ذکر نہیں - لہذا اس اہتمام کے ذکر سے آنحضرت کو حضرت مسیح پر ترجیح ہے ۔

ہاں یہہ بات ہم ضرور کہتے ہیں - اور اوسکے کہنے کی قرآن سے اجازت پاتے ہیں کہ خداتعالے نے اگلی کتاب انجیل کی اور اون کتابوں کی جو اون سے پہلے تہیں - اور اون کی دست آویز تہیں - حفاظت اپنے ذمہ نہیں لی - اور نہ اون کی حفاظت کی - بلکہ وہ حفاظت اون ہی لوگوں کے ذمہ پر ڈال دی - جو اس کتاب کے محافظ بنے ہوئے تھے - چنانچہ آیت منقولہ حاشیہ میں توریت کی حفاظت اون کے سپرد ہونے کا ذکر ہے - ایسا ہی کتاب استثناء کے باب ۴ -

انا انزلنا التوراة فيها هدى ونور يحكم بها النبيون الذين اسلموا

للذین ھادوا والربانیون والاحبار بما استحفظوا من کتاب اللہ (مائدہ - ع ۷)	آیت ۲ - و باب ۱۲ - آیت ۳۲ میں ذکر ہے - و مکاشفات باب ۱۲ - آیت ۱۸ ، وغیرہ میں انجیل کی حفاظت ان کے

سپرد ہونے کا ذکر ہے -

اور واقعہ اور نفس الامر بھی اس حفاظت الٰہی کے اٹھائے جانے پر شاہد ہے - ایک مدت سے روئے زمین پر اصلی و محفوظ انجیل منزل من جانب اللہ کا نام و نشان نہیں ہے جو انجیل موجود ہے وہ حضرت عیسیٰ کے بعد اَوروں کی تصنیف ہے - سو بھی اکثر تراجم ہیں جنہیں ہمیشہ بدلیاں ہوتی رہتی ہیں - اور ان میں تحریفیں واقع ہوتی ہیں جن کو انجیل والوں نے دبی زبان سے اور کاتب غلطی کے نام سے مان لیا ہوا ہے - بعض انجیلوں (متی کی انجیل) کی اصلیت صفحہ ہستی سے ایسی محو ہوئی ہے - کہ اوس کی اصلی زبان عبرانی کا کہیں پتہ نہیں - اوس کی موجودہ عبرانی یونانی کا ترجمہ ہے - اور مترجم کا پتہ نہیں کہ کون تھا -

اس اجمال کی تفصیل مولوی رحمت اللہ صاحب مرحوم کی کتابوں اعجاز عیسوی وغیرہ میں ہے - اور ہمارے اشاعۃ السنہ نمبر ۹ جلد ۱۱ صفحہ ۲۶۹ میں بھی کسی قدر اسکا ذکر ہے -

اس موقعہ پر عیسائی مسلمانوں کو یہ کہتے ہیں کہ اگر ہماری انجیل اصلی نہیں تو تم بتاؤ اصلی کہاں ہے -

یہ سوال اُن کا عجیب سوال ہے - اور وہ آداب مناظرہ سے ناواقف ہونے پر مبنی ہے - وہ یہ نہیں جانتے کہ بار ثبوت مدعی پر ہوتا ہے - نہ منکر پر - مدعی علوکن ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ انجیل وہی ہے جسکا مسیح پر نازل ہونا قرآن کی اس آیت میں

وقفینا علیٰ آثارھم بعیسی ابن	مذکور ہے - جسکا ترجمہ یہ ہے - کہ ان

مرﯾﻢ مصدقاﻟﻤﺎﺑﻴﻦ ﻳﺪﻳﻪ ﻣﻦ التوراة واتیناه الانجیل فیه ھدی ونور (مائدہ - ع ۷ - ۷)	نبیوں کے پیچھے ہم نے عیسٰے بن مریم کو بھیجا توراة کو جو اوس کے آگے تھی سچا کہنے والا اور ہم نے اوس کو

انجیل دی جسمیں ہدایت و نور ہے۔

مسلمان اس دعوے کے منکر ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ انجیل بعینہ وہ نہیں ہے جو مسیح پر اوتری تھی۔ بلکہ یہ متی وغیرہ کی تصنیف انجیل ہے۔ چنانچہ یہ انجیل خود ناطق وشاہد ہے۔ اس میں شاذ اصلی انجیل کا کوئی ورس ہو۔ اس انکار کے مقابلہ میں عیسائیوں کا یہ کہنا کہ یہ انجیل اصلی نہیں۔ تو اصلی انجیل تم نکال کر دکھاؤ۔ خلاف عقل و داب مناظرہ ہے۔

مسلمان اس انجیل کے محافظ و پیرو ہوتے۔ اور اس انجیل کو اپنا دستور العمل بنانے کے خدا کی طرف سے مامور ہوتے۔ تو اسوقت وہ اس سوال کا محل ہو سکتے۔

مسلمانوں کا توریت و انجیل کی پیروی کرنا قرآن ہی کے ذریعہ سے اور اوس کے ضمن میں ہے۔ لہذا مسلمانوں کی انجیل بھی قرآن ہے۔ اون کی توریت یہی قرآن ہے۔ اون کی زبور بھی قرآن ہے۔ وعلے ہذا القیاس مسلمانوں کے پیش دہ ونشان دادہ انجیل کو مان لینا ہو تو اسی قرآن کو انجیل مان لو۔

اگر انجیل کی عدم حفاظت اور بمقابلہ اسکے قرآن کی حفاظت پر کسی کے دلمیں یہ اعتراض پیدا ہو۔ کہ یہ سب کتابیں خدا کی طرف سے نازل ہوئی تھیں۔ تو خدا نے ان سب کی حفاظت یکساں کیوں نہ کی تو اسکا جواب وہ اشاعۃ السنہ نمبر ۵ جلد ۱۱ کے صفحہ ۱۴۳ وغیرہ میں دیکھ لے۔ اسکا خلاصہ یہ ہے۔ کہ یہ قدرتی امر ہے اسکا جواب ہمارے ذمہ نہیں ہے۔ ہاں اسقدر کہا جا سکتا ہے۔ کہ قرآن کے بعد کوئی کتاب آسمانی اور آنحضرت کے بعد کوئی نبی آنے والا نہ تھا۔ اور اس

دین محمدی کو قیامت تک قایم و مستقیم رکھنا خدا کو منظور تھا۔ اس لیئے اوس کی حفاظت کو خدا نے اپنے ذمہ لے لیا۔ اور توریت و انجیل کے بعد قرآن اور آنحضرت کو بھیجنا خدا کے علم میں مقدر و مقرر تھا۔ اس لیئے خدا تعالےٰ نے اون کی حفاظت کو اون لوگوں نے سپرد کیا۔ اپنے ذمہ نہ لیا۔ (جیسے کوئی حاذق حکیم کسی بیمار کا علاج ایک نسخہ سے عارضی طور پر چند روزہ کرنا چاہتا ہے۔ اور اسکے بعد دوسرے نسخہ عمدہ اور دائم الاثر سے علاج کا ارادہ رکھتا ہے۔ تو اس پہلے نسخہ کی حفاظت کا چنداں اہتمام نہیں کرتا۔ اس اصول کے مطابق خدا تعالےٰ نے حفاظت کتب مذکورہ کا اہتمام خود نہ کیا۔ اون ہی لوگوں کے سپرد کیا۔ پھر جب انہوں نے حفاظت میں قصور کیا تو اس قصور کی اصلاح کے لئے قرآن مجید اور آنحضرت کو بھیجدیا۔ جو ان کتابوں پر خدا کی طرف سے محافظ و قاضی و حاکم و مصلح ہوکر آئے۔

آنحضرت اور قرآن کے اس منصب سے آیات ذیل خبر دیتی ہیں۔

ان هذا القرآن یقص علی بنی اسرائیل اکثر الذی هم فیه یختلفون (النمل - ع - ٦)	ایک آیت میں ارشاد ہے۔ یہ قرآن بنی اسرائیل کے اکثر اختلافات (جو کتاب کے احکام میں تصرف کرکے

وہ کر رہے ہیں) فیصلہ کرتا ہے۔ (یعنے حق ظاہر کرتا ہے)

ایک آیت میں ارشاد ہے۔ ہم نے تجھ پر کتاب اوتاری ہے سچی کرنیوالے

وانزلنا علیك الکتب مصدقا لما بین یدیه ومهیمنا علیه فاحکم بینهم بما انزل الله الیك ولا تتبع اهوائهم عما جاءك من الحق وان احکم بینهم بما انزل الله	اون کتابوں کو جو اُسکے آگے ہیں (یعنے اون کے احکام کو جو تصرف سے محفوظ ہیں) اور اون کی محافظ ہے۔ پس تو ان ہی احکام کی پیروی کر جو تیری طرف اوتاری گئی ہیں۔ اور حق چھوڑ کر لوگوں کی

ولا تتبع اهواءهم واحذرهم ان یفتنوك عن بعض ما انزل الله الیك فان تولوا فاعلم انما یرید الله ان یصیبهم ببعض ذنوبهم وان کثیرا منهم لفاسقون -
(مائدہ - ع - ۷)

خواہش پر نہ چل ان میں اس حکم کو جاری کر جو خدا نے اوتارا ہے - اور جو انہوں نے اپنی خواہش سے بنا لیئے ہیں - انکی پیروی نہ کر اور اس سے بچ جا - کہ وہ سمجھے خدا کے اتارے ہوئے احکام سے بچا دیں اگر یہ لوگ منہ پھیر لیں تو جان رکھ کہ خدا اون کو بعض گناہوں کی سبب سے مصیبت پہنچانا چاہتا ہے - اور اُن میں بہتیرے خدا کے حکم برداری سے خارج ہیں -

دوسری آیت کی تفسیر میں امام رازی نے کہا ہے "مہیمن" کے

قال الخلیل وابو عبید یقال قد هیمن الرجل یهیمن اذا کان رقیبا علی الشیٔ وشاهدا علیه ومحافظا له قال حسان - ان الکتب مهیمن لنبینا الحق یعرفه ذو والالباب ۰ (کبیر صفحہ ۸۰ جلد ۳ -)

معنے رقیب اور گواہ اور محافظ کے ہیں - حسان شاعر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے آنحضرت کی صفت میں کہا ہے - کہ خدا کی کتاب اوس کی مہیمن یعنے محافظ ہے - اور حق کو صاحبان عقل پہچانتے ہیں -

قال سعید بن المسیب والضحاك قاضیا وقال الخلیل رقیبا وحافظا والمعانی متقاربة ومعنی الکل ان کل کتاب یشهد بصدقه القران فهو کتاب الله والا فلا (معالم صفحہ ۲۹)

تفسیر معالم التنزیل میں کہا ہے - سعید بن المسیب اور ضحاک تابعیوں نے کہا ہے مہیمنا کے معنے قاضی کے ہیں - خلیل نے کہا اسکے معنے رقیب اور نگہبان کے ہیں - یہ سب معانی قریب قریب ہیں - اور ان سب کے معنے یہ ہیں - کہ جس حکم ان کتابوں کی قرآن

تصدیق کرتا ہے۔ وہ علم کتاب اللہ ہے نہیں۔ تو نہیں۔

پہلی آیت کی تفسیر میں فتح البیان میں کہا ہے۔ کہ اہل کتاب آپس میں متفرق ہوئے اور گروہ گروہ بن گئے (مثلاً کوئی مسیح کو خدا کہتا ہے (جیسے پروٹسٹنٹ رومن کیتھلک وغیرہ) کوئی صرف بندہ و رسول (جیسے یونی ٹیرین) اور ایک دوسرے کو طعن کرتا ہے۔ اور وہ اس سے بیزار ہے۔ یونی ٹیرین دوسروں کو مشرک کہتے ہیں۔ وہ اون کو کافر قرآن اترا تو اوس نے حق حق بیان کر دیا۔ کہ مسیح خدا کا بندہ ہے۔ اور رسول۔ اگر وہ اس قرآن کو تھام لیں اور مان لیں تو اس سے ان کا اختلاف و تفرقہ دور ہو جائے۔

وذلك لان اهل الكتب تفرقوا فرقا وتحزبوا احزابا يلعن بعضهم على بعض ويتبرء بعضهم من بعض فنزل القران مبينا لما اختلفوا فيه من الحق فلو اخذوا به لوجدوا فيه مايرفع اختلافهم ويدفع تفرقهم (فتح البیان صفحہ ۲۲۵ جلد ۳۔)

ان آیات سے بنا بر بیان مفسرین صاف ثابت ہے کہ قرآن پہلی کتابوں کی غلطیوں کی اصلاح کرنے والا ہے۔ اور اون پر قاضی و حاکم و رقیب ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس قوم کے مصلح و ریفارمر تھے۔ جو خدا کی طرف سے بنی ہو کر آئے ہے۔ اور تصحیح اغلاط توریت انجیل اور اصلاح فساد یہود و نصاریٰ کیلئے ایک جامع اور ہمیشہ کے لئے کار آمد نسخہ قرآن مجید لائے۔ اس وجہ سے پہلی کتابوں کی حفاظت کو خدا تعالے نے اپنے ذمہ نہ لیا تھا۔ آنحضرت کے مصلح ہونے کو محققین و منصفین اہل کتاب بھی مان چکے ہیں۔ اور صاف کہ چکے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم دین عیسوی کے مصلح و ریفارمر تھے۔ ان کے اقوال کی تفصیل چاہو تو اشاعۃ السنہ نمبر ۵ جلد ۱۱ میں صفحہ ۱۴۵ و ۱۷۶ دیکھو۔ اور ایک بڑی عجیب اور مخاطبین

پر مؤثر شہادت مسٹر اکبر مسیح کا وہ قول یہی ہے جو صفحہ (۲۱) وغیرہ گذر چکا ہے۔ اور جس میں اُنہوں نے تسلیم کیا ہے۔ کہ آنحضرت بڑے بھاری اور کار آمد مصلح تھے۔ اس قول میں جو مسٹر اکبر مسیح نے قرآن کو صرف انتخاب بائبل بنایا ہے۔ وہ اونکی کوتاہی نظر کا قصور ہے۔ وہ ان آیات کو جو ہم نے نقل کی ہیں پڑھتے اور ان جدید اصلاحوں کو جو اس کلام ان کتابوں کی نسبت آنحضرت سے عمل میں آئی ہیں غور سے دیکھتے تو قرآن کو خلاصہ بائبل نہ بتاتے۔ بلکہ ان کتابوں کا تکملہ کہتے۔ اور آنحضرت کو اُستاد مانتے نہ شاگرد۔

یہ قرآنی مسیح پر آنحضرت کی ترجیح کا بیان ہے۔ اب ہم انجیلی مسیح کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

انجیلی مسیح پر آنحضرت کی عصمت میں ترجیح

اس عنوان سے جو ہم نے قایم کیا ہے۔ ہم کو شرم آتی ہے۔ اور خاتم المرسلین کے مقابلہ میں انجیلی مسیح کا نام لینا۔ ایک گستاخی معلوم ہوتی ہے۔ مگر مخالفین کی فہمائش و ہدائیت کے لئے مجبور ہو کر اسکی جرأت کرتے ہیں۔

انجیلی مسیح کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے عصمت میں ہم موازنہ کرتے ہیں۔ تو ہم کو آسمان و زمین کا فرق نظر آتا ہے۔ اور بلا اختیار کہنا پڑتا ہے ؎

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

سید المعصومین ختم المرسلین کی عصمت کا حال تو ناظرین دیکھ چکے ہیں۔ اب انجیلی مسیح کی عصمت کا نمونہ دیکھ لیں۔

نمونہ کا لفظ ہم نے اسلئے کہا ہے کہ اس کی تفصیل کی جو صرف انجیل سے ہو سکتی ہے گو کہ قبل از اتمام بحث قرآن مسٹر اکبر مسیح کیطرف سے ہم کو اجازت نہیں۔ لہذا بطور مشتے نمونہ از خروارے ہزار در صرف دو تین مثالیں ذکر کرتے ہیں۔ آپ نے جو کچھ موجود

انجیلوں میں سکھایا اور بتایا۔ اس میں لحظات سے کام لیا۔ حق وصواب تو اوس میں گشعر کا سوداء فی جلد ثور ابیض" ایسا نظر آتا ہے۔ جیسا سفید رنگ بیل کی کھال میں ایک سیاہ بال ہوتا ہے۔

(۱) آپنے خدا پر ایمان سکھایا۔ تو خداتعالےٰ کو باپ اور اپنے آپ کو بیٹا کہ کر سکھایا۔ جسکا نتیجہ یہ ظاہر ہوا۔ کہ کروڑوں بلکہ بیشمار مخلوقات نے اون کو ون اوف تھری ایکل گاوز یعنے تین مساوی درجہ کے تین خداؤں میں سے ایک خدا سمجھ لیا۔ اور خدا کی توحید کو جو پہلی کتابوں نے سکھلائی تھی چھوڑ کر شرک اختیار کر لیا۔ اکثر عیسائی فرقے رومن کیتھلک پروٹسٹنٹ اس شرک تثلیث میں مبتلا ہیں۔ ازانجملہ اس شرک سے بچے ہیں تو مٹھی بھر یونی ٹیرین بچے۔ یہ غلطی وخطا ایسی ہے جسکے مرتکب مسیح نہ ایک بار نہ دو بار نہ دس بار نہ سو بار رہو ہے۔ بلکہ تمام عمر اس میں بسر کر گئے۔ یہ اون کی خطا نہیں تو پھر دنیا میں اور خطا کا کوئی مصداق نہیں۔

مسٹر اکبر مسیح نے تنقیح الوہیت مسیح کے ضمیمہ میں اسلام اور برہمو ازم میں موازنہ ومقابلہ کرنے کے وقت مسیح کی تعلیم ابوت کو عیسائیت کا کمال قرار دیا ہے ہم اوسکو مسیح تعلیم کے سخت معایب اور نقایص سے شمار کرتے ہیں۔ یہ موقعہ اس امر کی تفصیلی بحث کا نہیں ہے۔ وہ بحث ہم پھر کرینگے۔ اور مسٹر اکبر مسیح کو دکھائیں گے کہ خدا کو باپ اور اپنے آپ کو بیٹا کہنا۔ اس درخت شرک کی جڑہ ہے۔ جسکو مسٹر اکبر مسیح اور دیگر یونی ٹیرین اوکھاڑنا چاہتے ہیں۔ قرآن نے اس جڑہ کو اکھاڑ دیا ہے۔ اور اس لفظ سے جو مقصود بتایا جاتا (یعنے یہ کہ خدا محبت ہے) اوسکی تعلیم کو بھی ہاتھ سے نہیں دیا۔ اور خدا کی محبت ورحمت کو ان الفاظ سے ظاہر کیا۔ ان ربی رحیم ودود۔ یعنے بے شک میرا رب رحم کرنے والا۔ دوست رکھنے والا ہے۔ وھو الغفور الودود یعنے وہ گناہ معاف کرنے والا محبت کرنے والا ہے۔

(۲) انجیلی مسیح نے اخلاق کی تعلیم کی تو یہ بات کہی (متی ۵- آیت ۳۸)
تم سُن چکے ہو کہ کہا گیا ہے۔ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت
۳۹- پر میں تمہیں کہتا ہوں۔ کہ ظالم کا مقابلہ نہ کرنا۔ بلکہ جو تیری دہنی گال پر طمانچہ
مارے۔ دوسرا اوس کی طرف پھیر دے۔ ۴۰- اور اگر کوئی چاہے کہ تجھ پر نالش
کرکے تیری عبا لیوے کورتہ بھی اُسے لینے دے۔ ۴۱- اور جو کوئی تجھے ایک کوس
بیگار لے جاوے اوس کے ساتھ تو دو کوس چلا جا - × × ۴۲- تم سن چکے ہو
کہ کہا گیا۔ اپنے پڑوسی سے دوستی رکھ۔ اور اپنے دشمن سے عداوت۔ ۴۴- پر
میں تمہیں کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے پیار کرو۔ اور جو تم پر لعنت کریں اون کے
لئے برکت چاہو جو تم سے کینہ رکھیں اون کا بھلا کرو۔ اور جو تجھے دُکھ دیں اور
ستاویں اون کے لئے دعا مانگو۔" اور یہ ایسی تعلیم ہے۔ کہ اسپر عمل کرنا انسانی
فطرت (نیچر) کے مخالف ہے۔ نہ کسی سے۔ (حتے کہ خود حضرت مسیح سے)
اسپر عمل ہوا۔ اور نہ آئندہ ہوگا۔

پچھلے اور آئندہ زمانہ کی بات کو جانے دیں اسوقت کے مقدس
سے مقدس کسی پادری یا راہب کو عیسائی پیش کریں۔ اور اس کا اس تعلیم پر عمل
مشاہدہ کرادیں۔ ہم اوس کے منہ پر ایک طمانچہ مارینگے۔ پھر دیکھیں گے کہ وہ
دوسری گال ہماری طرف کو پھیرتا ہے۔ یا ہم کو پولیس کے حوالہ کرانا چاہتا ہے۔
یہی وجہ ہے کہ اس ناقابل برداشت و ناممکن العمل تعلیم پر اسوقت بعض عیسائی
متردد ہو کر اخباروں میں تحریریں چھپواتے ہیں۔ اور اون کے دوسرے بھائی
اون کی آنکھیں پونچھتے ہیں۔

اور یہی وجہ ہے۔ کہ اسوقت عیسائی سلطنتوں کے آئین وقانون میں
بھی اس تعلیم پر عمل کا لحاظ نہیں کیا گیا ہے۔ کیا ان سلطنتوں کے ارکان اور

پارلیمنٹ کے ممبروں ہاؤس آف کامنز (عام ممبروں) یا ہاؤس" اف لارڈز (خاص وہ ممبر جو لاٹ کہلاتے ہیں) میں ایک آدمی بھی انجیل کی تعلیم پر ایمان نہیں رکھتا۔

اس تعلیم میں جیسا کہ انجیلی مسیح نے مقتضائے نیچر انسانی کا خلاف کا حکم توریت کا بھی خلاف کیا۔ ومعہذا۔ یہ بھی کہدیا ہے (متی باب ۵۔ آیت ۱۷۔ یہ خیال مت کرو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتاب منسوخ کرنے آیا نہیں منسوخ کرنے کو نہیں بلکہ پوری کرنے کو آیا ہوں۔ (۱۸) کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں۔ کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جاویں ایک نقطہ یا شوشہ توریت کا ہرگز نہ مٹیگا۔ جب تک سب کچھ پورا نہ ہو۔ پس جو کوئی ان حکموں میں سے سب سے چھوٹے حکم کو ٹال دیوے اور ایسا ہی آدمیوں کو سکھاوے۔ آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائیگا پر جو کوئی عمل کرے اور سکھاوے وہ آسمان کی بادشاہت میں بڑا کہلائے گا۔ مگر عقلمند خوب جانتے وپہچانتے کہ یہ محض طفل تسلی ہے۔ اور درحقیقت انجیلی مسیح کو توریت کی تعلیم کو منسوخ کرنا منظور تھا۔ جو وقوع میں آگیا۔ توریت کا ایک حکم بھی عیسائی مذہب میں واجب العمل نہیں سمجھا گیا۔ چنانچہ اس امر کو ہم ایک مستقل مضمون میں بیان اور ثابت کریں گے انشاء اللہ تعالے

ف ذیل میں ہم چند تمثیلات پیش کرتے ہیں جنہیں انجیلی مسیح نے توریت کے احکام کو ٹلایا۔ اور ایک طریق سے اوڑایا ہے۔ ازانجملہ حکم طلاق ہے جو استثنا باب ۲۴۔ آیت ۱ میں عموم کے ساتھ بیان ہوا ہے اس حکم کو انجیلی مسیح نے یوں اڑایا ہے۔ کہ طلاق کو صرف زنا سے مخصوص کیا۔ (دیکھو متی باب ۵ آیت ۳۱ و ۳۲۔)

وازانجملہ حکم تعظیم روز سبت ہے جو خروج باب ۱۶۔ آیت ۲۹ وغیرہ وباب ۲۰۔ آیت ۸ وغیرہ وباب ۳۱۔ آیت ۱۴ وغیرہ و استثنا باب ۵ آیت ۱۲ وغیرہ میں بیان ہوا ہے کہ اس دن کوئی دنیاوی کام

حضرات! اس حکم توریت کی تکمیل کی ہے تو قرآن کریم نے کی ہے۔ کہ حکم قصاص کو بھی برقرار رکھا۔ تاکہ اس سے ظالموں و بدمعاشوں کو ڈر رہے۔ اور سیاست مدن نہ ٹوٹے اور عفو و مسامحت کی تعلیم کو بھی ہاتھ سے نہیں دیا۔ تاکہ اخلاق و ہمدردی بھی فوت نہ ہو۔ اور صاف فرمایا کہ بدی کے بدلے ویسی ہی بدی

وجزاء سیئة سیئة مثلها فمن عفا واصلح فاجره علی الله۔ (شوریٰ ع ۴)

ولکم فی القصاص حیوة یا اولی الالباب (بقرہ۔ ع ۱۲۔)

ولا تستوی الحسنة ولا السیئة ادفع بالتی هی احسن فاذا الذی بینك وبینه عداوة كانه ولی حمیم (حٰم السجدہ۔ ع ۵۔)

ہے۔ پر جو معاف کرے اُس کا اجر خدا پر ہے۔ اور فرمایا خون کا بدلہ لینے میں تمہارے لئے زندگی ہے۔ (کہ ظالم اوس کے خوف سے تم کو قتل کریں) اور فرمایا نیکی اور بدی یکساں نہیں۔ برائی کو نیکی سے روک۔ پھر جو تیرا دشمن ہے۔ وہ گرم جوش دوست بن جائے گا۔

نہ کریں حتے کہ کھانا بھی نہ پکا دیں۔ اس حکم کا خلاف انجیلی مسیح کے شاگردوں نے سبت کے دن لوگوں کے کھیتوں سے بالیں توڑ کر کیا۔ اور اون پر اعتراض ہوا تو انجیلی مسیح نے تین حجتوں سے اس حکم کو اوڑا دیا۔ ایک یہ کہ داؤد نے بھی خدا کے گھر کی روٹیاں کہائیں جو اُنکو جائز نہ تہیں۔ دوم یہ کہ کاہن سبت کے دن ہیکل کی تعظیم نہیں کرتے۔ سوم یہ کہ میں سبت کے دن کا بھی مالک ہوں (یعنے جو چاہوں سو کروں۔ متی باب ۱۲۔ آیت ۱۔ وغیرہ۔ واز انجملہ ہاتھ دہونے کا حکم ہے جو خروج باب ۳۰۔ آیت ۱۹ و ۲۰ و باب ۴۰۔ آیت ۳۰ و ۳۲ میں ہے۔ سو اوسکے مطابق یہودی کہانا کہانیکے وقت ہاتھ دہوتے تھے۔ اس حکم کا خلاف مسیح کے شاگردوں نے کیا اور ناپاک ہاتھوں سے کہانا کہایا تو انجیلی مسیح نے اس حکم کو اس حجت سے اوڑا دیا کہ برے خیال کفر وغیرہ دل ہی سے نکلتے ہیں۔ یہی باتیں آدمی کو ناپاک کرتی ہیں۔ بن دہوئے ہاتھ کہانا کہانا آدمی کو ناپاک نہیں کرتا۔ (متی باب ۱۵۔ آیت ۱۹ و ۲۰) واز انجملہ حکم رجم ہے جو استثناء کے باب ۲۲۔ آیت ۲۲ میں ہے۔ مسیح کے سامنے ایک عورت کے واقعہ میں یہ حکم پیش کیا گیا تو اوسکو انجیلی مسیح نے اس حجت سے ٹالا کہ جو تم میں سے بے گناہ ہو وہ اسکو پتھراؤ کرے۔ ان احکام توریت کے نظایر جنکو مسیح نے ٹالا انجیل میں بہت ہیں۔ مگر ہم اسمقام میں ان ہی چار تمثیلات کے بیان پر اکتفاء کرتے ہیں۔

اس تعلیم قرآن تعلیم و انجیل کا پورا موازنہ دیکھنا ہو تو ہمارا مضمون قرآن کے اخلاقی تعلیم بمقابلہ انجیل نمبر ۲ جلد ۶ - اشاعۃ السنہ میں دیکھو۔

(۳) انجیلی مسیح نے معجزات دکھائے تو اس میں عامہ خلائق کے اعتقاد و اخلاق دونو کو تباہ کر دیا۔ اکثر معجزات دکھانے کے وقت اس امر کا اظہار نہ کیا۔ کہ میں عاجز بندہ ہوں۔ جو معجزہ دکھاتا ہوں خدا کے اذن و اختیار سے دکھاتا ہوں بلکہ اس میں اپنی حکومت و اختیار کا دعوے کیا۔ بلکہ یہ اختیار اوروں کو بھی بخشدیا اور یہ جتایا کہ بس میں ہی صاحب اختیار ہوں۔ جو چاہوں سو کروں۔ اور جس کو چاہوں صاحب اختیار بنا دوں جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ ان معجزات اور اس دعوے اختیارات سے مشرک عیسائی (پروٹسٹنٹ رومن کیتھلک وغیرہ) اون کا خدا ہونا نکال رہے ہیں۔ اور موحد (یونی ٹیرین) ان کی تاویلیں کرکے اون کو توحید کی طرف بلاتے ہیں۔ پر وہ ایک نہیں سنتے۔

اور اگر انجیلی مسیح ہر ایک معجزہ دکھانے کے وقت ایسے کلمات کہتا جنسے اوس کا بندہ ہونا۔ اور خود مختار نہ ہونا ظاہر ہوتا تو یہ شرک کیوں پھیلتا۔

ان معجزات کی جنمیں مسیح نے خود مختاری ظاہر کی ہے بعض تمثیلات تقیہ مضمون عیسائیوں کے جنگ مقدس پر اسلامی رائے میں جو اسی جلد میں شائع ہوا ہے بیان ہوئی ہیں۔ جنسے ڈپٹی عبداللہ آتھم وغیرہ نے مسیح کا خدا ہونا نکالا تھا۔ اور ہم نے اور مسٹر اکبر مسیح نے اون کی تاویلیں کرکے اون کے استنباط کو غلط قرار دیا تھا۔ اس مقام میں چند تمثیلیں اور ایسی ذکر کی جاتی ہیں جنمیں انجیلی مسیح نے خدا کی سی خودمختاری کا دعوے کیا ہے۔

(الف) متی باب ۸ میں ہے (۲) ایک کوڑھی نے آکے اوسے سجدہ کیا۔ اور کہا اے خداوند اگر تو چاہے تو مجھے پاک صاف کر سکتا ہے۔

۳- تب یسوع نے ہاتھ بڑھا کے اسے چھوا اور کہا میں چاہتا ہوں تو پاک صاف ہو اور وہیں اوسکا کوڑھ جاتا رہا۔

(ب) اور اوسکے باب ۹- میں ہے۔ ۲- اور دیکھو ایک جھولے مارے کو جو چارپائی پر پڑا تھا۔ اس پاس لائے۔ یسوع نے اوسکا ایمان دیکھ کر کہا۔ اسے بیٹے خاطر جمع رکھ تیرے گناہ معاف ہوئے۔ ۳- اور دیکھو بعض فقیہوں نے اپنے دل میں کہا۔ یہ کفر بکتا ہے۔ ۴- یسوع نے اون کے خیال دریافت کرکے کہا تم کیوں اپنے دلوں میں بدگمانی کرتے ہو۔ ۵- کیا کہنا آسان ہے۔

لوقا باب ۵- آیت ۲۱ میں ہے خدا کے سوا کون گناہوں کو معاف کر سکتا ہے

یہ کہ تیرے گناہ معاف ہوئے۔ یا یہ کہ اوٹھ اور چل۔ لیکن تاکہ تم جانو کہ ابن آدم کو زمین پر گناہ معاف کرنے کا اختیار ہے۔ اوس نے اوس جھولے مارے سے کہا اوٹھ اپنی چارپائی اوٹھا لے۔ اور اپنے گھر چلا جا۔ وہ اوٹھ کر چلا گیا۔ اور متی باب ۱۰- میں ہے۔ پھر اوس نے بارہ شاگردوں کو بلا کے انہیں قدرت بخشی کہ ناپاک روحوں کو نکالیں۔ اور ہر طرح کی بیماری اور دکھ کو دور کریں۔ ایسا ہی لوقا باب ۵ و ۹ میں ہے۔ اسمیں یہ بھی ہے کہ اونہیں سب شیطانوں پر اختیار بخشا۔

حضرات ناظرین۔ یہاں تو انجیلی مسیح نے اپنے شاگردوں کو اپنی خدائی خودمختاری سے قدرت و اختیار بخشا ہے۔ اور متی باب ۱۷- و لوقا باب ۱۷ میں اس بخشش کو جھٹلایا۔ اور اون لوگوں کو جب اون سے ایک دیو نہ نکل سکا بے ایمان قرار دیا۔ اور یہ ثابت کیا کہ وہ بخشش و اختیار واقعہ کے برخلاف تھا اور اس دعوئے بخشش اختیار میں آپ سے خطا ہوئی۔

متی باب ۱۷- کی عبارت یہ ہے۔ ۱۸- تب یسوع نے دیو کو دھمکایا۔ وہ

اس سے نکل گیا۔ اور وہ چھوکرا اُسی گھڑی چنگا ہو گیا۔ ۱۹۔ تب شاگردوں نے یسوع پاس آ کے کہا۔ ہم کیوں نکال نہ سکے۔ یسوع نے اُنہیں کہا۔ اپنی بے ایمانی کے سبب۔ کیونکہ میں سچ کہتا ہوں۔ اگر تمہیں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہوتا تو اگر تم اس پہاڑ کو کہتے کہ یہاں سے وہاں چلا جا تو وہ چلا جاتا۔ اور کوئی بات تمہاری ناممکن نہ ہوتی۔

یہ انجیلی مسیح کے ان معجزات کی تمثیلیں ہیں۔ جن کا عیسائیوں کے ایمان پر شرکیہ اثر ظاہر ہوا ہے۔

اب ایک مثال ایسے معجزات کی بیان کیجاتی ہے جسنے اونکے اخلاق پر اثر کیا ہے۔ اور اس سے انجیلی مسیح کے اخلاق پر بھی دھبہ لگتا ہے۔ یوحنا باب ۲۔ میں ہے۔ اور تیسرے دن قانائے جلیل میں کسی کا بیاہ ہوا۔ اور یسوع کی ماں وہاں تھی۔ اور یسوع اور اوس کے شاگردوں کی بھی اس بیاہ میں دعوت تھی۔ اور جب مے گھٹ گئی یسوع کی ماں نے اس سے کہا۔ کہ اون کے پاس مے نہ رہی۔ ۴۔ یسوع نے اوس سے کہا۔ اے عورت مجھے تجھ سے کیا کام؟ میرا وقت ہنوز نہیں آیا ہے۔ اس کی ماں نے خادموں سے کہا۔ جو کچھ وہ تمہیں کہے سو کرو۔ ۶۔ اور وہاں پتھر کے چھ مٹکے طہارت کے لئے یہودیوں کے دستور کے موافق دھرے تھے۔ اور ہر ایک میں دو یا تین من کی سمائی تھی۔ ۷۔ یسوع نے اُنہیں کہا۔ مٹکوں میں پانی بھر دو۔ سو اُنہوں نے اون کو لبالب بھرا۔ ۸۔ پھر اوس نے اونہیں کہا۔ کہ اب نکالو۔ اور مجلس کے سردار پاس لیجاؤ اور وے لیگئے۔ ۹۔ جب میر مجلس نے وہ پانی جو مے بن گیا تھا چکھا۔ الخ

اس معجزہ انجیلی مسیح کا پہلا اخلاقی اثر تو یہ ہوا۔ کہ آپ خود بذاتہ اس شراب سے نہ بچ سکے۔ اور اپنے وقت میں اپنے معاصرین سے شرابی کا خطاب

پاسبانِ دلنواز صفحہ ۴۴ ملاحظہ ہو۔)

آپ نے اس موقعہ پر اونکے لئے معجزہ سے شراب بنا دی تو ضروری تھا کہ آپ خود بھی اس معجزہ اور آسمانی برکت کے اثر سے فیضیاب ہوتے۔ اور خدا کی دی ہوئی پاک شراب نوش جان فرماتے۔ اور چونکہ آپ اون شرابخواروں کے مدعو تھے۔ اور اون کے اس شغل شرابخواری کے ممد و معاون تھے۔ اور اون کی شراب گھٹ گئی تو اون کی والدہ ماجدہ نے سفارش کی آپ نے اُنکی سفارش تو روکھے اور پھیکے جواب سے رد کر دی۔ اور اس جواب میں والدہ ماجدہ کی سخت بے تعظیمی کی ہے (چنانچہ صفحہ (۲۲۵) میں مفصل بیان ہوگا۔) مگر اون کے لئے معجزہ سے شراب بنا دی۔ اس سے بھی بحکم اس انگریزی مثل مشہور کے۔ اِمپن ازنوت بائی ھزکمپنی۔ یقین ہوتا ہے کہ آپ خود بھی شراب نوش جان فرماتے ہوں گے۔ اور بعید نہیں کہ وہ روکھا سوکھا۔ اور بے تعظیمی کا بھرا ہوا جواب آپنے شراب کے نشہ میں دیا ہو۔

پھر عیسائیوں کے اخلاق پر یہ اثر ہوا۔ کہ اس ام الخبائث شراب کو جان کی گُٹھی بنا رکھا ہے۔ عیسائیوں میں فی لاکھ ایک شخص ایسا نہ ہوگا۔ جو شراب پیتا نہ ہوگا۔ عوام کا ذکر نہیں۔ خواص پادری جو مقدس کہلاتے ہیں۔ وہ اس سے کم پیتے ہیں۔ اور نہیں تو عشاء ربانی٭ میں جو انکا مذہبی شعار ہے۔ تو اوسکو ضرور چکھ لیتے ہیں۔ اور کیوں نہ چکھیں اور کس لئے بچیں یہ معجزہ (جو خدا کا فعل تصدیق نبوت (بقول عیسائیاں تا بشد ابوت خداوندی) مسیح کے لئے ظاہر ہوا تھا۔) اسکا حامی ہوا۔ تو پھر اوس کی اچھائی میں کیا شک رہا۔ اسوقت جو یورپ میں قباحت و ممانعت شراب کا خیال پیدا ہو گیا ہے۔ اور جابجا ٹمپرنس سوسائٹیاں قائم ہوئی ہیں۔ یہ قرآن کریم اور ختم المرسلین و سید المعصومین کی تعلیم کے اثر فیض

٭ عیسائیوں کی نماز اور دعاؤں کی کتاب موسوم بہ عام تعلیم کا صفحہ (۱۱۹) ملاحظہ ہو۔

وبرکت ہے۔جو شرفا وغربا پھیل گیا ہے۔اس شراب خانہ کی خرابیاں وبرائیاں ایسے مخفی نہیں۔کہ ہم اس مقام میں اون کو بیان کریں۔یہ خرابیاں جو عیسائیوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔وہ اسی معجزانہ تعلیم انجیل مسیح کا نتیجہ ہے۔اس تعلیم اعتقاد وتعلیم اخلاق ومعجزات انجیلی مسیح کو قرآنی مسیح نے خود رد کیا۔اور خطا قرار دیا ہے۔چنانچہ قرآن کریم قرآن کی آیات ذیل میں اون کے اقوال منقول ہیں۔اور قرآن نے بھی اون کے رد وابطال میں کمال اہتمام کیا ہے اولاً قرآن سے اقوال مسیحی نقل کئے جاتے ہیں۔پھر قرآن کا اپنا بیان منقول ہوگا۔

قرآنی مسیح کے اقوال انجیلی مسیح کی تعلیم کو رد کرتے ہیں

(۱) انی قد جئتکم بایۃ من ربکم انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر فانفخ فیھا فیکون طیرا باذن اللہ وابرئ الاکمہ والابرص واحیی الموتی باذن اللہ × × ان اللہ ربی وربکم فاعبدوہ ھذا صراط مستقیم (آل عمران۔ع ۵۔)	(۱) میں تمہارے پاس خدا کیطرف سے یہ نشان لایا ہوں۔کہ میں مٹی سے جانور کی شکل بناتا ہوں۔پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ خدا کے حکم سے پرند بن جاتا ہے۔اور میں خدا کے حکم سے مادرزاد اندھے۔اور کوڑھے کو اچھا۔اور مردہ کو زندہ کرتا ہوں۔ اللہ تعالے میرا اور تمہارا رب ہے۔ پس اسی کی عبادت کرو۔یہی ہے سیدھی راہ۔
(۲) وقال المسیح یا بنی اسرائیل اعبدوا اللہ ربی وربکم انہ من یشرک باللہ فقد حرم علیہ الجنۃ وماواہ النار وما للظالمین من	(۲) مسیح نے کہا اے بنی اسرائیل

انصار۔ (مائدہ-ع ۱۰-)

(۳) واذ قال الله یا عیسی بن مریم ءانت قلت للناس اتخذونی و امی الهین من دون الله قال سبحانك ما یکون لی ان اقول ما لیس لی بحق ان کنت قلته فقد علمته تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسك انك انت علام الغیوب ما قلت لهم الا ما امرتنی به ان اعبدوا الله ربی وربکم (مائدہ ع-۱۶-)

خدا کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ جس نے خدا کا شریک ٹھہرایا اُس پر خدا نے بہشت کو حرام کیا۔ اور اُسکا ٹھکانا آگ ہے۔

(۳) جب خدا تعالےٰ عیسےٰ کو کہیگا کیا تو نے کہا تھا۔ کہ مجھے اور میری ماں کو خدا کے سوا معبود بنانا وہ کہے گا اے خدا تو پاک ہے۔ مجھے لائق نہ تھا کہیں وہ بات کہتا جو میرا حق نہ تھی۔ میں نے اگر کہا ہے تو تو جانتا ہے تو میرے جی کی سب باتیں جانتا ہے۔ میں تیرے جی کی باتیں نہیں جانتا تو ہی غیب جاننے والا ہے میں نے تو ان کو وہی کہا تھا جو تو نے مجھے حکم دیا تھا۔ کہ خدا کی پوجا کرو جو تمہارا اور میرا رب ہے۔

(۴) انی عبد الله اتانی الکتاب وجعلنی نبیا (مریم-ع-۲-)

(۵) یا بنی اسرائیل انی رسول الله الیکم مصدقا لما بین یدی من التوراة ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمه احمد (الصف-ع-۱-)

(۴) میں خدا کا بندہ ہوں مجھے اُس نے کتاب دی اور نبی کیا۔

(۵) اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف خدا کا رسول ہوں۔ توریت کو جو میرے آگے ہے سچا کرنے والا اور ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہے بشارت دینے والا۔

قرآنی اقوال انجیلی مسیح کی تعلیم مذکورہ کے رد میں

(۱) قالوا اتخذ اللہ ولداً سبحانہ بل لہ ما فی السمٰوٰت والارض کل لہ قانتون (بقرہ - ع - ۱۴)	(۱) وہ کہتے ہیں بس خدا بیٹا رکھتا ہے خدا اس سے پاک ہے - آسمان و زمین میں جو ہے اوسکی ملک ہے - اور سب مطیع (پھر وہ بیٹے کیونکر ہو سکتے ہیں -)
(۲) ما کان لبشر ان یؤتیہ اللہ الکتٰب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عباداً لی من دون اللہ ولکن کونوا ربانیین (آل عمران ع - ۸)	(۲) کسی بشر کو لائق نہیں کہ خدا اوسکو کتاب اور حکم اور نبوت عطا کرے - پھر وہ لوگوں کو کہے کہ تم خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ - لیکن وہ یہی کہے گا کہ تم اللہ والے بنجاؤ -
(۳) ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون (آل عمران - ع - ۶)	(۳) عیسے کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کیسی ہے جسکو خدانے (بلا مادر و پدر) مٹی سے بنایا - پھر کہا زندہ ہو جا - پھر وہ زندہ ہو گیا -
(۴) لن یستنکف المسیح ان یکون عبداً للہ ولا الملٰئکۃ المقربون (ن - ع - ۲۲)	(۴) مسیح خدا کا بندہ ہونے سے ہرگز نہیں اتراتا - اور نہ قرب والے فرشتے -
(۵) لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح بن مریم قل فمن یملک من اللہ شیئاً ان اراد ان یھلک المسیح بن مریم وامہ (مائدہ - ع - ۳)	(۵) بے شک وہ کافر ہو چکے جو کہتے ہیں مسیح خدا ہے تو اون کو کہدے خدا سے کون بچاوے اگر خدا مسیح کو اور اوسکی ما کو ہلاک کر دے -
(۶) لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث	(۶) بے شک وہ کافر ہو چکے جو کہتے

ثلثة وما من الٰه الا الٰه واحد × × ما المسیح ابن مریم الا رسول قد خلت من قبله الرسل وامه الصدیقة کانا یأکلان الطعام (مائدہ - ع ۱۰)	ہیں۔ خدا تین خداؤں میں سے تیسرا خدا ہے۔ خدا تو (صرف) ایک ہے۔ مسیح اور کچھ نہیں۔ مگر ایک رسول جس کے پہلے بھی رسول گذرے۔ اور اوس کی ما ایک راست باز تھی۔ دونو کھانا کھاتے تھے۔ (یعنے بول و براز کرتے تھے) پھر وہ خدا کیونکر ہوا۔
(۷) اذ قال اللّٰہ یا عیسی ابن مریم اذکر نعمتی علیك وعلی والدتك اذ ایدتك بروح القدس تکلم الناس فی المهد وکهلا واذ علمتك الکتب والحکمة والتوراة والانجیل واذ تخلق من الطین کهیئة الطیر فتنفخ فیها فتکون طیرًا باذنی وتبری الاکمه والابرص باذنی واذ تخرج الموتی باذنی (مائدہ ع ۱۵)	(۷) جب خدا نے کہا اے عیسیٰ میری مہربانی کو یاد کر۔ جو تجھ پر اور تیری والدہ پر ہوئی۔ جبکہ تیری مدد کی روح القدس (جبرائیل) سے تو گہوارہ میں اور بڑی عمر میں (دونوں حالتوں میں) کلام کرتا تھا۔ جب تجھے لکھنا اور دانائی اور توریت اور انجیل

سکھائی۔ جب تو مٹی سے جانور کی شکل بناتا تھا۔ پھر اسمیں پھونک مارتا تو وہ میرے حکم سے جانور بن جاتا۔ اور جب اندہے مادرزاد اور کوڑہے کو میرے حکم سے اچھا کرتا تھا۔ اور جب تو میرے حکم سے مردہ کو زندہ کرتا تھا۔

(۸) انی یکون له ولد ولم تکن له صاحبة (انعام - ع ۱۲)	(۸) اُسکے لئے بیٹا کیونکر ہو۔ اوس کی جورو تو ہی نہیں تھی۔ یہ اسلئے فرمایا۔ کہ

خدا کے لئے (اپنا) بیٹا تجویز کرنا جو اس سے جیسا ہو اور اوسکا ہمجنس کہلاوے۔ تب ہی ہوسکتا ہے کہ خدا کی جورو بھی ہو۔ باپ کے ہمتا وہم کفو وہم جنس بیٹے کے لئے اوسکی جورو کا ہونا لازم۔ اور موقوف علیہ ہے۔

مسٹر اکبر مسیح نے اس ملازمت کو نہیں سمجھا۔ اور ضمیمہ تنقیح الوہیت مسیح میں قرآن کی اس آیت پر یہ اعتراض کر دیا ہے۔ کہ عیسائی خدا کے فرزندوں کو لہو اور جسم کی خواہش سے نہیں مانتے۔ بلکہ روحانی فرزند جانتے ہیں۔ اور اسپر یوحنا $\frac{1}{12}$ اور رومی $\frac{8}{14}$ کا حوالہ دیا۔ مگر افسوس! مسٹر اکبر مسیح کو یہ معلوم نہیں کہ کسی شخص کے اعتقاد یا قول پر کوئی الزام یا اعتراض اس امر پر موقوف نہیں ہے کہ جو بات اوسکو کہی جاوے وہ اوسکے صریح قول و مسلمات سے ہو۔ بلکہ جو بات اسکے قول یا اعتقاد کا مفہوم و مستلزم ہو اوسکا الزام بھی اسپر عائد ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص اپنے باپ کو باپ جانتا اور مانتا ہے مگر وہ اسکا نافرمان و بدگمان ہے۔ اور اپنی جان و مال کی حفاظت میں اسپر اعتماد و بھروسہ نہیں کرتا۔ اسکا باپ اوس کو یہہ کہہ سکتا۔ اور الزام دیسکتا ہے کہ کیا تم مجھے اپنا باپ نہیں جانتے۔ اجنبی یا دشمن خیال کرتے ہو۔ تم تو میرے جنے ہو۔ کسی اور کے نطفہ تو نہیں ہو جس کی وجہ یہی ہے۔ کہ باپ پر اعتماد نہ کرنا اوسکو دشمن و اجنبی جاننے کا مستلزم ہے۔ اور یہہ بتا رہا ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوسرا کا تخم سمجھتا ہے۔

مسٹر اکبر مسیح نے یوحنا و روم کی عبارت کو اپنے خیال کی تائید میں نقل تو کر دیا مگر اتنا نہ سوچا کہ خدا کو باپ اور مسیح کو بیٹا کہنے والے روحی ہی پر کہتے ہیں۔ اور انجیل یوحنا و رومی کو پڑھنے والے۔ اور یہہ سمجھنے والے کہ یہاں بیٹے سے صرف روحانی بیٹا مراد ہے۔ نہ جسمانی کہتے ہیں۔ پھر روحانی بیٹا سمجھنے والوں میں مسیح کے بیٹے ہونے کو بہت اول درجہ کے محبوب کے معنے میں سمجھنے والے کتنے ہیں۔ اور ہم جنس ہمتا و ہم [illegible] سمجھنے والے کتنے۔

اکثر عیسائی لوگ جاہل پڑے ہیں۔ اور روحانی بیٹا سمجھنے والوں میں سے جو مسیح کو خدا کا ہمتا سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کے عقیدہ اس امر کا مستلزم ہے۔ کہ مسیح خدا سے

ایسا پیدا ہوا جیسے وہ اپنے باپ سے خصوصاً اسحالتمیں کہ وہ مسیح کو خدا سے متولد بھی کہتے ہیں* جیسے خدا تعالےٰ نے اون کو الزام دیا کہ اسکا بیٹا کیونکر ہو۔ اوسکی جورو تو ہے ہی نہیں پھر یہ الزام کیوں بے جا ہے۔ **۵** سخن شناس نہ اکبر اخطا اینجاست۔

انجیلی مسیح کے معجزہ شراب سازی کے (جس سے اس کی اباحت نکلتی ہی) رد میں قرآن نے یہ فرمایا ہے۔ کہ شراب۔ جوا۔ تھان پابت اور پانسی ناپاک ہیں شیطانی کام اون سے بچو تاکہ نجات پاؤ۔

انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون (مائدہ ع ۱۲)

اور انجیلی مسیح کی تعلیم اخلاق کے رد میں قرآن کی ہدایت صفحہ (۲۱۱) میں گذر چکی ہے۔

بالجملہ انجیلی مسیح کے جملہ امور کو جو مذکور ہوئے قرآنی مسیح نے اور قرآن نے خطا قرار دیا ہے۔ نہ وہ خطا جو عمد کے مقابلہ میں ہوتا ہے۔ بلکہ یہاں خطا سے گمراہی و سرکشی و فساد کیشی مراد ہے۔ لہذا اس مسیح کو عصمت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ راجح و مرجوح کی آپ سے نسبت ہے تو اس مسیح کو جو قرآنی مسیح ہے۔ **عیسائی مسلمانوں کو** ہمیشہ سے دہوکہ دیتے ہیں ان سے قرآنی مسیح اور اوس کی اصلی انجیل کی سچائی تسلیم کراتے ہیں۔ اور اسکا مصداق انجیلی مسیح اور اوسکی بناوٹی انجیل کو قرار دے کر اس تسلیم اہل اسلام کو اودہر کھینچ لیجاتے ہیں۔ ہمارے اس مضمون کو اہل اسلام غور سے پڑہیں گے۔ اور قرآنی مسیح اور انجیلی مسیح میں تفرقہ جو ہمنے بیان کیا ہے خیال میں رکھینگے تو ہرگز ان کے دام میں نہ پھنسینگے انشاء اللہ تعالےٰ۔

اس بحث سے ثابت ہوا کہ عصمت کے باب میں ترجیح کی طرف رجوع کیا جائے اور اسمیں قرآن کا فیصلہ دیکھا جائے تو اس سے آنحضرت کی منع پر ترجیح ثابت ہوتی ہے۔

* عیسائیوں کی کتاب دعاے عمیم صفحہ ۳ میں ایسا لکھا ہے "اور ایک خداوند یسوع مسیح پر جو خدا کا اکلوتا متولد بیٹا ہے سب عالموں سے پیشتر اپنے باپ سے متولد ہوا"

یہ قرآنی بحث کا اختتام ہے جس میں یہ باتیں بخوبی ثابت ہوگئیں۔ (۱) حضرات انبیاء علیہم السلام سب کے سب معصوم ہیں۔ ان ہی میں سے حضرت مسیح بھی داخل ہیں یا دوجہ قرآنی مسیح ہیں)۔ (۲) اونکو وصف عصمت میں اور انبیاء پر کوئی مزیت و فوقیت نہیں ہے۔ (۳) یہ مزیت ہے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ہے جنکی عصمت کا خداتعالے نے بڑا اہتمام کیا۔ اور اس سے ہم کو آگاہ کیا (۴) یہ امر نہ حضرت مسیح کی نسبت پایا گیا ہے نہ کسی اور نبی کے (۵) قرآنی مسیح سے علیحدہ ایک انجیلی مسیح ہے اوس کی آنحضرت سے کوئی نسبت نہیں۔ اور نہ اوسکا عصمت سے کوئی تعلق ہے اس نے تو لوگوں کے لئے شرک وکفر و بداخلاقی اور بدعملی کا دروازہ کھول دیا بلکہ نہیں نہیں توڑ دیا ہے۔ جواب بند نہیں ہوسکتا۔

اب ہم انجیلی بحث کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور انجیل سے یہ ثابت کر دکھاتے ہیں کہ انجیلی مسیح صاحب نہ صرف خطاء کار بلکہ گناہگار تھے۔ کیونکہ قرآنی بحث سے اب ہم فارغ ہوئے ہیں۔ اور ہمارے مخاطب مسٹر اکبر مسیح تو مدت ہوئی اس بحث کو ختم شدہ سمجھ کر انجیلی بحث کی اجازت دے چکے تھے۔ مگر چونکہ اسوقت تک قرآنی بحث ختم کیا شروع بھی نہیں ہوئی تھی۔ اور ہم نے کوئی دلیل قرآنی اون کے دعوے کے مقابلہ پر پیش نہ کی تھی۔ صرف اون کے دلائل پر اسقدر نکتہ چینی کی تھی کہ آپکے دلائل آپکے دعوے کے مثبت نہیں ہے۔ آپ اون کو واپس لیں۔ اُنھوں نے جلد بازی بے صبری وکم حوصلگی اختیار کی۔ اور اسیقدر نکتہ چینی کو آخری حد بحث قرآنی قرار دیکر ہماری اجازت کے بغیر رسالہ کشف الحقایق عیسوی کے ذریعے اوسکی اشاعت کردی۔ اور پھر خط ۱۶۔ اگست ۱۸۹۶ء میں ہم کو یہ بات لکھدی کہ "عصمت مسیح پر بربنا قرآن بحث ہوچکی ہے۔ اب آپ انجیل سے ثابت کریں کہ حضرت مسیح معصوم نہ تھے۔ اور وہ بارہا مرتکب خطا ہوئے"۔ اور آپکے دوسرے

بھائیوں جلدباز عیسائیوں نے اون کی فرضی وخیالی بحث پر آرزنی بھی شروع کردی۔ صاحب کشف نے اپنے نوٹ مندرجہ نمبر ۸ جلد ۲ کے ص۱۱۶ کشف میں مرزا غلام احمد ساکن قادیان (جو اسلام سے باضابطہ و باتفاق جمہور اہل اسلام خارج کئے گئے ہیں۔ اور درحقیقت وہ بھی ایک چھپے عیسائی ہیں۔ جناںچہ صفحہ (۱۰۹۱) نمبر (۷) جلد (۱۶) اشاعۃ السنہ میں بیان ہوا۔) نقل کیا ہے۔ کہ اُنھوں نے مولانا محمد حسین صاحب کے دلائل کو بمقابلہ مسٹر اکبر مسیح کمزور اور ضعیف کہا ہے۔ پھر اپنے نوٹ مندرجہ نمبر ۹ جلد ۲ کے ص۱۳۱ میں کہا۔ کہ ناظرین خود دیکھ لیں گے۔ کہ کس کی دلیلوں کا پلہ جھکا ہوا ہے"۔ اور کسی صاحب نے یہ خیال نہ فرمایا۔ کہ ابوسعید محمد حسین نے اپنی تحریرات میں جو کشف میں مشتہر ہوئی ہیں کونسی دلیل پیش کی ہے جنکا دلائل مسٹر اکبر مسیح سے مقابلہ وموازنہ کیا جاتا ہے۔ اون کی تحریر میں تو ایک دلیل بھی بیان نہیں ہوئی۔ ہم موازنہ کن کن دلایل میں کرنے ہیں۔؟۔

ان حضرات کو چاہیئے۔ کہ اگر حوصلہ ہے تو آپ موازنہ کریں۔ اور صاف صاف انصاف سے بتا دیں کہ کس کی دلیلوں کا پلہ جھکا ہوا ہے۔ ہم نے اس جلد بازی کی پروا نہ کی۔ اور مسٹر اکبر مسیح کے خط مذکور کو قبل از وقت سمجھ کر اسکا جواب تو کجا رسید تک نہ دی۔

اب ہم نے قرآنی بحث ختم کی ہے۔ تو اس خط کا جواب دیتے ہیں۔ اور انجیلی بحث کو شروع کرتے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

مسٹر اکبر مسیح اس خط ۱۲۔ اگست ۱۸۹۶ء میں لکھتے ہیں۔

"میں دعوے کرتا ہوں کہ آپ انجیل سے کوئی آیت نہیں نکال سکتے جس سے یہ ثابت ہو کہ خداوند مسیح اپنے تئیں کسی معنے میں غیر معصوم خاطی یا عاصی جانتے ہیں۔ یا وہ اپنے کسی قول یا فعل کو خدا کی مرضی اور خوشنودی کے خلاف سمجھتے تھے۔ اور انبیاء کی عدم

عصمت پر ہم اسی قسم کا استدلال کرتے ہیں۔ برخلاف اسکے انجیل میں مسیح خداوند کے ایسے
اقوال ہم کو ملتے ہیں "میں ہمیشہ وہی کام کرتا ہوں جو باپ کو پسند آتے ہیں۔ یوحنا
(۸/۲۹) میں اپنی مرضی کو نہیں بلکہ باپ کی مرضی کو جس نے مجھے بھیجا ہے۔ چاہتا ہوں
(۵/۳۰) میں نے اپنے باپ کے حکموں پر عمل کیا۔ اور اوس کی محبت میں قائم ہوں
(۱۵/۱۰) اور وہ اپنے بڑے بڑے دشمنوں کے منہ پر کہتے ہیں۔ کون تم میں سے مجھ پر
گناہ ثابت کرتا ہے۔ (۸/۴۶) پس روح اللہ اور کلمۃ اللہ اپنی حقیقی عصمت پر خود
یوں گواہ ہے۔ اور آسمانی شہادت خدا کی اون کے حق میں انجیل میں یوں گونج
رہی ہے۔ یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں۔ متی (۳/۱۷) میرا خادم
جسے میں نے چنا۔ اور میرا پیارا جس سے میرا دل خوش ہے۔ (۱۲/۱۸) یہ مسٹر اکبر مسیح کا
آخری کلام ہے۔ جو ان ہی کے الفاظ سے نقل کیا گیا ہے اس کے جواب میں خاکسار
ملتمس ہے کہ آپ نے ثبوت عدم عصمت انجیلی مسیح کو اس قسم کے استدلال سے
کیوں مخصوص کیا۔ کہ وہ اپنی زبان سے اپنے غیر معصوم یا خاطی یا عاصی ہونے کا
اقرار کریں۔ اور میرے اس قول خط ۱۵۔ جنوری ۱۸۹۶ء منقولہ کشف نمبر ۲ جلد ۲
صفحہ ۱۰۶۔ و نمبر ۶ جلد ۱۷ صفحہ ۱۹۲ اشاعۃ السنہ کہ مجھے اجازت دیں کہ میں
انجیل سے ثابت کروں کہ حضرت مسیح علی نبینا و علیہ السلام ان معنی کر جو آپ نے
تجویز کئے ہیں معصوم نہ تھے۔ اور وہ بارہا مرتکب خطا ہوئے" جس کا آپ نے اپنے
اس خط میں بھی اقتباس کیا ہے۔ کا لحاظ فرما کر مجھے یہ اختیار عام کیوں نہ دیا۔ کہ میں
انجیل کی آیات و شہادات سے انجیلی مسیح کا خطاکار یا گنہگار ہونا ثابت کروں۔
کیا کسی مجرم کا مجرم ہونا اور کسی گنہگار کا گنہگار ہونا اسکے اقبال پر موقوف ہے؟ کیا دوسرے
کی شہادت سے اسکا مجرم و گنہگار ہونا ثابت نہیں ہوتا۔؟ انجیلی مسیح کے اپنے دعاوی
کا کیا اعتبار ہے جب تک کہ ان دعاوی پر دوسرے کی اور کسی کی نہیں انجیل

ہی کی شہادت قائیم نہ ہو۔ انجیلی مسیح نے تو وہ دعوے کئے ہیں کہ ان میں آسمان اور زمین کے قلابے ملا دیئے ہیں۔

ازانجملہ ایک اسکا خدائی دعوے ہے جسکو یونی ٹیرین کے سوا تمام عیسائیوں نے جو مسیح کو خدا مانتے ہیں۔ انجیل ہی سے نکالا ہے۔ پھر کیا ان سب دعاوی کو بغیر کسی شہادت اور انگیزمنیش کے ہم مان لینگے۔؟ نہیں نہیں ہرگز نہیں۔

ہم انجیلی مسیح کے ان تینوں دعووں کو جو مسٹر اکبر مسیح نے یوحنا ۸/۲۸ و ۵/۳۰ و ۵/۱۹ سے نقل کئے ہیں۔ اسی انجیل کی شہادت سے انگیزمنیش کرتے ہیں۔ اور اسکے اقوال و افعال سے جو اسی انجیل میں موجود ہیں انکا غلط و خلاف واقعہ ہونا ثابت کر دکھاتی ہیں۔ اور وہی اقوال و افعال ہماری انجیلی بحث کے ارکان اور اس دعوے کے دلائل ہیں۔ کہ انجیلی مسیح بارہا خطاء کے مرتکب ہوئے۔ اور نہ وہ صرف خطاکار ہی بلکہ بہت گنہگار تھے۔

ازانجملہ انجیلی مسیح کا اپنی والدہ محترمہ کو یہ توہین آمیز اور حقارت سے لبریز کلمات کہنا ہے۔ کہ اے عورت مجھے تجھ سے کیا کام۔ میرا وقت ہنوز نہیں آیا۔ یہ کلمات اس نے اپنی والدہ کو اسوقت کہے تھے۔ جبکہ دعوت قانائے جلیل میں شراب گھٹ گئی تھی۔ اور اس کی والدہ نے سفارش کی تھی۔ والدہ ماجدہ کو تو آپنے یہ سوکھا اور انکاری جواب دیا۔ مگر اسیوقت بغیر کسی وقفہ کے چھ مٹکوں پانی بھروا کے اسکو شراب بنا دیا۔ چنانچہ باب ۲۔ آئت ۴ وغیرہ سے صفحہ (۱۴۲) منقول ہوا ہے انجیلی مسیح کے ان کلمات میں جو توہین و تحقیر والدہ محترمہ پائی جاتی ہے۔ وہ کسی عقلمند انصاف پسند کے نزدیک محل نزاع نہیں ہے۔ روئے زمین کے عقلمند و انصاف پسند ہندو۔ مسلمان۔ چوہڑے۔ چمار۔ یہودی۔ نصرانی۔ اپنے والدین کو ایسے کلمات سے مخاطب نہیں کرتے۔ اور نہ ایسے مخاطب کو پسند کرتے ہیں۔ بلکہ خلاف ادب

و منافی عزت سمجھتے ہیں۔

مسٹر اکبر مسیح اس سے اس سرے تک دنیا میں پھر نکلیں۔ اور مختلف مذاہب بلکہ لامذہب عقلمندوں تہذیب پسندوں کو پوچھ کر دیکھ لیں وہ دنیا میں کسی ایسے شخص کو نہ پائیں جو ان کلمات کو والدہ کے حق میں جائز رکھتا اور پسند کرتا ہو۔ یہہ شہادت انسانی ہے۔ اور اگر شہادت آسمانی دیکھی جائے تو وہ بھی عہد عتیق و عہد جدید میں یوں ہی گونج رہی ہے۔ کہ ایسے کلمات والدہ کے حق میں خدا تعالے کے نزدیک پسند نہیں ہیں۔ عہد عتیق سے خروج باب ۲۰۔ آیت ۱۲ میں حکم ہے تو تو اپنے ماباپ کو عزت دے۔ استثنا باب ۵۔ آیت ۱۶ میں ہے۔ اپنے باپ اور اپنی ماکو عزت دے تاکہ تیری عمر کے دن بہت ہو دیں۔ امثال باب ۲۳۔ آیت ۲۲ میں ہے اپنے باپ کو جس سے تو پیدا ہوا ہے۔ اور اپنی ماکو اوس کے بڑھاپے میں حقیر نہ جان۔ اور عہد جدید سے انجیل متی کے باب ۱۵۔ آیت ۴ میں مسیح نے خود فرمایا ہے خدا نے فرمایا ہے۔ اپنے باپ کی عزت کرو۔ پھر اپنے مخالفوں کا قول نقل کیا ہے۔ کہ اپنے باپ یا ماکی عزت نہ کرے تو کچھ مضایقہ نہیں پھر اوسکے رد میں کہا ہے کہ تم نے اپنی روائت سے خدا کے حکم کو باطل کیا۔ اور افسی باب ۶۔ آیت ۲ میں ہے۔ تو اپنے ما باپ کی عزت کر کہ یہہ پہلا حکم ہے۔ جس کے ساتھ وعدہ ہے۔ اور قلسی باب ۳۔ آیت ۲ میں ہے۔ اے فرزند و ماباپ کی ہر بات میں فرمانبردار رہو۔ کہ خداوند کو یہی پسند ہے۔

اور جب کہ شہادت انسانی اور شہادت آسمانی اتفاق کے ساتھ ان کلمات انجیلی مسیح کو والدہ کے حق میں ناپسند قرار دیتے ہیں۔ **تو اسیوجہ سے** انجیل کے حامیوں اور مفسروں نے ان کلمات کو خلاف عزت سمجھا۔ اور ناپسند کیا۔ انجیل کا ایک مفسر برنس صاحب اپنی تفسیر جلد اول حصہ دوم کے صفحہ (۱۱۹) میں

لکھتا ہے۔ کہ مسیح نے اپنی والدہ کی اس آیت میں بہت ملامت اور بے عزتی کی۔ اور حقارت کے الفاظ بولے ہیں کہ ایسا اور کوئی لفظ مشتمل بر حقارت نہ ہوگا۔ جیسا کہ اے عورت مجھے تجھ سے کیا کام۔ خصوصاً والدہ کے حق میں یہ انجیلی مسیح کا اپنے قول اور الفاظ سے گناہ توہین والدہ مکرمہ کا ارتکاب ہے اور نیز عملی گناہ والدہ کی حکم عدولی اور نافرمانبرداری کرنا بھی پایا جاتا ہے۔ جو کام والدہ نے بتایا۔ (دعوتیوں کے لئے شراب بنانا) اوس نے وہ کام توفوراً کر دیا۔ مگر والدہ کے حکم اور سفارش کو اس روکھے اور پھیکے جواب سے کہ "مجھے تجھ سے کیا کام۔ میرا وقت ہنوز نہیں آیا" رد کرنے اور اُسکی قبولیت و متابعت سے انکار ظاہر کرنے کے بعد فرمانبرداری اور متابعت کا جواب یہ تھا۔ کہ مادر جان بہت اچھا۔ میں حضور کے حکم کی تعمیل کرنے کو حاضر و مستعد ہوں۔ اور ابھی ان لوگوں کے لئے شراب تیار کر دیتا ہوں۔ جیسا کہ وقوع میں آیا۔

وہ قول اور یہ عمل انجیلی مسیح صاف ناطق اور دو نو شاہد عدل ہیں کہ ان تینوں دعاوی میں جو کچھ اوس نے کہا ہے وہ محض غلط ہے۔ اور واقعہ کے خلاف ہے۔ اور انجیلی مسیح سے جو کچھ اس عمل و قول میں سرزد ہوا ہے نہ وہ خدا تعالے کو پسند تھا۔ اور نہ اُسکی مرضی اور حکم کے مطابق ہوا۔

ازانجملہ انجیلی مسیح کا اپنے پہلے آنے والے نبیوں کو چور و بٹمار کہنا ہے۔ چنانچہ یوحنا باب ۱۰۔ آیت ۷ و ۸ میں ہے۔ تب یسوع نے انہیں پھر کہا۔ میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں۔ کہ بھیڑوں کا دروازہ میں ہوں ۸۔ سب جتنے مجھ سے پہلے آئے۔ چور اور بٹمار ہیں۔ پر بھیڑوں نے اونکی نہ سنی۔

اس قول میں انجیلی مسیح نے جملہ انبیاء علیہم السلام کو چور و بٹمار کہنا ایک ایسا غلط اور خلاف واقعہ امر اور کبیرہ گناہ ہے جسکے غلط و گناہ ہونے کسی شخص کو جو پہلے انبیاء

پر ایمان رکھتا ہو۔ نزاع واختلاف نہیں ہے۔ اور اہل ایمان تو ایک طرف رہے۔
انجیلی مسیح نے خود اپنے مُنہ سے یوحنا تک آنے والوں کو نبی مانا ہے۔ چنانچہ لوقا باب
۱۶۔ آئت ۱۶ میں کہا ہے۔

شریعت اور انبیاء یوحنا تک تھی تب سے خدا کی بادشاہت کی خوشخبری دیجاتی ہے
اور ہر ایک سے زور مار کے اسمیں داخل ہوتا ہے۔ اور پھر اسی مُنہ سے اوسکا اون کو چور
بنانا۔ اور بٹ مار کہنا گناہ نہیں تو اور کیا ہے۔

طرفہ یہ کہ ان انبیاء میں ایک یوحنا (حضرت یحییٰ علیہ السلام) بھی ہیں۔ جن کے
سامنے مسیح نے عملی طور پر اپنے گنہگار ہونے اقرار کیا۔ اور گناہوں سے پاک ہونے
کے لئے ان سے بپتسما پایا۔ کیونکہ یہودی دستور کے موافق بپتسما وہی لوگ پاتے ہیں
جو گناہوں کا اقرار کرتے ہیں۔ چنانچہ متی باب ۳ آئت ۵ و ۶ میں ہے "تب یروسلم
اور سارے یہودیہ اور یردن کے آس پاس کے رہنے والے اس (یوحنا) کے پاس آئے
اور اُنھوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کرکے یردن میں اس سے بپتسما پایا"۔ پھر اس
یوحنا کو بھی جملہ انبیاء کے شمول میں بٹمار و چور بنایا۔ اور ان نافرمانبردار و بےادب
شاگردوں کے موافق عمل کرکے دکھایا۔ جنکا اس بیت میں ذکر ہے ؎

کس نیاموخت علم تیر از من	که مرا عاقبت نشانہ نکرد

اور یہ خیال نہ فرمایا کہ پیر ومرشد ہی بٹمار ٹھہرا تو اسکا مرید ومسترشد کیونکر پاکباز و نیک شعار متصور
ہوگا۔ ؎ او خویشتن گم است کرا رہبری کند

اس قول (لوقا ۱۶ و ۱۶) میں انجیلی مسیح نے ایک گناہ یہ بھی کیا۔ کہ پہلی شریعتوں کو
بےکار و بےاعتبار ٹھرایا۔ اور صاف لکھدیا ہے۔ کہ بس شریعت یوحنا تک ہی تھی۔
اب شریعت سے کوئی کام نہیں ہے۔ اب صرف زور سے خدا کی بادشاہت لیجائے گی
جس سے غالباً یہی مراد ہے۔ کہ جسنے مسیح کو کفارہ مان لیا وہ بغیر کسی عمل و پیروی شریعت

کے زبردستی بہشت میں جا گھسے گا۔ اور ایسا اقتباس پولوس نے اپنے اس قول میں کہا ہے کہ "اگلا قانون اسلئے کہ کمزور اور بیفائدہ تھا اوٹھ گیا۔ کیونکہ شریعت نے کچھ کامل نہ کیا۔ مگر ایک بہتر امید درمیان داخل ہوئی جس کے وسیلے ہم خدا کے حضور پہنچتے ہیں۔ (عبرانی باب ۷۔ آئت ۱۸ و ۱۹۔) ایسا ہی آپنے گلتیوں میں کہا ہے*۔

اسی قسم کے اقوال انجیلی مسیح کا یہ نتیجہ ظاہر ہوا ہے کہ عیسائیوں نے توریت کے احکام اور شریعت سے کچھ تعلق نہیں رکھا۔ اور اون کو تقویم پارینہ سمجھ کر پس پشت ڈال دیا ہے۔ یہ انجیلی مسیح کا ایسا گناہ ہے جسمیں اوس نے اپنے بے شمار اتباع کو بھی شامل کر لیا ہے۔ اور اسپر طرفہ یہ کہ اس انکار شریعت کے ساتھ آئت مابعد میں اقرار بھی ہے۔ اور صاف کہا ہے کہ پر آسمان اور زمین کا ٹل جانا شریعت کے ایک نقطہ کے مٹ جانے سے بہت آسان ہے۔ اسی کی مثل مسیح کا وہ قول ہے جو صفحہ (۱۱۲ وغیرہ) میں نقل ہو چکا ہے۔ کہ میں توریت یا نبیوں کی کتاب منسوخ کرنے نہیں آیا۔ بلکہ پوری کرنے آیا ہوں۔ اس قول میں مسیح نے تیسرا گناہ کیا۔ اور خلاف واقعہ کہا۔ اور لوگوں کو دہوکا اور مغالطہ دیا ہے۔ تاکہ وہ اوسکو شریعت کا منکر محض نہ سمجھ لیں اور اس وجہ سے اس سے وحشت و نفرت نہ کریں۔ اور درحقیقت وہ پہلی شریعتوں کا صاف منکر اور اون کے احکام کا مبطل اور پہلے نبیونکا سخت مخالف و معاند ہے۔ چنانچہ صفحہ (۲۱۰) میں بیان کیا گیا ہے۔ اور آئندہ بھی وقتاً فوقتاً بیان ہوتا رہیگا۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

ازانجملہ انجیلی مسیح کا اپنے شاگردوں میں بارہ آدمیوں کو جنمیں ایک یہودا اسکریوطی بھی تھا۔ اور ایک پطرس (شمعون) چن کر یہ بشارت دینا اور پیشگوئی کرنا کہ خدا کی بادشاہت تمہاری ہے۔ اور آسمان پر تمہارا بدلہ ہے۔ (لوقا باب ۶۔ آئت ۲۰ سے ۲۳) اور اون کو یہ اختیار و اقتدار بخشا کہ وہ ہر قسم کی بیماری کو دور کریں

* پر شریعت کو ایمان سے کوئی نسبت نہیں ۳ ۔ ۱۲ مسیح نے ہمیں مول لیکر شریعت کی لعنت سے چھڑایا۔ وہ ہمارے بدلے میں لعنت ہوا۔ گلتیوں

اور ناپاک روحوں اور دیوؤں کو نکالیں (متی باب ۱۰-آیت ۱-مرقس باب ۳-آیت ۱۵-وغیرہ) اور خاص کر پطرس کو آسمانی بادشاہت کی کنجیاں سپرد کر دیا ہے۔ جسکا خلاف واقعہ ہونا انجیلی مسیح کی زندگی ہی میں ظاہر ہو گیا۔ اور اس کی زبان سے اسکے برخلاف اقرار ظہور میں آگیا۔ یہوداا سکریوطی نے تیس روپیہ لے کر مسیح کو پکڑوا دیا اور پطرس نے بھی قسم کھا کر تین بار مسیح سے انکار کیا۔ (متی باب ۲۶-آیت ۴۸ و ۴۹ وغیرہ) اس سے پہلے مسیح سے شیطان کا خطاب بھی پایا۔ (متی باب ۱۶-آیت ۲۳-) اور وہ سب کے سب حضرات انجیلی مسیح کے وقت میں دیو نکال نہ سکے اور اس بے ایمانی کے خطاب سے مخاطب ہوئے۔ (متی باب ۱۷-آیت ۲-

یہ بشارات وپیشگوئیاں انجیلی مسیح کی سراسر غلط وخلاف واقعہ نکلیں۔ جن کے غلط ہونے پر اسی انجیل میں شہادت گونج رہی ہے۔ اور صاف بتا رہی ہے کہ جو انجیلی مسیح نے ان تینوں اقوال میں دعوے کیا ہے وہ محض غلط ہے۔

ان تین مثالوں میں سے پہلی دو مثالیں انجیلی مسیح کے گناہ کی مثالیں ہیں۔ اور تیسری خطا کی مثال (صفحہ ۲۰۸) میں جو انجیلی مسیح کی تعلیم ابوت وبنوت مذکور ہوئی ہے۔ وہ بھی ہمارے نزدیک تو صریح گناہ کی مثال ہے۔ اور اسکی خطا ہونے میں تو توحیدی عیسائیوں کو بھی نزاع مناسب نہیں ہے۔

ایسی ہی کلی تعلیم شراب خواری جو صفحہ (۲۱۴) میں منقول ہوئی ہے۔ اور کلی تعلیم اخلاق جو صفحہ (۲۰۹) میں مذکور ہوئی ہے۔ نیز خطا کی مثالیں ہیں۔ ان چھ مثالوں کے علاوہ بہت سی مثالیں اور انجیل میں موجود ہیں۔ اور دریا کی مانند اوس میں موجیں مار رہی ہیں۔ "(۱) جیسے انجیلی مسیح کا اپنے شاگردوں اور معتقدوں کو اپنے مسیح ہونے کے اظہار سے منع کرنا اور (۲) ایک دولتمند ایماندار کو بہشت سے ناامید کرنا۔ اور بہتیرے دولتمندوں کو باوجود دولت دنیا نہ چھوڑنے کے بہشت کا وارث بنانا (۳) صلیبی

موت کے ٹل جانے کیلئے (باوجود علم وپیشگوئی اس امر کے کہ وہ ٹلنے والی نہیں) دعا کرنا۔ اپنے[4] لئے مسکن ومکان ہونے کی نفی کرنا[5]۔ تین دن تک اپنی زمین کے اندر رہنے کی خبر دینا[6]۔ چور کو وعدہ دینا کہ تو آج میرے ساتھ بہشت میں جائیگا۔ اور خود بہشت میں نہیں۔ بلکہ ایک اور ہی جگہ تشریف لے جانا وغیرہ وغیرہ مما لا تعد ولا تحصی۔ مگر ہم ان تمثیلات کی تفصیل کو ضروری نہیں سمجھتے جب مسٹر اکبر مسیح ان تمثیلات ستہ کا جنکی ہم تفصیل کر چکے ہیں ہم کو جواب دینگے۔ اور انجیل ہی کی شہادت سے یہ ثابت کر دینگے۔ کہ اون تمثیلات میں جو انجیلی مسیح کے اقوال واعمال بیان ہوئے ہیں۔ وہ صحیح اور درست اور حکم ومرضی خدا تعالے کے مطابق ہوئے ہیں اور وہ انجیلی مسیح کے دعاوی منقولہ مسٹر اکبر مسیح کے مکذب نہیں ہیں۔ تو ہم پھر اور تمثیلات کی تفصیل کرینگے انشاء اللہ تعالے۔

یہ بارہ مثالیں چھ مفصل اور چھ مجمل جو ہمنے بیان کی ہیں۔ یہ ایسی مثالیں ہیں جنسے خصوص بنصوص انجیل سے انجیلی مسیح کا گنہگار یا خطا کار ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اب ہم عموم نصوص انجیل سے اسکا گنہگار یا خطا کار ہونا ثابت کرتے مگر وہ دو امر کی تسلیم پر موقوف ہے۔ اول یہ کہ مسیح بھی منجملہ انسانوں کے ایک انسان تھا۔ دوم یہ کہ انجیل اور اسکے حواشی عہد عتیق کے بظاہر اور زبانی مصدق ہیں۔ لہذا جو امر عہد عتیق سے ثابت ہوگا۔ وہ گویا انجیل سے ثابت ہے۔ اور یہ دونوں امر اسوقت تک عیسائیوں میں مسلم ہیں۔ امر اول کا مسلم ہونا ہم صفحہ ۹ وغیرہ جلد ہذا میں بیان کر چکے ہیں۔ امر دوم کا مسلم ہونا محتاج بیان نہیں ہے۔ انجیل خود جابجا عہد عتیق کا اقتباس کرتی ہے اور انجیل کی حامی بھی (زبانی) انکے مسلم ہونے کے قائل ہیں۔ یہ دونوں امر مسلم ہیں تو ہم بیان کرتے ہیں۔ کہ رومیوں کے خط باب ۳۔ آیت ۱۰ و ۱۲ میں ہے۔ جیسا کہ لکھا ہے۔ کہ کوئی راستباز نہیں × × کوئی نیکوکار نہیں ایک بھی

نہیں × × اور آئت ۲۳ میں ہے سبھوں نے گناہ کیا۔ اور خدا کے جلال سے محروم ہیں۔ اور چونکہ اس قول میں جس نوشتہ کا حوالہ دیا ہے وہ زبور ۱۴۔ باب ہے جسمیں یہ قول کل بنی آدم کے حق میں کہا گیا۔ اور اسکے الفاظ یہ ہیں" کوئی نیکوکار نہیں۔ (۲) خداوند آسمان پر سے بنی آدم پر نگاہ کرتا ہے۔ تاکہ دیکھے کہ ان میں کوئی دانشمند خدا کا طالب ہے یا نہیں۔ (۳) وے سب گنہگار ہوئے ایک ساتھ بگڑ گئے کوئی نیکوکار نہیں ایک بھی نہیں"۔ لہذا ضروری ہے کہ اس قول میں بھی کل بنی آدم مراد لئے جاویں۔ اور ایسا ہی تصریح کے ساتھ عہد عتیق کے اکثر مقامات میں وارد ہے۔

واعظ باب ۷۔ آئت ۲۰ میں ہے کوئی انسان زمین پر ایسا صادق نہیں کہ نیکی کرے۔ اور خطا نہ کرے۔ ایوب باب ۱۴۔ آیت ۴ میں ہے۔ کون ہے جو ناپاک سے پاک نکالے۔ کوئی نہیں۔ زبور باب ۵۱۔ آئت ۵ میں ہے۔ دیکھ میں نے گناہ کی صورت پکڑی۔ اور گناہ کے ساتھ میری ماں نے مجھے پیٹ میں لیا۔ یرمیاہ باب ۱۷۔ آئت ۹۔ وسعیاہ باب ۶۴۔ آئت ۶ میں ہے۔ دل سب چیزوں سے زیادہ حیلہ باز ہے۔ اور وہ نہائت فاسد ہے۔ اوس کو کون دریافت کرسکتا ہے۔ ہم تو سب کے سب ایسے ہیں جیسے ناپاک چیز۔ اور ہماری ساری راست بازیاں گندی دھجی کی سی ہیں۔ اور ہم سب پتے کی طرح کملاتے ہیں اور ہماری بدکاریاں اندھی کی مانند ہمیں اوڑا دینگے۔

ان عمومات میں مسیح بھی داخل ہے۔ لہذا ان نصوص کی شہادت سے وہ بھی خطاکار یا گنہگار تھا۔

عیسائی مسیح کو ان نصوص کے عموم سے مستثنے کرتے ہیں۔ تو وہ اسکی دلیل بیان کریں۔ اور بتادیں کہ کیا مسیح انسان یا ابن آدم نہ تھا۔ اور وہ اپنی ماں کے پیٹ میں

نہیں رہا۔ وہ اسی انسانی پیٹ سے نہیں نکلا۔ ؟ ان باتوں سے کسیکو انکار نہیں تو ہمکو ضرور ماننا پڑیگا کہ وہ اُن نصوص کے عموم کی شہادت سے خطا کار یا گنہگار تھا۔

مسیح کو انسان ہونے کے ساتھ خدا سمجھنے والے پروٹسٹنٹ رومن کیتھلک وغیرہ عیسائی شاید یہ دلیل پیش کریں کہ مسیح خدا بھی تھا نہ محض انسان اسلئے وہ ان عمومات میں داخل نہیں ہے۔ اسکا جواب یہ ہے۔ کہ پہلے مسیح کا خدا ہونا ثابت کرو۔ پھر اس دلیل کو منہ سے نکالو۔ اور جبتک اُسکی خدائی ثابت نہو مسیح کو خطا کار گنہگار مانتے رہو۔

توحیدی عیسائی مسیح کو صرف انسان جانتے ہیں خدا نہیں مانتے۔ اور اون تہمتوں کے بشریت صدور گناہ یا خطا کو جائز و ممکن بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ صفحہ ا جلد ہذا میں انسے منقول ہوا۔ انکے ان عمومات میں مسیح کے داخل ہونیمیں کسی عذر کی گنجائش نہیں ہے۔ اور ان ہی لوگوں سے ہمارا اس مضمون میں خطاب ہے۔ وہ بھی اگر یہ کہیں کہ مسیح انسان تو تھا مگر آدم کے نطفہ سے (جو خطا یا گناہ کا محل و مصدر ہی نہ تھا) جیسا کہ دوسرے عیسائی کہتے ہیں) تو اونسے اوّل یہ سوال کیا جائیگا کہ پھر تم مسیح کو انسان و ابن آدم کیوں کہتے ہو (۲) اور اس سے خطا یا گناہ کا امکان کیوں مانتے ہو۔ (۳) اسپر کیا دلیل رکھتے ہو۔ کہ وہ نطفہ آدم آدم نہ تھا (۴) مریم والدہ مسیح کون تھی۔ انسان یا کچھ اَور (۵) ہر ایک عورت کی منی (یا رطوبت یا اُسے کچھ ہی کہو) تولید میں دخل رکھتی ہے یا نہیں (۶) کیوں جائز نہیں کہ والدہ مسیح کی منی میں پوری قوت تولید ہو۔ یا اُن میں مرد و عورت دونو کے آلات تناسل و تولید موجود ہوں جیسا کہ بعض عورتوں میں مشاہدہ و تجربہ میں آچکا ہے جسکا بیان صفحہ ۲۳ میں ہوگا۔ ان سوالات کے جواب میں انہوں نے تولید مسیح میں مریم کی مداخلت کو مان لیا۔ تو مسیح کا نطفہ انسانی سے ہونا اونکو ماننا پڑے گا۔ اور عموم مذکور میں داخل ہونا اونکا مسلمہ ہوگا۔

انجیلی بحث کو ہم اس حد پر ختم کرتے ہیں۔ اور اپنے ناظرین اور مخاطب مسٹر اکبر مسیح

ہے اس بحث میں بحوروخوض کرنیکی امید رکھتے ہیں اور داد حق چاہتے ہیں و اللہ ولی التوفیق وبیدہٖ ازمۃ التحقیق ؎

اس مضمون میں بحث تو عصمت سے تھی مگر اس بحث کے ضمن میں انجیلی مسیح کی تعلیم و معجزات پر بقدر بحث ہوگئی جسمیں بحث کرنیکا مسٹر اکبر مسیح کا ارادہ تہا۔ اور وہ آپکے خط ١١ اکتوبر ١٨٩٥ء مندرجہ کشف نمبر ٣ جلد ٢ صفحہ ۴۴ میں ظاہر ہوا ہے

از انجملہ ایک امر بحث کے لایق حضرت مسیح کی پیدائش بھی ہے جسکو مسٹر اکبر مسیح ایک معجزہ سمجھتے ہیں۔ اسکے متعلق اس مضمون کے ہم خاتمہ پر مسٹر اکبر مسیح کی پیش کردہ کتاب تاویل الاحادیث حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی عبارت بطور نوٹ پیش کرتے ہیں۔ اور اپنی طرف سے صرف اسکا ترجمہ کر دیتے ہیں۔ اور اسپر اپنی کوئی رائے ابہو ز ظاہر نہیں کرتے مسٹر اکبر مسیح اس عبارت میں غور کرکے بتا دیں کہ اگر عقلی اور طبی قواعد سے اور یورپ کے ڈاکٹروں کی شہادت سے ثابت ہوگیا کہ حضرت مسیح حضرت مریم کی منی سے پیدا ہوئے تھے۔ اور ان کی منی میں قوت تولید موجود تھی۔ یا اونمیں مرد و عورت دونوں کے اسباب تناسل موجود تھے۔ جیسا کہ بعض مستورات میں یہ امر مشاہدہ میں آچکا ہے۔ اور بسبب شہادت اہل مشاہدہ مسیح کے نظایر اونکے بعد یورپ میں اور لوگ بھی ہوگذرے ہیں جو نہ نبی تھے نہ پیغامبر بلکہ وہ عام لوگوں سے تھے۔ اور وہ ایسی عورتوں سے پیدا ہوئے جنمیں دونو قسم کے آلات موجود تھے تو کیا پھر بھی حضرت مسیح کی پیدائش معجزہ کہلاے گی ؟

جناب شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

ثم ان مریم حاضت فی ایام سریان
قوی لروحانیات فی تلک البقعۃ
فلما طہرت انتبذت الی مکان بعید
من الناس لتغتسل وسدلت ستراً
ونزعت ثیابہا فارسل اللہ الیہا

پھر مریم کو اون دنوں حیض آیا جنمیں روحانی قوتوں کے
اس مکان میں جہاں مریم تھیں اثر سرایت
کرگیا تھا۔ وہ ایام آئے جو عورتوں کو آتے ہیں
پھر جب وہ پاک ہوئیں تو ایک دوسرے
مکان میں نہانے کیلئے لوگوں سے کنارہ

جبریل فی صورۃ شاب سوی الخلق
ممتلیا شبابا وجمالا فرأته مریم
وھی شابۃ قویۃ المزاج فخافت علی
نفسھا الفساد والتجأت الی اللہ بقلبھا
لیعصمھا فکانت لھا حالۃ عجیبۃ - اما
الطبیعیۃ فحصل لھا ما یحصل عند الھیاج
من ثوران القوی النسلیۃ کما ان النظر
ربما کان سببا للانزال واما النفس
فحصل لھا الالتجاء الی اللہ واعتصام
بہ حتی ملئت من حالۃ عصمیۃ
فائضۃ من الغیب - واما الصورۃ
الانسانیۃ فکانت علی شرف الظھور
لمخالطۃ الروح الامین ولما قال
جبریل علیہ السلام انما انا رسول
ربک لاھب لک غلاما زکیا ابتھجت
وانشرحت وانست ولما رای جبریل
ھذہ حالھا نفخ فی فرجھا فدغدغت
النفخۃ رحمھا فانزلت وکان فی
منیھا قوۃ منی الذکر فحملت والتوی
فی الجنین ما کان غالبا علی مریم
من الاعتصام باللہ والالتجاء الیہ

ہوگئیں - اور پردہ لٹکا دیا اور اپنے کپڑے
اُتار دیئے اُسوقت جو خدا تعالے نے جبرئیل
علیہ السلام کو ایک جوان انسان متناسب
الاعضا جوانی اور جمال سے بھری ہوئی صورت
میں بھیجا مریم نے اونکو اوس حالت میں کہ
وہ بھی پوری جوان اور قوی المزاج تھیں
دیکھا تو اپنے نفس سے فساد کا خوف کیا - اور
دل سے خدا تعالے کیطرف التجا کی کہ وہ انکو
فساد سے بچاوے - اسوقت اون کی
عجیب حالت تھی طبیعت میں وہ جوش
پیدا ہوگیا تھا جو انسان کو بوقت صحبت ازدواج
پیدا ہوتا ہے - اور تناسل میں دخل رکھنے
والی قوتوں کو حاصل ہوتا ہے - اور بعض
اوقات صرف نگاہ کرنے سے انزال بھی
ہوجاتا ہے اور اُن کے نفس پاک کو
خدا کیطرف التجا و توجہ تھی - یہانتک کہ
وہ اس حالت با عصمت سے جو غیب سے
فائض ہوئی تھی پُر ہوگئیں - اور انسانی
صورت ذاتی بھپکی روح امین کے اختلاط
سے ظہور اور وجود کے کنارہ پر آپہنچی
تھی - اور جب جبرئیل نے کہا کہ میں خدا کا

ولا ابتهاج ولا انبساط بالهيئة الملكية فان
حالتها سرت في كل قوة من قوى نفسها حتى
للصورة والمولدة والامر ما امر الاطباء لمن
اراد ان يذكر ولده ان يتصور في حالة الجماع
غلاما والتي فيه حكم عالم المثال وخواص
الروح من قبل نفخ جبرئيل فهو السبب في التصور
فحصلت في جبلته ملكة راسخة شبهية
بجبرئيل وهذا معنى تائيد الله له بروح القدس
(حجة الله البالغة ص ۸۰)

رسول ہوں تمہیں پاکیزہ لڑکا دینے کو آیا ہوں تو اس سے انکی
طبیعت میں خوشی و انشراح انس پیدا ہو گیا۔ جب
جبرئیل نے انکا یہ حال دیکھا تو انکے ۔۔۔ میں پھونک
ماری جس سے انکے رحم میں گدگدی پیدا ہو گئی اور
انزال ہو گیا۔ انکی منی میں نر کی منی کی قوت تولیدیہ
تھی سو جبکہ وہ اپنی منی سے حاملہ ہو گئیں پھر جو صفات
انمیں تھیں رغبت کیطرف التجا کرنا اور اس ملکی صورت سے
خوش ہونا، وہ اُن جنین رحمی بچہ میں بھی آ گئیں
انکی وہ حالت خوشی و انشراح خاطر انکی ہر ایک نفسانی قوت مولدہ و مصورہ
وغیرہ سب میں سرایت کر گئی۔ یہ وہی بات ہوئی جو طبیب کہتے ہیں کہ انسان کی قوت خیالی کو بھی تولید میں دخل ہوتا ہے
جو شخص چاہے کہ اسکو لڑکا پیدا ہو وہ صحبت کے وقت لڑکے کی صورت اپنے خیال میں خوب جمائے اور اس جنین بچہ میں عالم مثال
کی تاثیر اور روح الامین کے خواص بھی شامل ہو گئے ہیں کیونکہ اسکی پیدائش کا سبب جبرئیل تھا یہ معنے تائید روح القدس کے ہیں جو قرآن میں مذکور ہے
اور اس سے پہلے صـ ۵۶ میں حضرت مریم کی پیدائش کے احوال میں کہا ہے۔ مریم (اپنی والدہ کی تاثیر قوت خیالیہ سے) بابرکت

فصارت مريم مباركة فيها امزاج من اخيه الفحول
ونشات قوية الجسم كاملة المزاج صحيحة الفطرة
والمظاهر كالهيئة التي تكون لاكابر الرجال
لذالك قال النبي صلى الله عليه وسلم كمل من الرجال كثير
الحديث وكانت مذكرة تعد من الموت من الرجال (حجة الله البالغة)

ہو گئی جسمیں کا مزاج بھی شامل تھا، وہ قوی جسم کامل مزاج
اچھی بناوٹ ستھرائی والی کامل مردوں کی سی خصلت میں
ہیں اسی وجہ سے آنحضرت نے فرمایا کہ مردوں میں تو بہتیرے کامل ہو گزرے
مگر عورتوں میں صرف مریم وہ ایک عورت تھی مقابلہ اُن
مردوں کی جو مرد ہو گزرے کہنا ہیں اس قول کا ماحصل یہ ہے کہ
گو مریم صورت میں عورت تھی مگر مقام مردان در رتبہ کے ہی تھی تھی۔ اب ہم مضمون کو ختم کرتے ہیں مسٹر اکبر مسیح کو ابتہاج
دینے میں کہ جس مضمون پر چاہیں بحث کریں مگر بہتر یہ ہے کہ ایک ایک مضمون پر اسکی ایک ایک دلیل اور سوال و جواب تاکہ انکو بھی سہو ہو اور ہم کو بھی
انکو انکے جوابات کے جواز دینے کیلئے بیکار کی قلم اُٹھانا نہ پڑے آئندہ انکا اختیار ہے ہم جیسے حاضر ہیں بلکہ منتظر۔ الکلام و لله الحمد والمنة
والاتعاد وصلے علی وصفیه محمد نبیه و خیر الرسل و افضلهم وعلی اله الکرام و صحابه العظام آمین ثم آمین یا رب العالمین ۴۴